اتحادِ ملّتِ اسلامیہ



تالیف:

سیّد خورشید علی وارثی

ناشر:

وارثی پبلیکیشنز

۱۱۲۴- پیر الٰہی بخش کالونی - کراچی - فون ۴۱۸۶۶۶

اِتحادِ ملّتِ اسلامیہ



تالیف

الحاج سیّد خورشید علی وارثی

بانی و چیئرمین

ادارہ اِتحادِ اُمّت

(پاکستان)

ناشر: وارثی پبلیکیشنز، ۱۱۲۴ پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی۔ پاکستان
فون ۴۱۸۶۶۶

پہلا ایڈیشن ــــــــ تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰)
کتابت ــــــــ معظم علی خاں موتی رقم
مطبوعہ ــــــــ ایجوکیشنل پریس، ادب منزل، پاکستان چوک۔ کراچی
تاریخ اشاعت ــــــــ دسمبر ۱۹۸۳ء
قیمت ــــــــ ۳۰ تیس روپے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

اپریل ۱۹۸۱ء میں راقم الحروف نے ایک سوالنامہ مرتب کر کے پاکستان کے چار بڑے مکاتبِ فکر کے مفتیان کرام و فقہا کی خدمت میں پیش کیا جس میں ایک سوال یہ تھا کہ کیا یہود و نصاریٰ اور کمیونسٹوں کے خلاف اپنے دفاع کی خاطر دیوبندی، بریلوی، وہابی، اہلحدیث جماعت اسلامی، شیعہ اسماعیلی اور داؤدی بوہرہ جماعتوں کا اتحاد شرعاً جائز ہے؟ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ کوئی انہیں اتحاد کروانے کی کوشش کرے تو کیا اس کا یہ فعل شریعت کے خلاف ہوگا؟ ان سوالوں کے سلسلے میں دیوبندی مسلک کے عالم جناب مفتی ولی حسن صاحب رئیس دارالافتاء و شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی، بریلوی مسلک کے عالم مفتی محمد رفیق حسنی صاحب رئیس دارالافتاء و شیخ الحدیث دارالعلوم حامدیہ رضویہ کراچی، اہلحدیث کے عالم جناب مفتی عبدالقہار صاحب دارالعلوم اہل حدیث محمدی مسجد، کراچی اور شیعہ عالم و فقیہہ جناب علامہ ابن حسن نجفی صاحب صدر مؤتمر علمائے امامیہ، پاکستان نے متفقہ طور پر یہ فتوے صادر فرمائے کہ متذکرہ بالا تمام جماعتوں کا اتحاد اس مقصد کے لئے شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ وقت کا اہم تقاضہ ہے اور جو ادارہ اس کار خیر کی دعوت دے گا اس کا یہ فعل مستحسن ہوگا۔

ان فتاویٰ کے حصول کے بعد راقم الحروف نے اپنی تالیف "اتحاد امت" ملک کے چند مقتدر علماء، مشائخ اور دانشوروں کی خدمت میں پیش کی جن کی آراء کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

دیوبندی مسلک کے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، رئیس دارالافتاء و شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی تحریر فرماتے ہیں "جناب خورشید علی دارثی صاحب ایک دردمند مسلمان اور خوش گو شاعر ہیں۔ اتحادِ ملت کے لئے داعی اور

کوشاں ہیں۔ اتحادِ ملّت کا فریضہ موجودہ دور کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ امت مسلمہ اس وقت جس نازک دور سے گزر رہی ہے اور اعداءِ دین جس طرح اسلام اور امتِ مسلمہ کو تباہ کرنے کے لئے متحد ہو رہے ہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اپنی حفاظت اور بقاء کے لئے متحد ہو جائیں خورشید صاحب کی تحریک دورِ حاضر کی ایک نہایت ضروری تحریک ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس تحریک کو کامیاب کرے اور خورشید صاحب کو اجر جزیل عنایت کرے۔ اس سلسلہ میں جو کتابچہ (اتحادِ امت) تحریر فرمایا ہے وہ کتابچہ صحیح اور بروقت ہے اس کی اشاعت میں کوشش نہایت ضروری ہے۔"

اسی مسلک کے شیخِ طریقت حضرت عارف باللہ جناب ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب، خلیفۂ مجاز حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جن کا نہ صرف علماءِ دیوبند بلکہ پاکستان کے موجودہ صدرِ محترم جناب جنرل ضیاء الحق بھی بے انتہا احترام کرتے ہیں تحریر فرماتے ہیں:

"الحاج سید خورشید علی صاحب وارثی نے اپنی تصنیف کردہ کتاب "اتحادِ امت" بغرضِ رائے مجھ کو دی تو میرا خیال تھا کہ اپنی بے انتہا مصروفیت کے باعث میں اس کو جستہ جستہ پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار کر سکوں گا لیکن جب میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میرے قلب میں جذباتِ محبت خود بخود ابھرنے لگے اور ایک کیف و سرور کی کیفیت طاری ہو گئی۔ لہٰذا میں اس کتاب کو شروع سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ صرف یہی نہیں کہ خورشید صاحب نے اپنے وجدانِ محبت کے تقاضے سے مجبور ہو کر بڑے والہانہ انداز میں اپنے کلام منثور و منظوم کو پیش کیا ہے بلکہ قرآن پاک، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اقوالِ بزرگانِ دین و افکارِ دانشورانِ قوم کے حوالہ جات اور کلام منثور و منظوم کا ایک حسین گلدستہ بنا کر "اتحادِ اُمّت" کے نام سے شائع کیا ہے جس کی خوشبو سے دماغ معطر اور سلیقۂ آرائش سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

خورشید صاحب نے جس نکتہ پر اتحادِ امت کی دعوت دی ہے وہ یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام

جن فرقوں کو مسلمان سمجھتے ہیں ان سب کے مساوی دشمن ہیں اور ان کی تباہی و بربادی کے درپے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام فرقے ذاتی تقاضوں و فراغ کے لیے اس مشترکہ دشمن کیخلاف متحد ہو جائیں۔ یہ نکتہ ایسا ہے جس سے کوئی بھی صاحب عقل اختلاف نہیں کر سکتا چنانچہ تمام مفتیانِ عظام نے متفقہ طور طور پر اس کی تائید میں فتاویٰ صادر فرمائے ہیں اور مسلمان کہلانے والی تمام جماعتوں کا اتحاد شرعاً جائز قرار دیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ بفضل تعالیٰ ان تمام جماعتوں نے ادارہ ہذا میں شمولیت بھی اختیار کر لی ہے اور یہ ادارہ "ادارۂ اتحادِ اُمت" کے نام سے رجسٹرڈ ہو رہا ہے اس ادارہ کے تمام اغراض و مقاصد کا جواز شرعی کتاب "اتحادِ امت" میں بدرجہ اتم موجود ہے اور سب سے زیادہ مرکزی حیثیت جس شق کو حاصل ہے وہ ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا یہ قول گرامی ہے کہ "اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو نہیں۔"

بریلوی مسلک کے نامور ادیب شہیر جناب حضرت شمس بریلوی تحریر فرماتے ہیں "مکرمی خورشید صاحب کی یہ تحریک جو اتحادِ امت کے عنوان سے معنون ہے یہ حقیقت ہے کہ فی زمانہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے ایک مستحسن اقدام اور قابل تعریف کوشش ہے۔"

بریلوی مسلک کے شیخ طریقت حضرت عارف باللہ الحاج پروفیسر شاہ محمد عبدالغنی صاحب علیگ، قادری، چشتی، نظامی، نیازی مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر مرزا مرتضیٰ حسین لکھنوی ثم جبلپوری، سابق پروفیسر و پرنسپل اردو کالج، کراچی تحریر فرماتے ہیں۔

"عزیز مکرم الحاج خورشید علی وارثی ایک صحیح العقائد، سنجیدہ، متعبد، باعمل اور ہر لحاظ سے سلجھے ہوئے انسان ہیں فی الحال جس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وہ کوشاں ہیں۔ وہ تحریک اتحاد امت ہے جسے ہر طبقۂ امت اجابت وقت کی اہم ضرورت تسلیم کرتا ہے کیونکہ جس مرکزی خیال پر سید صاحب موصوف جملہ فرقوں کو اتحاد کی دعوت دے رہے ہیں وہ تمام فرقوں کی ضرورت ہے اور دائمی ہے۔ ایسا اتحاد امت کی بنیادی ضرورت کی تکمیل کی جانب مبارک اقدام ہے جسے سوڈا واٹر کا وقتی و عارضی

جوش نہ ہونا چاہیے۔ سید خورشید علی وارثی صاحب اس اتحاد کو مستقل بنیادوں پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ حق پر ہیں۔ اللہ ان کا حامی و ناصر رہے۔ آمین!"

جناب سید عبدالرشید صاحب فاضل سابق پروفیسر و صدر شعبہ فارسی اردو کالج موید و متفق افکار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں "میں نے جناب الحاج سید خورشید علی وارثی کی زیر طبع تصنیف "اتحادِ امت" شروع سے آخر تک پڑھی۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا اور میرے دل میں یہ خواہش شدت سے پیدا ہوئی کہ یہ کتاب جلد سے جلد طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے۔ تاکہ میری طرح دوسرے بھی اس سے مستفید ہوں۔ میرے خیال میں ایک اچھی کتاب میں یہ چند باتیں ضرور ہونی چاہئیں عبارت میں کسی قسم کا ابہام و اغلاق نہ ہو بے ربطی نہ ہو جو بات کہی جائے صاف صاف کہی جائے، الجھاؤ نہ ہو زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہو۔ مواد کو خوبصورت ترتیب اور دلکش تنظیم کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ مواد بامقصد اور تعمیری ہو اور آخری بات یہ کہ لکھنے والے کی دل سوزی یا ولولہ شوق کی چاشنی اس میں موجود ہو۔

اگر مذکورہ باتیں کسی تصنیف میں جمع ہو گئی ہیں تو وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کو نہ محض یہ کہ آدمی خود پڑھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کے پڑھنے کی تحریص کرے کہ یہ ایک قومی خدمت ہے۔ میں اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد بے تامل کہتا ہوں کہ اس میں یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ خورشید صاحب ایک شاعر بھی ہیں۔ اور اعلیٰ درجے کے انشاپرداز بھی ہیں۔ اس لئے تو انھوں نے محولہ بالا باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور ایک مومن پاک طینت اور ہمدرد قوم ہیں اس لئے دوسری دو باتوں کا بتقاضائے ایمان و پاک طینتی پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ان کی قوتِ ایمانی اور تزکیۂ نفس ہی نے ان کو اس بات پر آمادہ بلکہ مجبور کیا ہے کہ کسی عنوان اپنی قوم کی خدمت کریں۔ چنانچہ یہ کتاب اسی جذبے کی نمود ہے۔"

حضرت علامہ سید ابن حسن نجفی صاحب مدظلہ صدر موتمر علمائے امامیہ پاکستان تحریر فرماتے ہیں۔
"اسلام صرف کلمہ توحید یعنی اللہ کو ایک ماننے کے عقیدے ہی کا نام نہیں بلکہ اس دین کے نظام فکر و عمل میں توحید کلمہ

یا مسلم معاشرے کے تمام افراد میں آپس میں ایک یکجہتی اور ہم آہنگی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے سورۂ آلِ عمران میں اس نظریے پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اسی وابستہ پیوستہ رہنے کا حکم دیا ہے۔

خداوند عالم خوش رکھے جناب الحاج سید خورشید علی صاحب دارثی کو جنہوں نے قرآن کے فلسفے کے اہم ترین پہلو اور ملت کی اس سب سے بڑی ضرورت کی جانب مخلصانہ توجہ دی۔ نیز تحریک اتحاد امت کی بنیاد ڈالی اس وقت انکی سعی جمیل اتحاد امت کتاب کی شکل میں میرے پیش نظر ہے۔ اس کاوش کی جتنی بھی توصیف کی جائے کم ہے اللہ ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

جناب پروفیسر کرار حسین صاحب ڈائریکٹر خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر سابق وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی تحریر فرماتے ہیں "میں نے الحاج سید خورشید علی دارثی کی کتاب اتحاد امت بڑے غور سے اور بہت شوق سے پڑھی اتحاد امت (امت اجابت اور اس سے آگے بڑھ کر امت دعوت) کا جذبہ اور اس کے لیے سعی نہ صرف وقت کی ضرورت ہے بلکہ ریاضت نفس کا ایک اہم حصہ اور نجات کی بنیادی شرط ہے۔ موصوف نے بڑی دلسوزی سے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ سب سے مہلک امراض امراض قلب ہیں اور امراض قلب میں سب سے شدید مرض نفاق ہے جس کا بہت تفصیل سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور اس کا علاج محبت ہے۔

ع۔ علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی"

جب مذکورہ بالا آراء اور رضامندی راقم الحروف کو وصول ہوگئے تو اس نے پاکستان کی تمام جماعتوں کے متعدد افراد سے مل کر اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ اس ادارے کی بنیادی رکنیت قبول کریں چنانچہ مختلف العقائد جماعتوں کے ۴۲ معززاور تعلیم یافتہ حضرات نے جنمیں چند علما بھی شامل ہیں اس ادارے کی بنیادی رکنیت قبول کر لی اور ادارہ "اتحاد امت" مورخہ ۱۵ ار جون ۱۹۸۱ء کو سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ (۲۱) ۱۸۶۰ء کے تحت رجسٹر ہوا۔ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۸۲ء کو اس ادارے نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی جسمیں ملک کے تمام اخبارات کے نمائندوں نے شرکت کی۔ راقم الحروف نے جسکو ادارہ ہذا کے بنیادی ارکان نے پانچ سال کے لیے ادارے کا چیرمین منتخب کیا تھا" اس پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ادارے کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ وقفہ سوالات میں سینئر صحافی جناب عبدالحمید صاحب چھاپرا،

صدر کراچی پریس کلب نے فرمایا کہ ادارہ اتحاد امت کے اغراض و مقاصد اور اس تحریک کو سمجھنے کے لئے یہ بیان اس قدر واضح، جامع اور مفصل ہے کہ انکی رائے میں اب کسی سوال کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن چونکہ پریس کانفرنس ہوتی ہی اس لئے ہے کہ سوال و جواب کئے جائیں۔ لہٰذا میرے ساتھی اگر چاہیں تو سوال کر سکتے ہیں۔ تمام موجود صحافیوں نے اپنے صدر کی رائے سے اتفاق کیا اور صرف یہی نہیں کہ کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اس ادارے کے اغراض و مقاصد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ چند سینئر صحافیوں نے اس ادارے کی اعزازی رکنیت بھی قبول فرمالی۔

جب ادارہ نے اپنے دائرہ عمل کو صوبہ سندھ سے آگے بڑھایا اور صوبہ سرحد اور آزاد قبائل میں اپنے دفاتر قائم کئے تو ایک طبقے نے اسکی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ کر اس تحریک کی مخالفت شروع کردی اور عجیب بات یہ ہے کہ جس دینی مدرسے کے رئیس دارالافتاء اور شیخ الحدیث نے اس تحریک کی موافقت میں رائے دی تھی اور اپنا فتویٰ صادر فرمایا اسی مدرسے کے ایک عالم نے مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو ایک پرچہ شائع کیا جسمیں انھوں نے دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ یہ تحریر فرمایا کہ انھیں اس ناچیز کی تحریک سے سخت اختلاف ہے اور وہ اسے قطعاً پسند نہیں کرتے۔ یہ پرچہ اُن علاقوں کے عوام میں تقسیم کیا گیا جہاں اس تحریک کو مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔

علاوہ ازیں ان علاقوں میں غلط پروپیگنڈا بھی کیا جا رہا ہے کہ اس تحریک میں شیعہ اسمٰعیلی اور داؤدی بوہرہ جماعتیں شامل ہیں جنھوں نے ماضی میں اہل سنت کی مخالفت کی ہے اور حال میں ایران جو شیعہ ریاست ہے وہ عراق کی سنی ریاست سے نبرد آزما ہے۔ لہٰذا ان جماعتوں سے اتحاد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پروپیگنڈے کا اثر تحریک پر پڑا لہٰذا ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ اس گمراہ کن پروپیگنڈے کا رد کیا جائے اور عوام کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے اسی مقصد کے تحت یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔

اس کتاب کا زیادہ تر حصہ اہل سنت والجماعت کی تصنیف کردہ کتب کے اقتباسات قومی اخبارات و رسائل کی خبروں، مضامین اور اداریوں پر مشتمل ہے جو موضوع زیر بحث

کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ عراق و ایران جنگ کے سلسلے میں ہم نے دونوں فریقین کے موقف کا بغور جائزہ لینے کے بعد جو تبصرہ کیا ہے اس کی تصدیق و تائید میں مصر کے نائب وزیر اعظم جناب سید حسن التہامی کے انٹرویو سے ہم چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو روزنامہ جنگ میں مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۸۲ء کو شائع ہوا ہے۔ موصوف داؤدی بوہرہ جماعت کے قائم کردہ جامعۃ السیفیہ کمپلیکس کی افتتاحی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے پاکستان تشریف لائے تھے یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کی باعث عرب ممالک نے مصر کا بائیکاٹ کیا ہے اسی طرح ایران نے بھی کیا ہے۔ لہٰذا مصر کے تعلقات ایران سے بھی کشیدہ ہیں لیکن اس کشیدگی کے باوجود مصر کے نائب وزیر اعظم نے ایران کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ مبنی بر حق ہے۔ لہٰذا اس کو ہمارے تجزیہ کی تائید میں پیش کرنا میرے خیال سے بے جا نہ ہوگا۔

"س:۔ آپ کے خیال میں کیا ایران، عراق جنگ اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سازگار حالات نہیں پیدا کر رہی ہے۔؟

ج:۔ میں عراق اور ایران دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا نہیں کرتا۔ یہ عراق ہے جس نے بلاوجہ ایران پر حملہ کیا۔ اس حملہ کی کوئی واضح توجیہہ عراق پیش نہیں کر سکا۔ بظاہر وہ بحیرۂ عرب میں آبی گزرگاہ کے مسئلہ کا حل چاہتا ہے۔ لیکن وہ غیر منصفانہ بنیادوں پر اس کو اپنے حق میں حل کرانا چاہتا ہے اس کی یہ بات درست تسلیم نہیں کی جاسکتی بحیرہ عرب میں آبی گزرگاہ بین الاقوامی گزرگاہ ہے جو بین الاقوامی قوانین کے تحت قائم ہے عراق نے ایک اسلامی ریاست پر حملہ کرکے بڑی غلطی کی ہے جو ایک ناقابل معافی غلطی ہے اگر یہ جنگ شروع نہ ہوئی ہوتی تو ہم اپنے علاقوں پر سو فیصد کنٹرول کرنے کی پوزیشن میں ہوتے۔ اس جنگ سے عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اس معاملے میں ابتدا ہی میں غلطی ہوتی۔ اس غلطی کا ازالہ کرکے ہی جنگ بندی کی جاسکتی ہے اور اس

کا طریقہ یہ ہے کہ ایران کو تاوان جنگ دلوایا جائے ہم اس جنگ کے معاملے میں ایران کو کسی طرح بھی الزام نہیں دے سکتے کیونکہ اس نے عراق کے خلاف جارحیت کا ارتکاب نہیں کیا تھا ہم ایران کی مذمت محض اس لیے نہیں کر سکتے کہ وہ ایک شیعہ ریاست ہے ہم بھی مسلمان ہیں اس سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ میں شیعہ ہوں یا میں شیعہ نہیں ہوں حالانکہ اولادِ رسولؐ ہوں کیا ہم شیعوں کو محض اس لیے برا کہیں کہ وہ اہل بیت کی اولاد یا ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کو ماننے والے ہیں۔ عقائد کی بنیاد پر مسلمانوں کی تفریق اور تقسیم کا کام اب ختم ہونا چاہیئے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔

س:۔ ایران۔عراق جنگ کو بند کرانے کے لیے ایران نے سویڈن کے اولف پالمے کو مصالحت کنندہ کے طور پر قبول کیا ہے کیا عالم اسلام میں کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جسے مصالحت کنندہ کے طور پر قبول کیا جاتا۔

ج:۔ یہ واقعی بہت بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ ایران عراق جنگ ابھی تک جاری ہے۔ اور مصالحت کنندہ کی حیثیت سے کوئی شخصیت سامنے نہیں آسکی۔ اس کی غالباً ایک وجہ یہ رہی ہو کہ مسلمان خود گروہوں میں بٹ گئے ہوں اور عرب اور عجم کی زبان میں سوچنے لگے ہوں یہ میرا احساس ہے۔ آپکو یاد ہو گا کہ لاہور کانفرنس میں شاہ فیصل مرحوم مسلمانوں کے لئے عرب اور مسلمان کے الفاظ استعمال کرنے پر سخت ناراض ہو گئے تھے اور کہا تھا کہ مسلمان صرف مسلمان ہیں۔ انہیں عرب اور غیر عرب میں تقسیم کرنا بڑی غلط بات ہے ہمیں بھی اسی جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس تفریق میں نہیں الجھنا چاہیئے۔ اور سب کو ایک نظر سے دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے ایران بھی اسلامی ملک ہے ایرانی بہت اچھے اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں ان کی مدد کی جانی چاہیئے۔ جہاں تک آپکے سوال کا تعلق ہے اس جنگ کو بند کرانے کے لیے اسلامی کانفرنس کی تنظیم، غیر جانبدار کانفرنس اور بھارتی گروپ سرگرداں ہیں ایران ایک اسلامی ملک اور ریاست ہوتے ہوئے یہ چاہتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل اسلامی اصولوں

کے مطابق ہو۔ اسلامی ممالک کی جانب سے جو وفد گیا تھا۔ وہ آیا تو اسلام کے نام پر تھا لیکن جب اس نے ایران کا دورہ کیا تو ایران کے بقول وہ اسلام کے اصولوں کے برخلاف باتیں کر رہا تھا جس کی وجہ سے ایران نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی مصالحت کی کوشش کو منظور نہ کیا۔ اس لئے اس نے دوسروں کی مصالحت کو قبول کرنے پر غور کیا جب ایران کی نئی حکومت قائم ہوئی تو میں نے ایران میں اپنے سفیر کے ذریعہ امام خمینی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا کیونکہ ایران کے اسلامی انقلاب کے شروع میں قائم ہونے والی انتظامیہ پرانی ڈگر پر چل رہی تھی اور وہ اسلامی انقلاب کے تقاضوں کا دل سے ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ہم امام خمینی سے اس لئے ملاقات کرنا چاہتے تھے کہ متعدد مسائل پر باہم تبادلہ خیال کیا جائے اور بعض امور پہ اپنا نکتہ نظر کھل کر واضح کر دیا جائے اور مستقبل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا راستہ کھولا جائے ہم یہ اس لئے کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے دشمنوں کو غلط تاثر قائم کرنے کا کم سے کم موقع ملے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایران کی اسلامی حکومت کی ہر ممکن مدد کی جائے تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ دو اسلامی ممالک آپس میں کس قدر سچے اور صاف باہمی تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ ایران کی پچھلی دو حکومتیں خمینی کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کے معیار پہ پوری نہیں اتری تھیں۔ اس لئے ایران کو نقصان اٹھانا پڑا۔ ایران کو نقصان پہنچے یہ کسی طرح ہمارے مفاد میں نہیں ہمیں ان کے ساتھ بھائیوں کی طرح تعاون کرنا چاہیئے۔ اور ان کی رہنمائی کرنی چاہیئے۔"

ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی حد تک اس پروپیگنڈہ کا رد ہو سکے گا جو ہماری تحریک کے خلاف پاکستان میں شروع کیا گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے دین کے ایک اہم کام یعنی اتحاد ملت اسلامیہ میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ذیل میں بشکریہ روزنامہ جنگ اس کے اداریہ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو "تنظیم آزادی فلسطین کا المیہ" کے زیر عنوان مورخہ ۱۵ نومبر ۸۳ء کو شائع ہوا ہے اور موضوع زیر بحث کے سلسلے

میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

"تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا نقصان ان کی آپس کی پھوٹ اور باہمی رنجشوں نے پہنچایا ہے۔ سقوطِ بغداد سے سقوطِ ڈھاکہ تک اور المیۂ اسپین سے اہلِ فلسطین کے حالیہ تنازعہ تک تاریخ نے اپنے آپ کو بار بار دہرایا ہے۔ مقامات اور کرداروں کے فرق کے باوجود مسلمانوں کی ناکامی کی داستان ایک ہے۔ حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم تاریخ سے سبق سیکھنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہو گئے ہیں اور آج پورا عالمِ اسلام باہمی عدم اعتماد اور شدید گروہ بندی کا شکار ہے جبکہ دشمن ہر قسم کے جنگی ساز و سامان اور کیل کانٹے سے تیار ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جو عرب ممالک تنظیم آزادیٔ فلسطین کی قیادت کو برباد کرنے کے درپے ہیں اور جنہوں نے فلسطینیوں میں پھوٹ ڈال دی ہے وہ اسرائیل کے وجود کو چیلنج کر سکیں گے ...... کاش عرب ممالک کے قائدین اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور تنظیم آزادیٔ فلسطین کو مکمل طور پر تباہی سے بچا سکیں ورنہ .... تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں"

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں ارشاد فرماتا ہے۔ "اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔" راقم الحروف نے یہ کتاب اس آیتِ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھ کر تالیف کی ہے اور جس بات کو حق سمجھا ہے اس کا برملا اظہار کیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ صاف گوئی بعض لوگوں کو ناگوار گزرے جس کے لئے ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ ......

مقصود عرضداشت سے اظہارِ حال ہے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام مسلمانانِ عالم میں ایسا اتحاد پیدا فرمائے جو قیامت تک قائم و دائم رہے۔ آمین!

۱۱۲۴ پیر الٰہی بخش کالونی
کراچی۔ پاکستان

احقر العباد
خورشید دارثی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتحاد قوت کا سرچشمہ ہے

اس کتاب میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اور جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس کی جزئیات سے کسی کو اختلاف ہو لیکن جس بنیادی نکتہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی تائید و تصدیق میں جو تاریخی شواہد پیش کئے ہیں اُن سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اتحاد کی اہمیت اور ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت میں امر ربّی ہونے کے باعث اتحاد ہی قوت کا سرچشمہ ہے اور متحدہ قوت ہی کے ذریعہ ہم اسلام دشمن قوتوں سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں، اپنے تمام داخلی و خارجی مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ ظلم و ستم سے انسانیت کو نجات دِلا سکتے ہیں۔ افلاس اور غربت کے عفریت کو زیر کر کے سارے عالم کو امن، سکون اور خوشحالی کی دولت سے مالا مال کر سکتے ہیں۔۔

استحصالی قوتوں سے نجات اور انصاف و مساوات پر مبنی ایک فلاحی معاشرے کا قیام بھی اسی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اتحاد کی قوت ہی کے ذریعہ ہم اُن تمام رکاوٹوں کو دور کر سکتے ہیں جو "اعلائے کلمۃ اللہ" کے راستے میں حائل ہوتی ہیں کیونکہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ صرف دنیاوی بھلائی اور نعمتوں کو حاصل کر کے مطمئن ہو جائے بلکہ یہ تمام باتیں محض ذرائع ہیں اس اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کے لئے جسکے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

"غرض سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذرائع ہیں۔ اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے وہ رضوا بالحیوٰۃ الدنیا[1] (وہ لوگ حیات دنیا کے ساتھ راضی ہو گئے) میں داخل ہوا۔ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیئے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو[2]"

---

[1] سورۂ یونس آیت ۷، [2] مکاتیب اقبال جلد دوئم صفحہ ۱۶

ادارۂ اتحادِ اُمت

ادارہ اتحاد امت کا قیام بھی مذکورہ بالا مقصد اور ذرائع کو حاصل کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو فرقہ واریت، نسلی، قومی، لسانی عصبیتوں، سیاسی گروہ بندیوں اور عقائد کے مباحث سے بالاتر ہو کر ایک ایسے نکتہ پر مسلمانان عالم کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے جو سب کی متفق علیہ اور دائمی ضرورت ہے۔ اس ادارے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو نہیں "۔ اتحاد کے دو فارمولے جو بعد ازیں پیش ہوں گے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مستحسن اقدامات ہیں اور ہماری دلی دعا ہے کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ لیکن جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اُن کے مطالعہ سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ کسی ایک متفق علیہ اور متعین مقصد کے حصول کے لئے تو مختلف العقائد جماعتوں میں اتحاد ہوا ہے لیکن عقائد کے متنازعہ مسائل کے سلسلہ میں آج تک مختلف العقائد جماعتوں میں کوئی اتفاق اور سمجھوتا نہیں ہو سکا ہے۔ علاوہ ازیں وہ متعین مقاصد بھی چونکہ وقتی تھے لہٰذا وہ اتحاد بھی وقتی ثابت ہوئے اور اُن مقاصد کے حصول کے بعد ختم ہو گئے۔ لہٰذا تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور گزشتہ حکومت کے خلاف اتحاد کا ہونا اور ان مقاصد کے حصول کے بعد ختم ہو جانا ایک تاریخی حقیقت ہے۔

ان تاریخی حقائق کے پیش نظر ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا نکتۂ اتحاد تلاش کیا جائے جو تمام مختلف العقائد جماعتوں اور تمام اسلامی ممالک کے مابین ہمیشہ سے غیر متنازعہ بھی رہا ہو اور اُن سب کی دائمی ضرورت بھی ہو تاکہ اس نکتہ پر اگر اتحاد عمل میں آئے تو وہ بھی دائمی اور پائیدار ہو۔ کافی غور و خوض کے بعد راقم الحروف نے ایک سوالنامہ مرتب کر کے تمام مختلف العقائد جماعتوں کے مفتیان کرام کی خدمت میں پیش کیا جس کی نقل پیش کی جاتی ہے تاکہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ وہ نکتہ اتحاد کیا ہے اور اس کے بارے میں مفتیانِ کرام شرعی نکتۂ نگاہ سے کیا فرماتے ہیں۔

سوال نامہ | ۱۔ کیا امتِ محمدیہ میں امتِ اجابت (یعنی مسلمان) اور امتِ دعوت (یعنی کفار) دونوں شامل ہیں ۲۔ یہودیت، نصرانیت اور اشتراکیت کی طاقتیں اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی سازشوں اور عملی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ یہودیت نے نصرانیت کے تعاون و اشتراک سے ہمارے قبلۂ اول پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہے۔ اشتراکیت افغانستان کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہی ہے اور یہ خطرہ پاکستان کے دروازے تک پہنچ چکا ہے یہ تمام طاغوتی طاقتیں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، وہابی، جماعت اسلامی، شیعہ، اسمٰعیلی اور داؤدی بوہرہ جماعتوں کو مسلمان سمجھتے ہوئے ان سب کی تباہی و بربادی کیلئے کوشاں ہیں اور ان سب کے مساوی دشمن ہیں۔ کیا اس مشترکہ دشمن کے خلاف اپنا دفاع کرنے اور اپنی بقا کیلئے مذکورہ بالا جماعتوں کا اتحاد شرعاً ہو سکتا ہے اور اس مقصد کے پیش نظر اگر کوئی شخص یا ادارہ ان جماعتوں میں اتحاد کروانے کی کوشش کرے تو کیا یہ فعل شریعت کے خلاف ہوگا؟

فتویٰ مفتی ولی حسن صاحب دیوبندی مسلک | (۱) یہ امر صحیح ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ امتِ اجابت اور کفار امتِ دعوت ہیں (۲) مشترکہ دشمن اور وطن عزیز کے تحفظ کے لئے ان سب جماعتوں سے اتحاد ناگزیر ہے جو ادارہ اتحاد کے لئے کوشاں ہوگا اس کا فعل مستحسن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فتویٰ مفتی رفیق حسنی صاحب بریلوی مسلک | (۱) اس نکتہ پر مسلمان کہلانے والی جماعتوں کا اتفاق کرلینا شرعاً جائز ہے کہ اس مشترکہ دشمن کا دفاع کیا جائے (۲) اگر کوئی ادارہ خلوص سے اس مقصد کیلئے اتحاد کرانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اقدام مستحسن ہوگا (۳) مطلق امت محمدیہ میں مسلم اور کافر سب شامل ہیں مسلمان امتِ اجابت ہیں اور کافر امتِ دعوت میں شامل ہیں۔

فتویٰ علامہ ابن حسن نجفی صاحب شیعہ عالم و فقیہہ | بقاء و اعلائے دینِ اسلام کے لئے تمام فرق اسلامیہ کا اشتراک و اتفاق و اتحاد واجب عینی ہے نیز جو ادارہ اس کارِ خیر کی دعوت دے گا اس کے ساتھ تعاون فرض اور باعثِ اجر جزیل ہوگا۔

فتویٰ مفتی عبدالقہار صاحب اہل حدیث | (۱) امت محمدیہ میں مسلمان امت اجابت اور کافر امتِ دعوت ہیں، (۲) مشترکہ دشمن اسلام کے خلاف دفاع کے لئے اتحاد صحیح اور درست ہے۔

ان فتاویٰ کی رو سے ادارہ ہذا میں جتنی جماعتیں شامل ہوئی ہیں ان سب کا اتحاد شرعاً جائز قرار پاتا ہے اور مقصد اتحاد بھی واضح ہو جاتا ہے۔ بلکہ مفتی ولی حسن صاحب نے تو یہاں تک تحریر فرما دیا ہے کہ "مشترکہ دشمن اور وطن عزیز کے تحفظ کے لئے ان سب جماعتوں سے اتحاد ناگزیر ہے اور جو ادارہ اتحاد کے لئے کوشاں ہوگا اس کا فعل مستحسن ہوگا"۔ اور علامہ ابن حسن نجفی صاحب فرماتے ہیں کہ "جو ادارہ اس کارِ خیر کی دعوت دیگا اس کے ساتھ تعاون فرض اور باعثِ اجر جزیل ہوگا"۔ لہٰذا اس اتحاد کی مخالفت دشمنانِ اسلام تو کر سکتے ہیں مگر ملتِ اسلامیہ کا کوئی گروہ یا فرد کریگا تو اس کے اختلاف کو ذاتی بغض پر محمول کہا جائے گا جس کو اسلام مذموم قرار دیتا ہے۔

بعض لوگوں نے ہمارے اہل تشیع کے ساتھ اتحاد کرنے کو اچھا نہیں سمجھا ہے اور کہا ہے کہ شیعوں اور سنیوں میں اتحاد ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جب "اسلامی دستور" کی خاطر تمام مکاتبِ فکر کے اکتیس ۳۱ علماء متفق ہو سکتے ہیں جن میں چار شیعہ علماء بھی شامل تھے تو دشمنانِ اسلام کے خلاف تمام اسلامی فرقے کیوں متحد نہیں ہو سکتے؟ کیا تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں شیعہ، اسمٰعیلی اور داؤدی بوہرہ جماعتوں کے اتحاد و ایثار کو ہم فراموش کر سکتے ہیں؟

اگر تحریک نظامِ مصطفیٰ کے سلسلے میں پاکستان کے تمام فرقوں اور مختلف مکاتبِ فکر کے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے تو تحریک اتحادِ امت بغرض بقاء و دفاع اسلام ان فرقوں و مسالک میں اتحاد کیوں نہیں ہو سکتا؟ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے قائد حضرت علامہ مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ایسے اتحاد کی ایک نہایت عمدہ مثال دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی بستی میں مختلف العقائد لوگ رہتے ہیں اور وہاں آگ لگ جائے اور سب متحد ہو کر بجھائیں تو کون صاحبِ عقل اس اتحاد کو بُرا اور ناجائز قرار دے سکتا ہے؟ کیونکہ آگ یہ نہیں دیکھے گی کہ کون گھر شیعہ کا ہے اور کون سنی کا۔ دشمنانِ اسلام بھی اسی آگ کی طرح ہیں جو ان دونوں میں کوئی فرق روا نہ رکھیں گے۔ لہٰذا اُن کے خلاف اِن دونوں جماعتوں کا اتحاد عقلی و نقلی لحاظ سے نہ صرف یہ کہ مستحسن بلکہ ناگزیر ہے۔

اتحادِ ملّت

اب ہم ذیل میں جناب پروفیسر سید محمد عبدالرشید صاحب فاضل سابق صدر، شعبۂ فارسی، اردو کالج، کراچی کا اتحاد ملت کے موضوع پر تحریر کردہ ایک نہایت اہم اور مفید مقالہ پیش کرتے ہیں جو موصوف نے خاص طور پر اس کتاب میں شامل کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مقالہ انشاء اللہ تعالیٰ ان شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں جو اتحاد ملت کی راہ میں حائل ہیں نہایت اہم اور موثر کردار ادا کرے گا اور اس اتحاد کو فروغ دینے میں ممد و معاون ثابت ہوگا جو اسلام کو مطلوب ہے۔

مقالہ جناب پروفیسر سید عبدالرشید صاحب

اتحاد ملت کی جیسی ضرورت آج ہے ایسی پہلے کبھی نہ تھی۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ انکار کیسے کر سکتا ہے جبکہ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کا کیا حال ہے وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ ساری خرابی مسلمانوں کی آپس کی نااتفاقی کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں مسلمان ایک ارب کے لگ بھگ ہیں۔ اگر یہ سب متحد ہوتے تو کیا پھر بھی ایسے ہی کمزور اور مجبور ہوتے کہ مٹھی بھر اسرائیلیوں کے انتہا درجہ بہیمانہ مظالم دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو اور یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر مسلمان متحد نہ ہوں گے تو ان کی ہوا اکھڑ جائے گی اور وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ مگر مسلمانوں نے خدا کے حکم کو پس پشت ڈالا اور دنیا کے موجودہ حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی سبق حاصل نہیں کیا۔

اگرچہ قوم کے مخلص ہمدردوں نے ہر زمانے میں ملّت کے اتحاد کی کوشش کی مگر دشمنانِ اسلام اور قوم میں بعض غدّاروں نے اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ آج بھی مختلف شکلوں میں اتحاد کی کوشش ہو رہی ہے۔ کراچی میں ایک ادارہ "ادارۂ اتحادِ امت" کے نام سے ۱۹۸۱ء سے قائم ہے جس کے بانی خورشید علی وارثی صاحب ہیں۔ خورشید علی صاحب ہر مسلک کے علماء سے خود جا کر ملے اور اُن سے عرض کیا کہ کیا اب بھی اتحادِ ملّی کی خاطر اپنے فروعی اختلافات ختم کرنے کا وقت نہیں آیا ہے؟ تو ہر عالم نے اتحاد کی ضرورت کو خورشید صاحب ہی کی طرح محسوس کرتے ہوئے اُن کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کا وعدہ کیا چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب "روحِ اتحادِ امت" میں ان تمام علماء کی آراء کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں شامل کر دی ہیں جو ملاحظہ کی جا سکتی ہیں چونکہ یہ کام ایسا ضروری ہے کہ ہر درد مند مسلمان اس کی تکمیل کا دل سے خواہشمند ہے اس لیئے اب خود مختلف مسالک کے سر برآوردہ حضرات اس بات کی اپیلیں کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو بلا امتیازِ مسلک و مذہب متحد ہو جانا چاہیئے کہ یہ بات وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حال ہی میں میاں طفیل محمد صاحب اتحاد کی اپیلیں کر چکے ہیں اور مولانا عبدالستار خاں نیازی نے تو اتحاد کی ضرورت کو اس قدر محسوس کیا کہ اس کے لئے ایک چار نکاتی پروگرام بھی پیش کر دیا جس کو عام طور سے پسند کیا گیا۔ اسی طرح دیوبندی اہلحدیث اور دوسرے مسالک کے علماء بھی اتحاد کی اپیلیں کر رہے ہیں یہی نہیں بلکہ بعض ایسے ادارے بھی معرضِ وجود میں آ گئے ہیں جن کا مقصد وحید قوم میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔ مگر جیسا کہ اس قسم کی تحریک کو ناکام بنانے کی بھی ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی ہے اب بھی بعض لوگوں نے نئے نئے شگوفے چھوڑنا شروع کر دیئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے شیعہ سنی ایک پلیٹ فارم پر کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ کسی کو فکر ہے۔ دیوبندیوں

اور بریلویوں میں اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ اختلافات فروعی ہیں یا اصولی؟ اگر فروعات سے متعلق ہیں تو اصول پر متحد ہوتے ہوئے اول تو اسلام اور ملّت کی خاطر ان فروعی اختلافات کو ختم ہی کر دینا چاہیئے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو جن باتوں پر اتحاد ممکن ہے اُن پر تو متحد ہو جانا چاہیئے۔ پھر یہاں تو دشمنانِ اسلام کے خلاف متحد ہونے کی کوشش کی جا رہی ہے اس کے لئے مختلف مسالک کے لوگوں کو متحد ہو جانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے اگر دشمنانِ اسلام کے خلاف متحد ہو کر اسلام کا دفاع نہیں کیا گیا اور یہ دشمن غالب آگئے تو کیا یہ مختلف مسالک قائم رہ سکیں گے؟ تقسیم ہند کے بعد جب ہندوؤں نے وہاں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کیا تو کیا کسی مخصوص مسلک کے لوگوں کے خلاف کیا تھا؟ اگر ایسا کیا تو دوسرے تمام مسالک کے لوگ اپنے گھر بار اور بہت سے اعزّہ کو چھوڑ کر پاکستان میں کیوں آگئے؟

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تحریک پاکستان میں بھی تمام مکاتبِ فکر کے لوگ متحد تھے۔ اگر متحد نہ ہوتے تو پاکستان کیسے بن جاتا۔ "دستورِ اسلامی" کی مہم میں بھی مختلف مکاتبِ فکر کے ۳۱ علماء شامل تھے۔ جن میں چار شیعہ علماء بھی تھے اسی طرح تحفظِ ختمِ نبوّت کی تحریک میں بھی سب متحد تھے۔ تو اب ان مقاصد سے بھی زیادہ اہم اور وسیع تر مقصد یعنی دشمنانِ اسلام کے خلاف متحد ہو کر اسلام کا دفاع کرنے میں کون سا امر مانع آسکتا ہے؟ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اگر اتحاد کے خلاف اس قسم کے مباحث چھیڑے گئے تو سمجھا جائے گا کہ اس کی تہ میں دشمنانِ اسلام کی سازش کام کر رہی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب تمام مسالک کے علماء نے اس بات سے اتفاق ہی نہیں کیا اس کام میں تعاون کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور انفرادی طور پر ان اہم شخصیتوں کی اتحاد ملی کی سلسلہ میں اپیلیں شائع ہو رہی ہیں تو یہ شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اختلافات کے مباحث کیا معنی رکھتے ہیں؟

تمام اسلامی فرقوں کا اتحاد ضروری ہے

ہم ایک بار پھر عرض کرتے ہیں کہ اس کتاب میں شامل مختلف مسالک کے علمائے کرام کی آرار کا مطالعہ فرمانے کے بعد اس قسم کی ... ریشہ دوانیوں کی مطلق پرواہ نہ کیجئے کہ اس وقت تمام فرق اسلامی کا اتحاد نہایت ضروری ہے اگر اس نازک وقت میں بھی اختلافات کو قائم رکھا گیا تو ملت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا کہ ملت تو تمام فرقوں کے باہم مل کر ایک ہئیت اجتماعیہ بن جانے کا نام ہے۔ پھر کیا محض فروعی اختلافات کی خاطر واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کے حکم خداوندی کو پس پشت ڈال دینا خدا کی ناخوشی کا باعث نہ ہوگا؟ اور خدا کی ناخوشی کی پرواہ نہ کرنے پر کیا ہم دنیا میں عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں؟

اب ہم ذیل میں مختلف مسالک کے علمار کرام کی آرار، نیز مولانا عبدالستار صاحب نیازی کے فارمولے کی نقل درج کرتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ تاریخی شواہد بھی پیش کرتے ہیں، جن سے معلوم ہو جائے گا کہ کب کب مختلف فرقوں میں اتحاد ہوا ہے اور اس اتحاد کے کیسے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے ہم مولانا محمد عبدالستار خان صاحب نیازی کا وہ چار نکاتی فارمولا پیش کرتے ہیں جو موصوف نے بریلوی اور دیوبندی مسالک کے اتحاد کے لئے پیش کیا ہے۔

بریلوی اور دیوبندی مسالک کے اتحاد کا فارمولا

مولانا عبدالستار صاحب نیازی نائب صدر کالعدم جمعیت علمائے پاکستان، جن کا تعلق بریلوی مکتبۂ فکر سے ہے اپنے فارمولے کی ابتدار علامہ اقبالؒ کے اس شعر سے کرتے ہیں ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر (اقبالؒ)

"ہم نے اتحاد ملت کے کئی روح پرور نظارے دیکھے ہیں۔ تحریک پاکستان

تحریک ختم نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں امتِ محمدیہ نے جس ربط و ضبط اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے مگر افسوس ہے کہ جونہی متحدہ مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوا، مسلمان باہم آویزش میں الجھ کر مکابرہ و مناظرہ کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔ آج ہر طرف سے امت مسلمہ اعداء و معاندین اسلام کے نرغے میں ہے اور تعداد میں کروڑوں ہوتے ہوئے بھی بے اثر ہے تو ملّت کے درد مند طبقات نے اتحاد کی دعوت دینی شروع کر دی ہے یہ دعوت اتحاد بمطابق آیۂ قرآنی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا ہے

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

لیکن دو اور دو چار کر کے کوئی متفقہ فارمولا پیش نہیں ہوا ہے۔ تحریک پاکستان تحریک ختم نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں چونکہ مقاصد متعین تھے اس لئے اپنے نظری و سیاسی اختلافات بجائے خود رکھتے ہوئے وہ معین مقاصد کے لئے جمع ہو گئے اب سوچنا یہ ہے کہ موجودہ پُرآشوب دور میں امتِ مسلمہ کے لئے وحدتِ فکر و عمل کا کیا راستہ اختیار کیا جائے جو دائمی ہو۔ پہلے جو خطرات تھے اُن کا نقصان صرف ملت کے بعض مخصوص مفادات تک منتہی تھا لیکن اب پوری ملت کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ سُرخ سامراج ہو یا سفید سامراج ہر کے درمیان انسان بمصداق ع "درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج" چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے۔ استعماریت پرست طاقتوں اور اُن کے پروردہ خانہ زاد گماشتوں نے طے کر لیا ہے کہ امتِ مسلمہ کو اعتقادی اور فکری اعتبار سے تباہ کرتے ہوئے اس کا وجود

ہی ختم کر دیا جائے جو کچھ لبنان میں ہوا اور بھارت میں ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ نیز اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم یا بے ضمیر مسلم سربراہ مسلط کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے اس کی موجودگی میں ہمارا فرض ہے کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فی الفور اتحادِ اسلامی کا نقشہ مرتب کر لیں۔

اجماعِ امت کے خلاف پہلے اعتزال، انحراف، الحاد، زندقہ، رفض و خروج اور انکارِ سنت کی جو تحریکیں چلیں ان کو ختم کرنے کے لئے کہیں امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام محمد ابوالمنصور امام تریدیؒ میدان میں اتر آتے ہیں تو کہیں امام رازیؒ امام غزالیؒ فلسفۂ یونان کو رد کر کے اسلام کی بالادستی کے لئے نبرد آزما ہیں عجمیت، افرنگیت، برہمیت کے فلسفہ ویدانت کو ختم کرنے کے لئے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے دور کے اندر جو کردار ادا کرتے ہیں عصر حاضر میں علامہ اقبالؒ نے اُن کی پیروی کی اور پھر ہمارے مکاتب فکر کے اکابر مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری، مولانا احمد علی لاہوری سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا عبدالحامد بدایونی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مولانا سید داؤد غزنوی مقصدِ وحید پر جمع ہو گئے تھے تو آج ہم کیوں جمع نہیں ہو تے جبکہ اس وقت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حالات اس قدر مخدوش اور خطرناک ہیں کہ ہم ایک طرف سُرخ و سفید سامراجوں کے نرغے میں ہیں اور دوسری طرف بنیا برہمن سامراج ہم پر دانت تیز کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان طاقتوں کے تخریبی ایجنٹ داخلی طور پر اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ روسی درندوں نے افغانستان میں اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے کہ سنی کو مار دیا جائے اور غیر سنی کو چھوڑ دیا جائے بلکہ انہوں نے بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی ہیں معصوم بچیوں کی عزتیں لوٹیں، کھیتیاں، باغات ویران کر دیئے مکانات پر بمباری کر کے انہیں پیوند زمین کر دیا۔ لبنان میں جو کچھ ہوا اُس سے ساری انسانیت رنج والم اور درد و

غم سے کراہ رہی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہندو مسلم فساد کی آڑ میں جن سنگھی درندوں اور اندرا گاندھی کے پالتو غنڈوں نے اپنے پرانے رفقاء کو بھی نہیں چھوڑا اور بلا امتیاز سنی، حنفی اور بریلوی، دیوبندی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ ان پر آشوب واقعات کے بعد تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں افغانی مسلمان بھاگ کر ہمارے پاس آگئے۔ لبنانی، فلسطینی، اسلامی ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔ پاکستانی مسلمان بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ اس روح گداز صورت حال کے پس منظر میں اتحادِ بین المسلمین کے لئے ایک چار نکاتی فارمولا پیش ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اندر اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اتحاد نہ صرف پاکستان کے اندر ملی وحدت و استحکام کا حامل ہو گا بلکہ عالم اسلام کے لئے بھی زبردست قوت بن کر کام دے گا۔ یہ دعوت ایک ایسے خادم ملت کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے جس نے تحریکِ پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک بحالی جمہوریت تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں بھرپور اقدام کیا اور تمام مکاتیبِ فکر کے اکابر کے ساتھ بے مثال ربط و ضبط، اخوت و مودت اور ایثار و اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے۔

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری ہوں، یا مولانا احمد علی لاہوری۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہوں یا عبد الحامد بدایونی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوں یا مولانا غزنوی سب نے خاکسار کو اپنے اعتماد سے نوازا ہے اب میں ان تمام اکابر سے عقیدت رکھنے والے زعماء و علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اعداء و معاندین کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور حتی الوسع تنقید و تعریض سے اجتناب کریں بلکہ دنیا میں جہاں کہیں ان کے معتقدین اور حامیین موجود ہیں سب کو انتباہ کر دیں کہ وہ بیرونِ پاکستان بھی اسی جذبۂ محبت و اتحاد کو قائم رکھیں اور مقامی حکومتوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں بلکہ اندرونِ پاکستان جیسی فضا کو بیرونِ ملک بھی قائم رکھیں۔

نکتہ نمبر ۱ پاکستان کی تمام جماعتیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے افکار و نظریات پر اصولاً متفق ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے تمام متنازعہ فیہ امور ان کے عقائد و نظریات کی روشنی میں حل کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان اکابر سے لے کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس و اعلیٰ تک ہمارا مرکز اطاعت ایک ہے۔ بریلوی دیوبندی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے غیر مشروط مقلد ہیں اور دوسرے ائمہ عظام کا پورا احترام واکرام کرتے ہیں۔ حنفی واہلحدیث قرآن وحدیث واصحاب رسولؐ کے پیروکار ہیں اور کوئی مسئلہ اب ایسا نہیں جس کا حل کتاب و سنت اور سلف صالحین کی اتباع سے حاصل نہ ہو سکے۔

برصغیر میں مسلمان فرقوں کے اختلافات کی عمر ستر اسی سال سے زیادہ نہیں ہے مولانا رشید احمد گنگوہی مقتدائے علماء دیوبند ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے اور شمس العلماء میاں نذیر حسین دہلوی کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ انگریز کی آمد سے قبل مسلمانوں کا تعارف اور اجماع جس ایک نام سے تھا وہ اہل سنت والجماعت ہے تمام فرقہ وارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف اہل سنت والجماعت کہلائیں کیونکہ یہ نام بموجب ارشاد نبوت "علیکم بالجماعۃ فانہ من شذ شذ فی النار" خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھدیا ہے۔

نکتہ نمبر ۲ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابریؒ کی عظمت اور مرتبے کو سب تسلیم کرتے ہیں تمام اکابر علماء دیوبند بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی صاحبؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں۔ برصغیر یا عالم اسلام میں جس قدر اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں ان کا جامع ومانع حل انہوں نے پیش کر دیا ہے۔ اگر تمام مکاتیب فکر حاجی صاحبؒ کی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی روشنی میں ایک دوسرے کا احترام کریں تو

فرقہ وارانہ اختلافات چشم زدن میں ختم ہو سکتے ہیں۔

نکتہ نمبر ۳ علماء دیوبند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری۔ مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دار العلوم دیوبند ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا عزیز الرحمٰن۔ مفتی دار العلوم دیوبند، مولانا کفایت اللہ دہلوی کی مصدقہ کتاب مولانا خلیل احمد کی تصنیف "المہند" جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تصنیفات "حسام الحرمین اور الدولۃ المکیۃ" کے جواب میں شائع ہوئی جس میں انھوں نے اپنے عقائد و نظریات کی وضاحت کی ہے۔ اس پس منظر میں علماء دیوبند المہند کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کریں اور پبلک پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کے خلاف" طعن و تشنیع سے مکمل اجتناب کریں۔

نکتہ نمبر ۴ انگریزی محاورہ ہے (LIVE AND LET OTHERS LIVE) زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" اگر کوئی مسلمان سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔ تمام مسلمان نماز میں اَلسّلام علیک ایہا النبی پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں تو نماز کے بعد بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

مسجدوں، خانقاہوں اور اوقاف کے جھگڑے بھی اسی جذبے سے طے ہو سکتے ہیں کہ مسجد میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو انہی کے مسلک کی انتظامیہ ہو اگر اس طرح سب فرقے مل کر مرکزی نکتہ وعظمت و وقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔

اغیار نے جب بھی کسی اسلامی ملک کو تباہ و برباد کیا تو مذہبی اختلاف پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا۔ فرقہ واریت نے اسلامی وحدت کو جو کام

کو زبردست نقصان پہنچایا ہے کیا پاکستان کو اب جن مسائل و مشکلات کا سامنا ہے اس کا احساس تمام فرقوں کے رہنماؤں کو نہیں ہے؟ اگر کوئی ہاتھ انہیں باہم متحد کرنے میں حائل ہے تو بیشتر اس کے کہ خدانخواستہ اندلس، لبنان، تاشقند، سمرقند، بخارا، بغداد، دہلی اور افغانستان جیسے حالات پیدا ہوں، ہمارے مراکز دینی، مساجد، درس گاہیں و مزارات اغیار کے ہاتھوں خاکستر ہو جائیں، ہماری ماؤں بہنوں بہو بیٹیوں اور بیویوں کی عزتیں ظالمین و جابرین شہروں قصبوں میں نیلام کرتے پھریں۔ ہمیں دل کی گہرائیوں سے فکری و ذہنی اتحاد قائم کر کے اغیار کے منصوبوں کو ناکام بنا دینا چاہیئے۔ برطانیہ جیسا چھوٹا مُلک ایک دور میں تمام متمدن دنیا پر بالادستی حاصل کر سکتا ہے۔ تو پاکستانی مُسلمان منظم و متحد ہو کر کفر کی طاقتوں سے نبرد آزما کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور اتحادِ اسلامی کو زندہ حقیقت بنا کر سُرخ و سفید سامراجیوں اور ان کے گماشتوں کو شکست کیوں نہیں دے سکتے۔ اس فارمولے کے بعد نوّے کروڑ مسلمان ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن سکتے ہیں اور باہمی تکفیر و تفسیق کا سلسلہ جس نے اُمت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں یکسر ختم ہو سکتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر اس چار نکاتی فارمولا کو شرحِ صدر کے ساتھ قبول کر لیا جائے تو اسلامیانِ پاکستان ایک زبردست طاقت بن کر سارے عالمِ اسلام کے لیے وحدت کی مثال قائم کر سکتے ہیں ؎

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخیِ فکر و کردار کا

اگر کسی کتاب میں قابلِ اعتراض عبارت نظر آئے تو اس کی مراد متعین کرنے کا حق مصنف کو ہو جس کی وہ عبارت ہے اور اگر وہ عبارت عام لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالتی ہو تو اس کی ایسی وضاحت ساتھ کر دی جائے کہ غلط فہمی کا ازالہ نہ رہے اس پر بھی اگر فریقین میں اتفاق نہ ہو تو علماء کے متفقہ

بورڈ سے فیصلہ کرایا جائے۔ اگر متفقہ بورڈ کی تشکیل نہ ہو سکے تو شرعی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے۔ بہرحال پلیٹ فارم پر بحث و مناظرے کا بازار گرم نہ کیا جائے اور تکفیر و تفسیق اور طعن و تشنیع سے کلی احتراز کیا جائے

فقط مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۸۲ء

راقم الحروف اس فارمولے کی تائید کرتا ہے اور اس کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فارمولے کے ذریعہ اہل سنت والجماعت کے ان دونوں مسالک میں دائمی اتحاد و اتفاق پیدا فرمائے۔ آمین۔

اس فارمولے پر قومی اخبارات نے کیا اظہار خیال کیا ہے اور فریقین کے علماء کا ردِ عمل کیا ہے۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے۔

ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مارچ ۱۹۸۳ء مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ اپنے ایام جوانی سے آج تک ہر شئے سے بے نیاز ہو کر ملک و ملت کی جو عظیم اور قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اس لئے قوم کا ہر ذی شعور شخص ان سے آگاہ اور بخوبی واقف ہے۔ اس مردِ درویش اور قلندر نے جس طرح بہار و خزاں میں لا الہ الا اللہ کا پرچم بلند کیا ہے وہ سب کے لئے قابل تقلید ہے۔ وہ ہر مکتبِ فکر کے نزدیک قابلِ احترام اور ان کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

موجودہ انتشار و افتراق میں انھوں نے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان اتحاد کا جو چار نکاتی فارمولا پیش کیا ہے اس کی تفصیلات اس شمارے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں وہ ہم سب کی خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق لاہور کراچی اور دیگر مقامات کے ہر مکتبِ فکر کے مقتدر علماء کرام نے اتحاد کے اس فارمولے

کا خیر مقدم کیا ہے لیکن اس سمت میں جس تیزی کے ساتھ پیش رفت ہونی چاہیئے تھی اس کے نظر آنے والے اثرات دکھائی نہیں دیئے اس کی وجہ غالباً مکدّر فضا ہے۔ اس وقت اتحاد کی باتیں کرنے اور اس سمت میں عملی اقدام کرنے والے کو ممکن ہے طعن و تشنیع کا باعث بھی بننا پڑے لیکن یہ آواز۔ محبت بھری آواز ایک ایسی شخصیت نے بلند کی ہے جس کا احترام کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایسے میں اگر کچھ آوازیں اس کے خلاف بھی بلند ہوں تو ان سے بے نیاز ہو کر عملی اقدام کی جانب پیش رفت ضروری ہے۔

لاہور کراچی اور دیگر مقامات سے جن علماء و مشائخ نے اس فارمولے کی تائید کی ہے ان کا فرض تائید کے بعد ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اگر وہ اس کام کو امّتِ مسلمہ کے حق میں بہتر خیال کرتے ہیں تو اس فارمولے کو سب کے لئے قابل قبول بنانے کیلئے اپنی ساری صلاحیتیں، بروئے کار لانا ہوں گی۔ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ یہ کام آسان ہے برسوں کے زخم جن کے پس منظر میں تلخیاں بھی ہیں اور نفرتیں بھی، اتنی جلدی مندمل نہیں ہو سکتے۔ راستہ خارِ مغیلاں سے اٹا پڑا ہے۔ اسے چند ماہ میں صاف کر کے گلاب کا مہکتا ہوا چمنستان آباد نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر ارادے بلند عزائم نیک اور ہمت ناقابل شکست حوصلوں کی فراوانی ہو تو یہ کوئی ناممکن بات نہیں۔

ذرا ماضی کی تاریخ میں جھانک کر دیکھئے۔ کون کون سے مذاہب آپس میں برسرِ پیکار نہیں رہے۔ ایک ہی مذہب کے پیروؤں نے باہمی اختلاف پر ایک دوسرے کے گلے کاٹ دیئے مسلح جنگیں لڑیں۔ لیکن جن حالاتِ زمانہ سے مجبور ہو کر چند باہمت شخصیات نے خلوص کے ساتھ نفرتوں کے اس بحرِ ناپید کنار میں

قدم رکھا تو ان کا خلوص غالب آ گیا۔ نفرتوں کی گرد اڑ گئی اور اس کی جگہ خلوص کی مہکار نے لے لی۔ محبت کے گیت سنائی دینے لگے اور وہ قومیں ایک ناقابل شکست قوت بن کر ابھریں۔ غیروں کے لئے چیلنج بن گئیں، دنیا کی کامیابیاں اور کامرانیاں ان کا طواف کرنے لگیں۔

ہمارے خیال میں ہر مکتب فکر کے قائدین کو اتحاد کے چار نکاتی فارمولے کا صدق دل سے مطالعہ کر کے اس کو بروئے کار لانے کے لئے ساری صلاحیتیں وقف کر دینی چاہئیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدام اشد ضروری ہیں:۔

۱۔ دونوں مکاتیب فکر کے علما اور اکابر پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو مختلف علماء، مشائخ اور رہنماؤں سے ملاقات کرے اور انھیں اس فارمولے پر متحد ہونے کی تلقین کرے۔

۲۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر زبانی و قلمی سنگ باری طعن و تشنیع اور سب و شتم کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا جائے اور جو مقررین اس پر عمل نہ کریں ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ جب تک بے لگام مقررین پر کنٹرول نہ کیا جائے گا فضا مکدر رہے گی اور اتحاد کی ہر آواز صدا بصحرا ہی ثابت ہوگی۔ تقریر اور تحریر کے میدان میں یہ سنسر بڑا ضروری ہے۔

۳۔ تشکیل کردہ کمیٹی قابل اعتراض عبارات کا تعین کرے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری اقدام کرے۔

ہمارے خیال میں اگر ان تجاویز پر عمل کی کوشش کی گئی تو صورت حال ضرور بہتر ہوگی اور ایسی فضا میں اتحاد کے بنیادی فارمولے کو بہتر طور پر بروئے کار لایا جا سکے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ مختلف مکاتیب فکر کے زعماء ان گزارشات پر

غور کرتے ہوئے عملی اقدام پر خصوصی توجہ دیں گے۔ اس لئے کہ یہ حالات کا تقاضا بھی ہے، اور ہم سب کی ضرورت بھی۔

مولانا عبد الستار نیازی کا فارمولا اچھا لائحہ عمل ہے۔ مولانا درخواستی

بھاولپور ۱۹ فروری نامہ نگار۔ کالعدم جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے کہا ہے کہ تمام مکاتیب فکر کے علماء کو فروعی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جانا چاہئیے تاکہ کفر کی سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکے آج یہاں ایک ملاقات کے دوران انھوں نے کہا کہ اس وقت اسلام دشمن طاقتیں متحد ہو کر کام کر رہی ہیں اس لئے علماء کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ مولانا نے ملک میں غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کے امکان کے بارے میں کہا کہ ہماری جماعت نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا دو روز قبل لاہور میں مجلس عاملہ کے اجلاس میں یہ معاملہ زیر بحث ضرور آیا تھا۔ تاہم فیصلہ حکومت کے کسی ایسے اعلان کے بعد کریں گے۔ مولانا نے علماء کے اتحاد کے بارے میں مولانا عبد الستار نیازی کے فارمولے کی تائید کی اور اسے اچھا لائحہ عمل قرار دیا۔ تاہم انھوں نے کہا کہ یہ کوشش مولانا عبد الستار نیازی کی انفرادی کوشش ہے اور ہم نے انھیں کہہ دیا ہے کہ اگر تمام اکابرین اس پر دستخط کر دیں تو ہم بھی گفتگو کے لئے تیار ہیں۔

(نوائے وقت ۲۰ فروری ۱۹۸۳ء)

مولانا عبد الشکور دین پوری کی پریس کانفرنس

پتوکی (نامہ نگار) مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کے مرکزی صدر مولانا عبد الشکور دین پوری نے دیوبندی اور اہل حدیث مکاتیب فکر کے علماء سے اپیل کی ہے انھیں

باہمی اتفاق و اتحاد کے لئے مولانا عبدالستار خاں نیازی کے فارمولے کو تسلیم کر لینا چاہیئے کیونکہ ملکی حالات کے پیش نظر اور لادینی نظریات کے موجودہ دور میں علماء کے اتحاد کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا عبدالشکور دین پوری نے یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا عبدالشکور دین پوری نے کالعدم جمعیتہ علماء اسلام کے گروپوں میں اتحاد کے لئے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپیل کی کہ مولانا درخواستی گروپ اور مولانا فضل الرحمٰن گروپ کو ایثار اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے باہمی افتراق و انتشار کو ختم کر کے متحد ہو جانا چاہیئے (نوائے وقت ۸ فروری ۱۹۸۳ء)

علماء میں اتحاد کیلئے ۱۰ نکاتی فارمولا

لاہور (اسٹاف رپورٹر) عنایت اللہ گجراتی ناظم اعلیٰ اتحاد العلماء نے مولانا عبدالستار خاں نیازی کے فارمولے کی تائید کرتے ہوئے ایک اور دس نکاتی فارمولا پیش کیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ تمام مکاتیب فکر کے علماء اختلافات کے باوجود متحد ہو جائیں فروعی اختلافات کو اصولی نہ بنایا جائے ایک دوسرے کے اکابر کا احترام کیا جائے، بزرگوں کی عبارات کی درست توجیح کی جائے۔ اختلافات کی شدت کو کم کرنے کے لئے زبان و بیان کی شدت ختم کی جائے۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ ایک دوسرے کی مساجد پر قبضہ نہ کیا جائے مدارس کے طلباء کو مناظرہ کی بجائے اتحاد کی تعلیم دی جائے قول و عمل کے تضاد کو دور کیا جائے۔ (جنگ ۲۷ فروری ۱۹۸۳ء)

نیازی فارمولا مشروط طور پر قبول ہے

چکوال (نامہ نگار) کاروان توحید و سنت کے راہنما ممتاز عالم مسلک دیوبند کے معروف خطیب مولانا محمد یوسف رحمانی نے کل یہاں ایک

پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبدالستار نیازی کے اتحادی فارمولے کو سراہا اور کہا کہ ہم اس فارمولے کو مشروط طور پر قبول کرتے ہیں۔ پہلے تو نیازی صاحب کو چاہیئے کہ وہ اپنے بیان کی وضاحت کریں کہ انھوں نے اس فارمولے کو سیاسی اسٹیج سے پیش کیا ہے یا کہ مذہبی اسٹیج سے، دوسرا اپنا نمائندہ وفد متعین کیا جائے، جس سے ہمارے علماء بالمشافہ نیازی فارمولے پر گفتگو کر سکیں۔ اور آئندہ کے لئے اتحاد کی فضا برقرار رکھی جا سکے۔ کانفرنس سے کاروان کے صدر مولانا قاضی ضیاء الدین میانوالی اور جمعیت خطباء اسلام کے چیف آرگنائزر مولانا قاضی کفایت اللہ نے بھی خطاب کیا اور مولانا رحمانی کے بیان کی پرزور تائید کی۔

مولانا نور محمد خطیب میانوالی۔ میاں اشتیاق چغتائی صوفی محمد انور خاں صدر اسلامک مشن میانوالی کے علاوہ کئی دیگر رہنماؤں نے بھی مولانا نیازی کے اس چار نکاتی فارمولا کو پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم اتحاد اور یگانگت کا پیغام قرار دیا ہے جو اسلام کی اشاعت اور استحکام پاکستان کے لئے ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

(امروز مورخہ ۱۹۸۳/۲/۲۸ء)

چالیس علما کی جانب سے مولانا عبدالستار خان نیازی کے فارمولا کی تائید

لاہور۔ اسٹاف رپورٹر، کالعدم جمعیت علمائے پاکستان کے سیکرٹری جنرل اور ورلڈ اسلامک مشن کے نائب صدر مولانا عبدالستار خان نیازی نے اتحاد ملت کا جو چار نکاتی فارمولا پیش کیا ہے۔ اس کی اب تک چالیس سے زائد علمائے کرام اور مشائخ عظام تائید کر چکے ہیں اور مولانا نیازی کی وطن واپسی پر جلد ہی اتحاد ملت کے سلسلے میں کانفرنس کے پروگرام اور تاریخ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ بات انجمن خدام اسلام پاکستان کے

سیکریٹری جنرل مسٹر محمد انور قریشی نے ایک بیان میں بتائی ہے انھوں نے بتایا کہ ابتک جن علمائے کرام نے چار نکاتی فارمولے کی تائید کی ہے ان میں سید ظفر علی شاہ، پیر سید اکبر علی شاہ، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مولانا محمد حسین قادری رکن مجلس شوریٰ ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا عبدالقدوس رکن مجلس شوریٰ مولانا فضل حق اور پیر محمد اشرف شامل ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا عبدالستار خان نیازی اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں ان دنوں ہالینڈ اور برطانیہ کا دورہ کر رہے ہیں۔ (جنگ ۷-۳-۸۳)

اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں دیگر علماء کیا ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ فرمالیجئے۔

اسلام دشمن طاقتوں کو نیچا دکھانے کیلئے اتحاد بین المسلمین شرط اول ہے: مولانا نورانی

کراچی ۱۸ فروری (پ پ ا) ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کو شکست دینے کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کا اتحاد شرط اول ہے۔ وہ ہالینڈ میں مسلمانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اسرائیل کے حمایتی اہل اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ایسے حمایتیوں کا پتہ لگانا چاہیئے۔ انھوں نے پاکستان کے مذہبی رہنماؤں سے اپیل کی ہے کہ وہ اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے یا تصادم کی فضا پیدا کرنے سے گریز کریں اس موقع پر مولانا عبدالستار خان نیازی اور پروفیسر شاہ فرید الحق نے بھی خطاب کیا۔ (نوائے وقت ۲۰ فروری ۱۹۸۳ء)

عراق اور ایران اسلامی بھائی چارہ کی روشنی میں اپنے اختلافات ختم کر دیں

کراچی ۱۷ اپریل (نمائندہ خصوصی) ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ اس وقت عالم اسلام مختلف النوع

مصائب اور مسائل میں گھرا ہوا ہے جن کے حل کے لئے ملت اسلامیہ کے دانشوروں کو آپس کے اختلافات ختم کر دینے چاہئیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کے سیکرٹری اطلاعات جلال الدین احمد نوری کی جاری کردہ ایک پریس ریلیز کے مطابق مولانا نورانی بغداد میں اسلامی پاپولر کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے ۱۴ اپریل ۱۹۸۳ء کو بغداد میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں عراقی صدر صدام حسین کی تقریر کے بعد جن عالمی مندوبین کو تقریر کی دعوت دی گئی ان میں سب سے پہلے مقرر مولانا نورانی تھے۔ انھوں نے ساری ملت مسلمہ پر زور دیا کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے خلاف متحد ہو جائیں انھوں نے مزید کہا کہ عراق اور ایران کے مابین جنگ سے عالم اسلام کو سخت تشویش ہے۔ مولانا نورانی نے اظہار افسوس کیا کہ اقوام متحدہ غیر جانبدار ممالک کی تنظیم اور مؤتمر عالم اسلامی جیسے ادارے بھی اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کر سکے انھوں نے عراق اور ایران پر زور دیا کہ وہ بھائی چارے کی روشنی میں اپنے اختلافات کو ختم کر دیں اور بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لائیں۔ (نوائے وقت ۱۰ اپریل ۱۹۸۳ء)

مولانا محمد عبد اللہ کا اہلحدیث سیرت کانفرنس میں خطاب

نواحی قصبہ بھوپالوالہ میں جماعت اہلحدیث بھوپالوالہ کے زیر اہتمام دو روزہ سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خطیب پاکستان ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو کر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرے۔ اجلاس کی صدارت مولانا حیات محمد خطیب جامع اہل حدیث عزیزیہ ڈسکہ نے کی جبکہ مہمان خصوصی خواجہ خالد بٹ ایڈووکیٹ تھے۔ مولانا محمد حسین شیخوپوری نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو جب تک ہم مشعل راہ نہیں بنائیں گے اس وقت تک اس ملک میں اسلامی قوانین کا عملاً نفاذ ناممکن

ہے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں تمام مکاتب فکر کے علمار کرام پہ زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ فرقہ دارانہ فروعی اور سیاسی اختلافات ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر اسلام کی اشاعت و ترویج کے لئے مسلسل جد وجہد کریں تاکہ صحتمند اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے حکومت پاکستان کو مدد مل سکے۔ کانفرنس کی دوسری نشست جس کی صدارت بابو محمد اسلم ممبر انتظامیہ نے کی اور مہمان خصوصی خاقان رفیق مرزا نمائندہ مشرق تھے نے خطاب کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ گوجرانوالہ نے کہا کہ اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت ہے۔ انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ قومیت پرستی اور فرقہ دارانہ کشیدگی سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ کے مابین اتحاد اور اخوت کو فروغ دینے کے لئے متحد ہو جائیں۔ انھوں نے اسلام کا علم بلند کرنے ظلم و جارحیت کو مٹانے کے لئے متحد ہو جانے پر زور دیا۔ انھوں نے صدر پاکستان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ صدر پاکستان پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے ملک میں اسلام کے نفاذ کے لئے عملی کوشش کر رکھی ہے۔ اجلاس کی مختلف نشستوں سے مولانا محمد عبد اللہ شیخوپوری، مولانا شہباز احمد سلفی، قاری سیف اللہ حافظ آبادی، نذیر احمد سبحانی، قاری مطیع الرحمٰن، مولانا عزیز، حافظ محمد یحییٰ، مولانا عبد الحمید ہزاروی کے علاوہ دیگر علمار کرام نے بھی خطاب کیا۔ (جنگ ۲۰ اپریل ۱۹۸۳ء)

تمام دینی جماعتیں متحد ہو کر اتحاد اسلامی کو فروغ دیں، مولانا عطار المحسن بخاری

محمد پور شرقیہ (نامہ نگار) کالعدم مجلس احرار اسلام کے ناظم اعلیٰ مولانا سید عطار المحسن بخاری نے کہا ہے کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد نفاذ اسلام اور اسلامی نظام حکومت کا قیام تھا، مگر ماضی کی حکومتوں اور سیاست دانوں نے اپنے لئے مغربی طرز حکومت اور طرز سیاست کو پسند کیا۔ جس کے نتیجہ میں علیحدگی پسندی، فرقہ واریت لسانی اور علاقائی عصبیتوں نے جنم لیا، مسلمانوں کو اتحاد ملت اسلامیہ کا احساس نہ رہا۔

اور ملک دولخت ہوگیا۔ انھوں نے تمام مکاتیب فکر کے علماء کرام سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے فروعی اختلافات ختم کرکے ملت اسلامیہ کو متحد اور دین اسلام کی صحیح خطوط پر تبلیغ کریں۔ (جنگ ۱۲ اپریل ۸۳ء)

جس طرح ہم نے بریلوی اور دیوبندی مسالک کے اتحاد کا مولانا عبدالستار خاں نیازی کا فارمولا پیش کیا ہے اسی طرح اب ہم ذیل میں جناب مولانا حکیم انیس احمد صدیقی صاحب کی کتاب "مسلک اعتدال" سے ایک فارمولا شیعہ اور سنی کے اتحاد کا پیش کرتے ہیں۔

اہل کتاب کو اتفاق کی دعوت

مسلمانوں کے لئے باہم اتحاد و اتفاق نہایت ضروری اور اہم چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اہل کتاب (عیسائی اور یہودی) کو نقطۂ توحید پر اتفاق کرنے کی دعوت دیں۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ (آل عمران ۶۴) اے محمدؐ کہدو اے اہل کتاب آؤ تم اور ہم ایک بات پر اتفاق کریں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ اور مسلمانوں کو اہل کتاب سے بھی اتفاق کا حکم دیا اور جو مسلمان بھائی حقیقت میں اسلامی بھائی ہیں۔ جن کا خدا۔ رسول اور قرآن ایک ہے ان کا اتفاق آیت کے تحت کس قدر ضروری ہے۔

سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تمام مسلمان جن کے اصول دین ایک ہیں، اور جن میں فروعی یا لفظی نزاع ہیں وہ ان اختلافات سے قطع نظر کرکے آپس میں متحد و متفق ہو جائیں اور جو ایسا نہ کریں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ ایک بزرگ نے صحیح فرمایا تھا اپنے عقیدے کو نہ چھوڑو۔ دوسروں کے عقیدوں کو نہ چھیڑو اور اسلامی اخوت

کا عملی ثبوت دو اتفاق ہی میں برکت ہے۔

شیعہ سنّی اتحاد کا فارمولا سب سے پہلے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اہل سنت والجماعت شیعہ حضرات کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں یا ایک جماعت قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی مستند کتابوں اور قرآن شریف میں اسلام کے اصول تین بتائے گئے۔ من امن باللہ الیوم الاخر (جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور قیامت پر ایمان لایا اور اس چیز کے بتانے والے رسولؐ پر ایمان لایا)۔

یعنی اسلام کے اصل اصول ثلاثہ توحید، رسالت اور قیامت ہیں۔

اصل اصول شیعہ (اصول الشیعۃ واصلہا) میں ہے۔

"توحید۔ نبوت اور معاد (قیامت) اسلام کے تین بنیادی رکن ہیں۔ اگر کوئی شخص ان ارکان میں سے کسی رکن کا منکر ہو تو وہ مسلم ہے نہ مومن (ص ۶۱)"

اصل واصول شیعہ تالیف حجۃ الاسلام محمد حسین آل کاشف الغطاء نجف اشرف اس کے بعد لکھتے ہیں "حسب تصریح الایمان اعتقاد بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان لفظ اسلام اور ایمان سے ایک خاص مفہوم پیدا ہوتا ہے اور اور اسی کے ساتھ مزید ایک رکن کا اضافہ یعنی فرائض کی تعمیل جن پر اسلامی نظام کا دارومدار رہے اور ان فرائض کی پانچ قسمیں ہیں۔

نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ ص ۶۲"

اس کے بعد لکھتے ہیں "صرف امامت کے اقرار نہ کرنے سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا۔ البتہ قیامت کے دن معلوم ہوگا اور قرب و کرامت کی منزلوں میں یہ اعتقاد اپنا اثر دکھائے گا۔"

شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں یہ کتاب جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہی ہدایت نامہ ہے جسے پروردگار عالم نے معجزہ بنا کر نازل کیا اور اس کے ذریعے احکام دین کی تعلیم

دی، نہ اس میں کوئی کمی ہوئی نہ زیادتی مسلمانوں میں جو تحریف کے قائل ہیں وہ خطاپر ہیں اور خدا جانے وہ کون ہیں۔ کیونکہ اس اعتقاد سے نص کتاب انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کی تردید ہوتی ہے۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے نیز شیعہ امامیہ کا یہ عقیدہ راسخہ ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت یا نزول وحی کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے اور واجب القتل۔ ص ۱۷، ۱۸

اس کتاب کے مترجم سید ابن حسن نجفی ہیں اور لاہور سے شائع ہوئی ہے ظاہر ہے کہ یہی بنیادی عقائد اہل السنت والجماعت کے ہیں جن میں باہمی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت والد ماجد مرحوم نے ایک شیعہ سے فرمایا تھا۔ شیعہ اور سنیوں کے جو اختلافات تیرہ سو سال سے چلے آرہے ہیں نہ ان میں کوئی ایسا فیصلہ ممکن ہے جس کو دونوں فرقے تسلیم کرلیں۔ اس لئے کہ ہر فرقہ اپنے عقائد اور خیالات ہی کو صحیح سمجھتا ہے۔ شیعہ اور سنی اصول اسلام اور ارکان میں متفق ہیں۔ فروعات اور جزئیات میں جو اختلاف ہے ان میں سب سے اوّل مسئلہ خلافت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جانشینی اور امارت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ حضرات خود کو شیعان علی کہتے ہیں۔ اگر آپ حضرت علیؓ کے طریقے پر قائم رہیں تو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم ہوسکتا ہے۔ آپ یہ عقیدہ رکھیں کہ خلافت کے سلسلہ میں جو عقیدہ اور مسلک حضرت علی کرم اللہ وجہ کا تھا وہ صحیح تھا اس اجمالی عقیدہ میں آپ اور ہم دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر فرمایا اور یہ طریقہ اور مسلک بھی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے آثار پُر انوار سے ماخوذ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حج کی نیت یہ فرمائی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت ہے وہی میری نیت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کیلئے

پہلے تشریف لے جاچکے تھے حضرت علیؓ کو خبر نہ تھی کہ آپ نے حج افراد کی نیت کی ہے یا قران کی یا تمتع کی یہ حج کی صورتیں ہیں اس لئے نیت یہ فرمائی کہ جو نیت رسول اللہ کی وہی نیت میری ہے۔ سبحان اللہ شیعان علیؓ کیا خوب نصیحت ہے۔ شیعہ حضرات بھی سواد اعظم کی دل آزاری سے پرہیز کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔

مسئلہ امامت کا نزاع بھی لفظی ہے

مسئلہ امامت اہل تشیع میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ شیعان علیؓ کو اس ہی مناسبت سے امامیہ کہتے ہیں۔ شیعہ صاحبان ائمہ اثنا عشر کو امام معصوم سمجھتے ہیں۔

حالانکہ بارہ اماموں کے متعلق اکابر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرات قصر ولایت کے سلاطین ہیں اور بارگاہ ایزدی میں قرب وولایت کے اعلیٰ مناصب ومقام پر فائز ہیں اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے بھی پیشوا اور امام ہمام ہیں۔ اولیاء اللہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک محفوظ ہیں۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحمایت میں ہیں۔

حضرت عارف ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ چونکہ ولایت محمدی کے حامل ہیں۔ اس لئے قطب الاقطاب ابدال اوتار جو اولیاء عزات میں سے ہیں اور کمالات ولایت کا ان میں غلبہ ہے ان کی تربیت اور امداد اور اعانت حضرت علی کرم اللہ وجہ کے سپرد ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت اور رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام دیتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ و حضرت حسینؓ بھی اس مقام میں حضرت علیؓ کی شریک ہیں۔ دوسرے مکتوب میں یہی مضمون قدرے تفصیل سے ہے فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدم حضرت علیؓ کے سر

مبارک یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ قبل پیدائش و بعد پیدائش وجود عنصری اس مقام کے مرکز رہے۔ اس راہِ ولایت سے جس کسی کو فیض پہنچتا ہے۔ انہی جناب کے وسیلے سے پہنچتا ہے۔ جب حضرت علیؑ کا دور ختم ہوا تو عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب اور تفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگوں کے زمانے اور ان کے وصال فرمانے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچا وہ ان ہی بزرگوں کے واسطے سے پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانے کے قطب ابدال ہوتے رہے لیکن فیض کا مرکز ملجا و ماوی یہی بزرگوار رہے۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہوئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ صفحہ ۱۲۳ ج ۳

ائمہ کی عصمت کے متعلق ناچیز کہتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے نزدیک بھی ائمہ کا درجہ بالاتفاق نبی سے کم ہے۔ اس لئے ان کی عصمت بھی نبی کے اعتبار سے کم درجہ کی ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اولیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں یعنی اس درجہ کو جو انبیاء کی عصمت سے کم درجہ کی عصمت ان کو حاصل ہے اسلئے حفاظت کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یعنی یہ اولیا ہمارے نزدیک محفوظین میں سے ہیں اور یہ بات یوں بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ نبی اور ولی کے جو مناصب علیحدہ علیحدہ ہیں ان کے لئے اصطلاح بھی ایک دوسرے سے جدا استعمال کی جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بھی نزاع لفظی ہے اور زیادہ اہم نہیں ہے۔

ہم مولانا انیس احمد صدیقی صاحب کے اس فارمولے کی تائید کرتے ہیں ہماری دعا ہے کہ فریقین اس فارمولے کو قبول کر کے متحد ہو جائیں۔ اور ان کا اتحاد کوئی ناممکن بات نہیں ہے کیونکہ زمانہ ماضی میں بھی ان دونوں جماعتوں کے درمیان متعدد بار اتحاد ہوا ہے اس سلسلے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا یہ شعر دونوں فریقین کو دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔

۱۵ اے بہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش ۔ اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

اب ہم ذیل میں محمد وصی خاں صاحب کی تالیف "تشکیل پاکستان میں شیعان علیؓ کا کردار" جلد اوّل سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو شیعہ اور سنی اتحاد کے چند تاریخی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ اقتباسات مؤلف نے زیادہ تر اہل سنت والجماعت کی تصنیف کردہ کتب سے اخذ کئے ہیں۔

علیگڈھ تحریک نواب محسن الملک کی گدی پر وقار الملک بیٹھے تھے۔ لیکن محسن الملک کے معتدلانہ مسلک کو جاری رکھنے والے دو اشخاص تھے کالج کے اندر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور کالج کے باہر ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں آج اس اہمیت کا اندازہ لگانا دشوار ہے جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک ہز ہائی نس کو حاصل تھی مسلم یونیورسٹی کی بنائیں سب سے ٹھوس کام انہیں کا تھا۔ بلکہ بہت سی دوسری تحریکیں مثلاً ندوہ۔ لیگ ان سے فیضیاب تھیں۔ مولانا شبلی ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان سے اختلاف کے باوجود ۱۹۱۲ء کے ایک مضمون میں یوں لکھتے ہیں: "سر آغا خان نے یونیورسٹی کے لئے وہ کام کیا جو آج تک سات کروڑ مسلمانوں سے نہ ہو سکا اور غالباً کبھی نہ ہو سکتا انھوں نے قومی انسٹی ٹیوشن پر فیاضی کا مینہ برسا دیا اس بنا پر وہ ہمارے محسن ہیں اور ہم کو ان کا احسان ماننا چاہیئے۔ قومی مجالس میں اُن کی فیاضی اور کوششوں کا ترانہ گانا چاہیئے۔ قومی تاریخ میں ان کا نام سب سے اوپر لکھنا چاہیئے۔ ہز ہائی نس آغا خان مدت دراز تک خرابیٔ صحت کی بنا پر جنوبی فرانس میں مقیم رہے۔ قومی معاملات میں ان کا عمل دخل کم ہو گیا اس کے بعد کئی اہم مرحلوں (مثلاً آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی بنا اور گول میز کانفرنس کے انعقاد پر قومی قیادت کا بار ان کے کندھے پر ڈالا گیا"[۱]

۱؎ موج کوثر صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶

علیگڈھ یونیورسٹی کا قیام

۱۹۱۰ء میں ہز ہائی نس آغا خاں نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ علیگڈھ کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے کا کام شروع کیا جائے اور اس غرض سے چندہ کی فراہمی کے لئے وہ خود ہندوستان کے دورے کے لئے کھڑے ہو گئے اس سلسلے میں جو کمیٹی تشکیل پائی اس کے صدر ہز ہائی نس آغا خاں اور نائب صدر سر محمد علی محمد خاں مہاراجہ محمود آباد تھے۔ ان حضرات نے کثیر رقم جمع کی ۱۲ر اگست ۱۹۱۲ء یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے ایک جلسہ میں راجہ صاحب محمود آباد کی صدارت میں اُن کے قیصر باغ کے مکان میں منعقد ہوا یہی طے پایا کہ اس یونیورسٹی کا نام علیگڈھ یونیورسٹی کے بجائے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہوگا۔ بعد میں ہز ہائی نس آغا خاں اور مہاراجہ محمود آباد ایک عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے وائس چانسلر رہے۔[۱]

شیخ محمد اکرام صاحب نے اس واقعہ کی اس طرح وضاحت کی سر سید کی وفات کے بعد نواب محسن الملک نے علیگڈھ کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے کی کوششیں شروع کیں اور ان کی زندگی میں سات آٹھ لاکھ روپیہ جمع ہوا ان کے بعد ہز ہائی نس آغا خاں نے اس کام کے لئے بڑی محنت کی۔ بیس لاکھ کے فنڈ کے بغیر حکومت یونیورسٹی قائم کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ہز ہائی نس سر آغا خاں نے دورہ کر کے یہ رقم جمع کر دی۔

جنوری ۱۹۲۱ء میں پرانا علی گڑھ کالج یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا۔[۲]

شیعہ زعما کی علیگڈھ تحریک میں نمایاں کارکردگی کی وجہ یہ تھی کہ علیگڈھ کسی ایک مذہبی مکتب فکر کا نمائندہ ادارہ نہ تھا نہ علاقائی عصبیت کا دخل تھا اور نہ اس کی تعمیر و ترقی مذہبی بنیادوں پر تھی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے واضح ہے۔

۱۔ شاہراہ پاکستان صفحہ ۲۴۲۔ ۲۔ موج کوثر صفحہ ۱۴۵۔

"علیگڈھ تحریک نے قوم کو جس رنگ میں رنگا وہ مذہبی نہ تھا بلکہ فی الحقیقت یہ ایک تعلیمی، ادبی اور کلچرل تحریک تھی۔ اس کا مقصد ملی قوم کی دنیوی پستی دور کرنا تھا۔ مذہبی احیا اس کا مطمح نظر نہ تھا۔ سر سید نے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی قومی تنظیم سر سید کی مرہون منت تھی۔ بلاشبہ ایک غیر مسلم ماحول نے مسلمانوں میں ایک قسم کی یکجہتی پیدا کر دی تھی جسے ہندوؤں کی ذات پات چھوت چھات سے استقامت ملتی تھی لیکن یہ یکجہتی منفعلانہ نہ تھی اور اس میں کئی رخنے تھے (مثلاً افغانوں اور مغلوں کی کشمکش) شیعہ اور سنی اختلافات "صوبہ دارانہ بُعد اور تعصبات غدر میں دہلی کی تباہی سے یہ شیرازہ اور بھی منتشر ہو گیا۔ سر سید نے مسلمانوں کو من حیث القوم اکٹھا کیا اور وہ بھی مثبت مقاصد کے لئے اب ہندوستان میں اسلامی قومیت کا آوازہ پہلی مرتبہ بلند ہوا۔ ایک فکری، تعلیمی، مذہبی اور سیاسی مرکز قائم ہوا۔ مسلمانوں کو فرقہ دارانہ، صوبہ جاتی اور ذاتیات کے اختلاف کے باوجود باہمی محبت اور قومی جوش و جذبہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سبق ملا۔[1]

علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلباء نے بھی قومی اتحاد اور قومی ترقی کا سبق ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا۔ اور اسی کی طرز پر مختلف مقامات پر کالج اور ادارے قائم ہوئے اور اس طرح علیگڈھ کی تحریک نے اردو ادب کو بے حد ترقی دی اور اردو کو مسلمانانِ ہند کی مشترکہ قومی زبان بنا دیا ان سب باتوں کا قدرتی نتیجہ تھا کہ مسلمان من حیث القوم متحد ہو گئے۔ اور قومی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ بقول ڈاکٹر ہنٹر علیگڈھ کی اس تحریک نے نہ صرف مسلمانوں کے اس تنزل کو روک لیا بلکہ ایک پشت کے اندر انہیں پھر ایک جلیل القدر اہمیت اور غیر مشتبہ اثر کا مرتبہ دے دیا۔[2]

---

[1] موجِ کوثر صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰۔ [2] دی مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک سب کانٹی نینٹ صفحہ ۸۵

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم، مہاراجہ محمود آباد وائس چانسلر علیگڑھ یونیورسٹی کے ایجوکیشن سیکرٹری شروع میں کانگریسی پھر خلافتی اور بعد میں تحریک پاکستان کی نمایاں شخصیت اور پاکستان میں ا۔ا صدر مسلم لیگ اور کنونشن مسلم لیگ کے بانی جناب چودھری خلیق الزماں صاحب کے تاثرات اس درسگاہ کی غیر فرقہ وارانہ انداز اور اہمیت ظاہر کرنے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

"کالج میں ہمیشہ شیعہ اور سنی مل جل کر کام کرتے تھے ایک ہی مسجد اور ایک ہی وقت میں نماز پڑھتے تھے مذہبی مباحث سے گریز کرتے اور ایک دوسرے کے جذبات کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب کے سب فرشتہ تھے ان کی خامیاں اور کمزوریاں اُن کے انفرادی اعمال تھے مگر اُن کی بہت بڑی اکثریت قومی معیار زندگی کو بنانے میں ساعی رہتی تھی۔ کالج کے بانی سرسید پر کفر و الحاد کے فتوے لگے اور بغداد سے منگائے گئے۔ ملک کے اندر عربی مدارس سے شائع ہونے والے اخباروں میں اُن کا مذاق اُڑایا گیا اشعار میں ہجو کی گئی مگر ان سب باتوں کا اثر نہ بانی کالج پر پڑا اور نہ قوم پر۔ اور کیوں پڑتا جب کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ جب ان کی سیاسی عظمت فنا ہو رہی تھی غیر اسلامی شعائر رواج پاتے رہے سیاسی عظمت ختم ہوتی رہی اس وقت صدیوں تک کوئی گونجتی ہوئی آواز قوم کے نام سے نہ اُٹھی دور پر دور بدلے نئی شہنشاہیاں بنتی رہیں نیم جاں ہوتی رہیں۔ شاہی فتاوے حکومت کی عظمت کے لئے صادر ہوتے رہے اور کوئی دار و گیر نہ ہوئی اب اگر نئے دور غلامی میں بھی وہی بے حسی اضمحلال وہی خاموشی خدانخواستہ جاری رہی تو قوم کا حشر معلوم، یہ علیگڈھ والے محدث نہ تھے صوفی نہ تھے۔ فقیہہ نہ تھے مگر کٹر قسم کے مسلمان ضرور تھے جس کا سب سے بڑا ثبوت آج یہ ملتا ہے کہ کوئی

سیاسی تحریک مسلمانوں کی ایسی نہ ہوئی جو علیگڑھ کے حامیوں یا کالج ہی کے طلباء نے نہ اُٹھائی ہو۔ ۱۸۷۳ء سے ۱۹۴۷ء تک صرف چوہتر سال ہوتے ہیں۔ پوری ایک صدی بھی نہیں اور اس کل عرصہ میں علی گڑھ کے طلباء نے ہر صنفِ زندگی میں۔ ریاضی، سائنس، ادب، تاریخ، انجینئرنگ، ڈاکٹری، قانون اور انتظامیہ میں اکثریت کے مقابلے میں اپنا سکہ جمائے رکھا اور وہ جس کو پاکستان کہتے ہیں وہ بھی انہی کی دماغی و عملی کوششوں کا زندہ جاوید کارنامہ ہے صا

ایک مشترکہ مسجد کی تعمیر

مدرسۃ العلوم علیگڑھ میں جُدا جُدا دو مسجدیں تعمیر کرانے کیلئے اراکین کمیٹی کی واضع تجویز کے باوجود مشیر الدولہ ممتاز الملک خان بہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب نے سختی کے ساتھ مخالفت کی اور سرسید کو لکھا کہ یہ تجویز اس اتحاد و یکجہتی کے اصول کے منافی ہوگی جس کو قائم کرنے کے لئے ہم سب نے کالج کی بنیاد قائم کی ہے چنانچہ مذکورہ بالا رائے کا جملہ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علیگڑھ نے احترام کرتے ہوئے ایک مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق کیا۔ جو شیعوں کے غیر متعصبانہ اندازِ فکر کا بیّن ثبوت ہے۔

مدرسۃ العلوم کیلئے شہر علیگڑھ کا انتخاب

مدرسۃ العلوم کے قیام کے لئے دیگر مشہور شہروں کو چھوڑ کر علیگڈھ کو منتخب کرنے کی دیگر وجوہات کے ساتھ سرسید احمد خاں یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ شہر آگرہ۔ متھرا۔ بھرت پور کے علاقے کی سادات کی بستیوں کے قریب ہے اور ایک عمدہ ریاست بنڈراول اس کے قریب ہے جس کے رئیس شیعہ ہیں اور ان تمام لوگوں سے اور ان کی اولاد سے بھی زیادہ توقع ہے کہ یہ سب نہایت دل سے اس مدرسہ کے حامی اور سرپرست رہیں گے۔

صا شاہراہِ پاکستان۔ صفحہ ... ۲۳۶

یہ خاص صفت جو میں نے علی گڑھ کی نسبت بیان کی اور جس کو سب سے اعلیٰ اور مقدم سمجھتا ہوں میں نہایت مضبوطی اور تقویت سے کہہ سکتا ہوں کہ تمام اضلاع شمال و مغرب میں کسی دوسری جگہ نہیں ہے۔ بس ان وجوہات سے میں نے علی گڑھ کو دار العلوم بنانے کے لئے عمدہ مقام تجویز کیا ہے۔ اب میں اپنی رپورٹ کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ علیگڈھ ایک پیارا نام ہے۔ ہمارے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قول مشہور ہے کہ انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا۔ پس یہ پہلا مدرستہ العلوم ہم مسلمانوں کا جو در حقیقت علم کا دروازہ ہوگا علی گڑھ میں ہی ہونا چاہیئے (سید احمد۔ سی ایس آئی سیکرٹری)[1]

اس رپورٹ سے صاف ظاہر ہے کہ مدرستہ العلوم کے لئے شہر علی گڑھ کے انتخابات میں جناب امیر علیہ السلام کے نام کی برکت اور قرب و جوار کے سادات و مومنین کا مسلسل تعاون سر سید کے پیش نظر تھا۔ جو صحیح ثابت ہوا۔ اس درس گاہ کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم لازمی تھی لیکن ہر دو بڑے فرقوں یعنی شیعہ اور سنی طلباء کے لئے دینیات کی تعلیم ہمیشہ علیحدہ اور جداگانہ رہی ہر دو فرقوں کے معلم جداگانہ دینیات پڑھاتے رہے۔ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

تاریخ علیگڈھ تحریک کے صفحہ ۱۲۵ پر تفصیل سے اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ وہاں دو الگ الگ کمیٹیوں کے ذمہ سنی اور شیعہ دینیات کی تعلیم کی نگرانی تھی۔

علی گڑھ کے اس غیر فرقہ وارانہ اور غیر متعصبانہ انداز فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ اس ماحول کے پروردہ طلباء نے بلا امتیاز فرقہ داریت سے بلند ہو کر مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی اور بازیافت کی خاطر حصول پاکستان کے لئے انتہا پسند فرقہ وارانہ فکر و نظر کے حامل علماء اور زعماء کی شدید مخالفت کے باوجود جد وجہد کی اور کامیاب ہوئے۔

---

[1] مقالات سر سید حصہ شانزدہم صفحات ۶۹ تا ۱۷۰، شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء

تحریکِ خلافت

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب دی اسٹرگل فار پاکستان کے صفحہ ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ”گو شیعہ اپنے مسلک کے اعتبار سے ٹرکی کے خلیفہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو معدوم ہونے سے بچانے کے لئے خلافت بچانے کی تحریک میں کام کیا۔“

تاسیس مسلم لیگ

پرنس آف ویلز جو کہ بعد کو جارج پنجم ہوئے کی فروری ۱۹۰۶ء میں حیدر آباد دکن میں آمد کے موقع پر زعیم ملت شیعہ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی ابتری اپسماندگی اس کے ردِ عمل اور بہتری کی تجاویز سے متعلق مختلف حضرات سے گفتگو کے نتیجہ میں اس خیال نے جنم لیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ رہتے ہوئے اپنی ایک جداگانہ سیاسی جماعت تشکیل دینا چاہیئے تاکہ وہ ہندوؤں سے متاثر اور مغلوب کانگریس سے آزاد رہ کر اپنی جنگ خود لڑیں اور چکی کے دو پاٹوں (ہندو اور انگریز) میں پسنے سے محفوظ رہ سکیں۔ مولوی سید حسین بلگرامی نے اپنی حیدر آباد کی ملازمت کی پابندیوں کے پیش نظر ایسی کسی جماعت کی صدارت سے گریز کیا اور ہز ہائی نیس آغا خاں کو اس کے لئے موزوں سمجھتے ہوئے پس پردہ خدمات کی انجام دہی پر آمادگی کا اظہار کیا لہٰذا طے ہوا کہ پرنس آف ویلز کے علیگڈھ پہنچنے کے موقع پر جبکہ وہاں تمام علاقوں کے مسلم عمائدین خصوصاً ہز ہائی نس سر آغا خاں (سربراہ شیعہ اسمٰعیلیہ جماعت) محسن الملک اور وقار الملک موجود ہوں گے ایسی جماعت کی تشکیل کے لئے ان سب کو آمادہ کیا جائے لہٰذا عماد الملک پرنس آف ویلز کی آمد سے دس روز قبل علیگڈھ پہنچے اور سب حضرات کو آمادہ کر لیا اور وہیں مسلمانوں کی ایک علیحدہ جماعت کی تشکیل طے پا گئی۔

اس سلسلے میں ضروری ابتدائی کارروائیاں ہو رہی تھیں کہ آئندہ ہونے والی منٹو مارلے اصلاحات کی اطلاع ملی لہٰذا مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لئے ایک وفد کی تشکیل کی فوری کوششیں شروع ہوئیں۔ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے میمورنڈم تحریر کیا جو یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء میں شملہ میں ہز ہائی نس آغا خاں نے مسلمانانِ ہند کی قیادت کرتے ہوئے لارڈ منٹو وائسرائے ہند کی خدمت میں پیش کیا اس میں مسلمانوں کی شکایتوں و دشواریوں اور حق تلفیوں کا ذکر کرنے کے بعد مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے۔

(۱) نیابی نظام کا طریقۂ انتخاب ایسا ہونا چاہیئے جس میں مسلمانوں کے لئے یہ حق ہو کہ وہ خاص حلقوں سے اپنے نمائندے منتخب کریں۔

(۲) ان کی تاریخی اہمیت اور سیاسی حیثیت کا لحاظ کر کے مسلمانوں کو اس سے زیادہ نشستیں دی جائیں جتنی کہ ان کی آبادی کے تناسب سے ان کو مل سکتی ہیں۔

(۳) ایک معینہ تناسب کے مطابق گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ ملازمتوں پر مسلمانوں کا تقرر کیا جائے ہائی کورٹ کے ججوں اور ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں کی حیثیت سے ان کا تقرر ہونا چاہیئے۔

(۴) یونیورسٹی کے سنڈیکیٹوں اور سینیٹوں میں مسلمانوں کے لئے چند نشستیں محفوظ کی جائیں۔

(۵) مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لئے امداد دی جائے۔ برصغیر میں نیابی حکومت کے نظام کے حدود کے اندر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی سیاسی معاشرتی اور ثقافتی تشخص کی بقا کے لئے جو بہتر سے بہتر تجویز مسلمان لیڈر پیش کر سکتے ہیں وہ انتخاب جداگانہ ہے جو ان تجاویز میں معناً درج ہے۔؁

؁ فاؤنڈیشن آف پاکستان ، ۶۰۷

اپنی تقریر میں لارڈ منٹو نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں یہ دعویٰ آپ کے ایڈریس کا حاصل ہے کہ نیابت کے ہر طرز میں خواہ اس کا اثر میونسپل بورڈ پر ہو ڈسٹرکٹ بورڈ پر ہو یا مجالس واضعان قانون پر جس میں بھی انتخابی نظام داخل کرنے کی تجویز ہو یا اس میں کسی اضافہ کی۔ مسلمان جماعت کی نیابت جماعت کی حیثیت سے ہونی چاہیئے۔ میں آپ سے بالکل متفق ہوں"۔[1]

مغربی جمہوریت کے اصولوں کے منافی جداگانہ انتخاب کا معاملہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ مطالبہ منظور نہ ہوتا یا کسی وقت مسلمان جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہو جاتے جس کی اکثر کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے کوششیں بھی کی گئیں تو مسلمان اپنا گلا خود گھونٹ لیتے جس کے بعد ہندوستان میں نہ اُن کی کوئی سیاسی حیثیت ہوتی نہ پاکستان کے وجود میں آنے کا امکان۔ یہ زعیم ملت شیدہ عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کی ذہنی صلاحیتوں۔ کاوشوں اور اخلاص عمل اور ہز ہائی نس سر آغا خان کی عظیم الشان قیادت ہی کا ثمرہ تھا کہ مسلمانوں کو یہ حق ملا جو پاکستان کی بنیاد شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ ان مطالبات اور لارڈ منٹو سے ملاقات کے نتیجہ میں نیز ۲۷ جنوری ۱۹۰۹ء کو لندن میں سید امیر علی کی قیادت میں ایک وفد نے لارڈ مارلے سے ملاقات کی جس کی بدولت[2] ۱۹۰۹ء میں لارڈ مارلے وزیر ہند نے ریفارم اسکیم میں جداگانہ انتخاب کو شامل کر لیا۔

۱۹۰۹ء میں مسلمانوں کے وفد کی قیادت کے بعد ہز ہائی نس سر آغا خان نے اراکین وفد کو مشورہ دیا کہ اب وہ اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے جلد از جلد اپنی سیاسی تنظیم کے لئے ایک جماعت بنالیں چنانچہ اسی ۱۹۰۶ء کے آخری ہفتہ میں ایک کانفرنس ڈھاکہ میں مسلمان زعما کی طلب کی گئی جس میں قرار پایا کہ مسلمانوں کی سیاسی تنظیم

۱۔ پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۵۴، ۲۔ فاونڈیشن آف پاکستان جلد اول صفحہ ۱۰۔

کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا جائے ۔ ؎۱

مسلم لیگ کا پہلا اور دوسرا اجلاس مسلم لیگ کا پہلا باقاعدہ اجلاس دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی میں منعقد ہوا اور موجودہ دستور کی منظوری دینے کے بعد اجلاس ملتوی ہوگیا۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں نواب محسن الملک کا انتقال ہوگیا۔ نواب وقار الملک ان کی جگہ علیگڈھ کالج کے آنریری سیکریٹری منتخب ہوئے اُن دونوں کی جگہ جو ابتک مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکریٹری تھے۔ پھر ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کے اجلاس منعقدہ علیگڈھ میں میجر سید حسن بلگرامی اور ہز ہائی نیس سر آغا خان مسلم لیگ کے باقاعدہ سیکریٹری اور صدر منتخب ہوئے اور اس طرح مسلم لیگ کے پہلے باقاعدہ سیکریٹری اور صدر دونوں شیعہ تھے ایک اثنا عشری اور دوسرا اسمٰعیلی۔

تیسرا اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسرے اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۱۰ء کے خطبۂ استقبالیہ میں حاذق الملک حکیم اجمل خان نے رائٹ آنریبل سید امیر علی کو پریوی کونسل کی جوڈیشنل کمیٹی میں بلند مقام دینے کو تاریخ برطانیہ کا ایک سنگ میل قرار دیا اور فرمایا کہ نواب عماد الملک کی جگہ وائسرے کونسل میں کوئی جانشین مقرر نہ کئے جانے سے مسلمانوں میں تشویش پائی جاتی ہے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں ہز ہائی نس آغا خاں کو ان الفاظ میں اظہار عقیدت پیش کیا کہ ہم آپ کے اس قدر احسان مند ہیں جس کا اظہار ممکن نہیں اس ہال میں موجود اور اس سے باہر مسلمان قوم فخر کرتی ہے کہ آپ ہم میں سے ایک ہیں ہمیں شدت سے احساس ہے کہ آپ نے ہمارے لئے کام کیا ہے۔ اگر آپ بروقت مداخلت نہ کرتے تو وہ (مسلمان) اس نئی دوڑ (سیاست) میں بری طرح معذور ہو جاتے ؎۲

اس اجلاس میں ہز ہائی نس سر آغا خاں کو آئندہ دو سال کے لئے صدر

؎۱ شاہراہ پاکستان صفحہ ۲۲۹ ۔ ؎۲ پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۵۶

منتخب کیا گیا اور پنجاب سے نواب فتح علی خاں قزلباش اور بنگال سے پرنس جہاندار مرزا آف مرشد آباد کو نائب صدر، نیز سید وزیر حسن کو جائنٹ سیکریٹری منتخب کیا گیا تھا!

۱۹۱۰ء میں مسلم لیگ کا دفتر علی گڑھ سے لکھنؤ منتقل ہو گیا جس کے لئے راجہ صاحب محمود آباد نے تین ہزار روپیہ سالانہ چندہ مقرر کیا تھا۔[2]

۱۹۱۳ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی باقاعدہ رکنیت قبول فرمائی[3]

۱۹۱۵ء میں ہز ہائی نس سر آغا خان کا استعفےٰ (بوجہ علالت) منظور ہوا۔ اور سر محمد علی محمد خاں راجہ صاحب محمود آباد کو انکی جگہ باقاعدہ صدر منتخب کیا گیا۔ مئی ۱۹۳۱ء کو مہاراجہ صاحب محمود آباد کا انتقال ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے امیر احمد خاں راجہ صاحب محمود آباد نابالغ تھے اور ریاست کا انتظام ٹرسٹیوں کے سپرد تھا لہٰذا اِس دوران مسلم لیگ اس بے پناہ مالی اعانت سے محروم رہی جو اُسے ریاست محمود آباد سے ملتی تھی۔

عزت مآب محمد امیر احمد خاں راجہ صاحب محمود آباد کے خود مختار ہونے کے بعد مسلم لیگ پھر ریاست محمود آباد کے مال وزر کی بارش سے سیراب ہونے لگی۔ مرزا اختر حسین صاحب نے اس دور کے حالات لکھتے ہوئے اپنی کتاب "تاریخ مسلم لیگ" شائع کردہ مکتبہ لیگ، بمبئی کے صفحہ ۲۳۶ پر تاریخی جملہ تحریر فرمایا ہے کہ "خصوصاً راجہ صاحب محمود آباد کی مالی اعانتوں اور ذاتی خدمات کے باعث لیگ فوراً بلندی پر پہنچ گئی"۔

قائد اعظمؒ کے تشکیل شدہ پارلیمنٹری بورڈ میں راجہ صاحب محمود آباد (امیر احمد خاں صاحب) اور راجہ صاحب سلیم پور لا سید احمد علی خاں علوی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ان دو شیعہ حضرات نے اس بورڈ کے اخراجات

---

[1] فاؤنڈیشن آف پاکستان جلد اول صفحہ ۱۱۹۔ [2] شاہراہ پاکستان صفحہ ۲۷۰، ۲۷۲ تا ۲۷۰
[3] پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۶۳۔

کے لئے خطیر رقم عنایت فرمائی ۔[1]

تحریکِ پاکستان میں راجہ صاحب محمود آباد کی خدمات

کچھ اور سنانے سے پہلے میرا فرض ہے کہ یہ واضح کردوں کہ تمام ضمنی انتخابات کے اخراجات کی راجہ امیر احمد خاں صاحب راجہ محمود آباد نے کفالت کی جبکہ ان کی عمر صرف ۲۳ سال تھی۔ اگر اس زمانہ میں خدانخواستہ ہم ضمنی انتخاب کانگریس کے مقابلہ میں ہار گئے ہوتے تو مسلم لیگ کا مستقبل اس قدر تاریک ہو گیا ہوتا کہ اس کا سنبھالنا بالکل ناممکن ہو جاتا۔ مگر۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما در آن باشد۔ یہ الیکشن شاید اسی لئے ہوئے تھے کہ مشیئتِ مسلم لیگ کے مستقبل کا فیصلہ کردے ۔[2]

اہلِ تشیع کو قائد اعظمؒ کی یقین دہانی

قائد اعظمؒ جب پیش ہونے والی تجویز پر مسلم لیگ کے موقف کی وضاحت کر رہے تھے تو انھوں نے اس خط وکتابت کا بھی حوالہ دیا جو اُن کے اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے سیکریٹری سید علی ظہیر کے درمیان، جولائی اور اگست ۱۹۴۲ء کے دوران ہوئی تھی۔ قائد اعظمؒ نے علی ظہیر صاحب کے خط مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۴۲ء کے جواب میں ۱۳ اگست ۱۹۴۲ء کو جو مراسلہ بھیجا تھا اُسے پڑھ کر سنایا۔ قائد کے مراسلہ سے چند اقتباسات یہاں تحریر کئے جا رہے ہیں۔ جن سے شیعوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک رفع ہو گئے۔

"مجھے یقین ہے کہ شیعوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور ایسے شیعہ جو مسلم لیگ سے محض غلط فہمی کی بنا پر اب بھی کنارہ کش ہیں اور شیعوں و مسلم ہند کے

---

[1] شاہراہ پاکستان صفحہ ۶۰۹۔

[2] شاہراہ پاکستان صفحہ ۶۶۹۔

مفاد میں غیر مشروط طور پر مسلم لیگ میں شمولیت سے قاصر رہے ہیں میرے خیال میں غیر دانشمندانہ ہیں مسلم لیگ انصاف اور مساوی سلوک کی علمبردار ہے۔ نیز یہ جماعت ہمیشہ بنیادی اصولوں کے لئے مبارزطلبی کرتی رہے گی۔ اور شیعوں کے لئے یہ سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کرے گی میرے خیال میں مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرنا مسلمانوں کے موقف سے ناروا سلوک ہوگا اور مجھے اس سلسلے میں کوئی معقول وجہ اور مناسبت نظر نہیں آتی ہے۔ ہماری تنظیم اب اس حیثیت میں ہے کہ وہ ہر فرد کے ساتھ انصاف کر سکے۔ اور جہاں تک ہماری آواز اور طاقت کو دخل حاصل ہو ان محاسن کا اعتراف کرے کہ مسلم لیگ کسی دوسری سیاسی تنظیم کو تسلیم نہیں کر سکتی علاوہ ازیں بہت سے ایسے نکات جنہیں آپ نے پیش کیا ہے مسلمانوں کے داخلی نوعیت کے مسائل ہیں کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو بے ربط ہیں حقیقت سے بعید ہیں اور محض غلط فہمی کی بنیاد پر اٹھائے گئے ہیں"۔ ؎۱

جناب کلب مصطفٰے ایڈووکیٹ نے بھی مسلم لیگ کی حمایت میں ایک طویل بیان دیا جس کے آخر میں فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ شیعہ ہمیشہ اپنے اماموں کی پیروی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس مرتبہ بھی وہ علی ظہیر یا ان جیسے دیگر حضرات کی غلط رہنمائی کا شکار نہ ہوں گے بلکہ متفقہ طور پر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدواروں کو ووٹ دیں گے" ؎۲ بلامبالغہ شیعوں نے اس موقع پر اپنے مولا کی سیرت پر عمل کیا جیسا کہ شیعہ کانفرنس کی کارروائی سے جس کی کچھ تفصیل سید رئیس احمد جعفری صاحب ندوی نے اپنی کتاب "حیاتِ محمد علی جناح" کے عنوان "فرقہ شیعہ اور پاکستان" کے تحت مندرجہ ذیل عبارت کے بعد دی ہے۔ نیز انتخابات

؎۱ مائی ریمی نینسس (میری یادداشتیں)، جناب ایم ایس طوسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن صفحہ ۴۸

؎۲ حیات محمد علی جناح صفحہ ۴۷۶۔

کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ شیعہ من حیث القوم پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی اور مددگار تھے

"ان حالات میں جب مسلمانوں کا سوال اٹھے گا مسلمان ایک ہو جائیں گے خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ۔ پھر شیعہ سنی کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ ہندوستان میں سنیوں کی عنان قیادت اکثر و بیشتر شیعہ رہنماؤں کے ہاتھ میں رہی ہے اور سنیوں نے اُن کی قیادت کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ ہز ہائی نیس سر آغا خاں، مسٹر محمد علی خاں (راجہ محمود آباد) سر امیر علی اور اسی صف کے دوسرے شیعہ رہنما مسلمانوں کے سرتاج اور محبوب زعیم رہ چکے ہیں یا نہیں"[۱]

"ذیل میں شیعہ فرقہ کے اُن رجحانات کا تذکرہ مقصود ہے جو پاکستان مسلمانوں کے حق خود ارادیت اور آزاد مسلمان ریاست کے قیام سے متعلق پائے جاتے ہیں اُن سے اندازہ ہو گا کہ من حیث المجموع من حیث الجماعت فرقہ شیعہ خواہ اثنا عشری ہو۔ طبقہ بواہیر یعنی داؤدی بوہرہ جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا جماعت اسمٰعیلی سے وابستہ ہو عامتہ المسلمین کے ساتھ ہے"[۲]

اس کے بعد موصوف (سید رئیس احمد جعفری ندوی) نے شیعہ کانفرنس میں مباحثہ کا تذکرہ کیا۔ جس میں جناب کلب مصطفےٰ صاحب کی تقریر اور مسٹر بشیر احمد صاحب رضوی کی تجویز کہ آنے والے انتخاب میں شیعہ من حیث القوم مسلم لیگ کی تائید کریں۔ مسٹر حبیب رحمت اللہ اسمٰعیلی نے صدر چیمبر آف کامرس کے ٹیلیگرام و جسٹس ضیاء الحسن صاحب کے مضمون راجہ غضنفر علی خاں صاحب کے بیان، شیعہ یوتھ لیگ شیعہ ینگ ایسوسی ایشن۔ انجمن حیدری وغیرہم کی حمایت اور ہز ہائی نس

---

[۱] حیات محمد جناح ۴۶۶ [۲] حیات محمد علی جناح ۴۶۸۔

سر آغا خان کے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت ۔ راجہ امیر احمد خاں محمود آباد
کی گفتگو کے نتیجہ میں مولانا سیدنا طاہر سیف الدین (روحانی
پیشوا داؤدی بوہرہ جماعت) کی مسلم لیگ کی حمایت کا تفصیلی ذکر کیا ہے
جو بہت طولانی ہے ۔

پیام شاہجہاں پوری صاحب اپنی کتاب "تاریخ نظریۂ پاکستان" میں
تحریر فرماتے ہیں۔

"شیعہ حضرات کے قلیل گروہ کو چھوڑ کر اس فرقے کے اکثر و بیشتر علمائے کرام
اور با اثر اصحاب نے قائد اعظم کی قیادت میں تحریک پاکستان کی جنگ لڑی چنانچہ
راجہ صاحب محمود آباد (راجہ امیر محمد خان) مولانا کلب عباس صاحب راجہ
غضنفر علی خان۔ کرنل عابد حسین ۔ کلب مصطفےٰ صاحب ایڈوکیٹ اور میجر
مبارک علی شاہ حضرات شیعوں کے وہ اکابر ہیں جنہوں نے اپنے بیانات
میں قائد اعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور شیعان علیؑ سے اپیل
کی کہ وہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیں۔ داؤدی بوہرہ جماعت کے
روحانی پیشوا سیدنا طاہر سیف الدین صاحب اور اسمٰعیلیہ جماعت کے
رہنما ہز ہائی نیس سر آغا خان نے بھی اپنی اپنی جماعتوں کو تاکید کی کہ وہ
مسلم لیگ سے تعاون کریں۔ اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنائیں"۔ [۲]

قائد اعظم محمد علی جناح اور مذہبی عقائد

اکثر و بیشتر سوانح نگار قائد اعظم کے مسلک کے بارے میں بڑا
محتاط رویہ رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک چونکہ وہ ملت جعفریہ کے عظیم
فرزند تھے اسلئے مستند کتابوں سے چند ایسے اقتباسات پیش خدمت
ہیں جو اُن کے مذہبی عقائد پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک مسلمہ شہادت ہیں۔
جناب رئیس احمد جعفری صاحب کا شمار ملک کے دانشوروں میں ہوتا ہے۔
تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۱) حیات محمد علی جناح صفحہ ۸۹۶ (۲) حیات محمد علی جناح ۴۷۴ تا ۴۷۸)

جناح کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے لیکن وہ ان تنگ نظر فرقہ پرستوں
میں نہیں ہیں جو اپنے سوا ہر فرقہ کو کافر سمجھتے ہیں وہ ایسے اہلحدیث نہیں جو
دوسروں کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے وہ ایسے حنفی نہیں جو اہل حدیثوں
کو وہابی اور گمراہ سمجھتے ہیں وہ ایسا شافعی نہیں جو مالکی مذہب کو مشتبہ
سمجھتا ہو وہ ایسا حنفی نہیں ہے جسے شافعیت سے کد ہو۔ وہ مسلمان سنی نہیں
جو شیعوں کو کافر سمجھتا ہو وہ ایسا شیعہ نہیں جو سنیوں سے نفرت
کرتا ہو. وہ مسلمان ہے. وسیع المشرب مسلمان ہے وہ ہر شخص کو مسلمان سمجھتا
ہے جو محمدؐ کا کلمہ پڑھتا ہو خدا کو ایک مانتا ہو وہ شیعہ ہے" ؎۱

شفیق بریلوی صاحب نے اپنی کتاب "محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک"
شائع کردہ نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ کراچی کے صفحہ ۱۰۵ کے مقابل نکاح
کے رجسٹر سے قائداعظمؒ کے نکاح کے اندراج کا عکس شائع کیا ہے جس کی
تحریر نذر قارئین ہے۔

"جمعہ بوقت غروب روز ہفتم رجب ۱۳۴۹ھ در بنگلہ محمد علی جنا عقد دائمی
واقع شد. جناب محترم محمد علی ولد جینا خوجہ اثنا عشری و علیا محترمہ باکرہ بالغہ
رشیدہ رتن بائی بنت ڈین شا مصداق ۱۰۰۱ روپیہ و مبلغ (۱۲۵۰۰۰ روپیہ) عطیہ
وکیل زوجہ حضرت شریعت مدار قبلہ و کعبہ آقائے حاج شیخ ابوالحسن نجفی مدظلہ العالی
و وکیل زوجہ سر محمد علی خاں راجہ محمود آباد مقرر کرتے وکیل رتن بائی و محترم و مکرم
غلام علی وکیل خوجہ اثنا عشری و مسٹر شریف بھائی و یولی خوجہ اثنا عشری و عمر
سوبائی جملہ شہادت شد"۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے مذہب کے متعلق خالد بن سعید اپنی کتاب "پاکستان
دی فارمیٹو فیز" کے صفحہ ۱۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں. جناح نے بڑی فراست سے محتاط
رویہ اختیار کرتے ہوئے خود اور مسلم لیگ کو متنازعہ اور اختلافی مسائل سے
دور رکھا وہ خود ایک شیعہ اور خوجہ تھے۔ لیکن ہمیشہ خود کو کہا کہ میں مسلمان ہوں

؎۱ حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۳۱

اور جس قسم کا اسلام مسلم لیگ نے پیش کیا وہ سیدھا سادا اور تمام دنیاوی نکتہ سنجیوں اور موشگافیوں سے مبرا تھا۔[۱]

۲۶- سنہ ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات

شیعوں نے صرف زبانی دعوے نہیں کئے کہ مسلم لیگ کے ساتھی اور پاکستان کے حامی ہیں بلکہ الیکشن میں عملاً ثابت کر دکھایا کہ وہ سو فیصد مسلم لیگی امیدواروں کے حمایتی تھے۔ رئیس احمد جعفری ندوی نے شیعہ ووٹروں کی غیر معمولی اکثریتی حلقے کے الیکشن کے چشم دید حالات و واقعات اس طرح تحریر فرمائے۔

"۲۶ نومبر انتخاب کی تاریخ تھی۔ ان سطروں کے لکھنے والے نے اس دن بمبئی کے تمام پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کیا اور بذات خود احوال و کوائف کا مشاہدہ کیا۔ صبح ہی سے سارے شہر میں ایک عجیب و غریب چہل پہل اور گہما گہمی نظر آرہی تھی۔ مسلم لیگ کے رضا کار۔ قائد اعظم کے عقیدتمند مسلم قوم کے جاں باز پورے جوش و خروش کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ مسٹر لال جی اس حلقہ سے کھڑے ہوئے تھے جہاں شیعہ ووٹروں کی غیر معمولی اکثریت ہے وہ شیعوں کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بہ نفس نفیس شہر میں موجود تھے اور مسٹر جناح بمبئی سے باہر مسلم لیگ کیلئے دورے کر رہے تھے پھر بھی یہ کیفیت تھی کہ مسٹر جناح کے خیمے بہت زیادہ کارکنان، عقیدتمندوں اور ووٹروں سے بھرے پڑے تھے اور مسٹر لال جی کے خیموں میں سوائے چند ہندو کارکنوں کے کوئی نہیں تھا۔ شیعہ رضا کاروں کی ایک بڑی تعداد قائد اعظمؒ کے کیمپ میں موجود تھی لیکن لال جی کے یہاں کوئی شیعہ نہیں تھا۔

بائیکلہ چرچ میں جب مس فاطمہ جناح اپنا ووٹ ڈالنے آئیں تو اس وقت بہت بڑے ہجوم نے جو دروازے پر کھڑا تھا۔ اللہ اکبر قائد اعظم زندہ باد کے

---

[۱] پاکستان دی فارمیٹو فیزز از خالد بن سعید صفحہ ۱۰۱

نعروں سے موصوفہ کا خیر مقدم کیا۔

انجمن اسلام ہال سب سے بڑا پولنگ اسٹیشن تھا یہاں انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے مسٹر فاروقی کلکٹر بمبئی موجود تھے۔ دوپہر کو سرجان کول ویل گورنر بمبئی بھی تشریف لائے۔ حاضرین نے پاکستان زندہ باد کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ خواتین کے لئے ووٹ کا انتظام الگ تھا۔ یہاں خواتین رضا کار موجود تھیں۔ لال جی نے اسمٰعیلی اور بوہرہ جماعتوں کے ووٹروں کو توڑنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے۔ اسمٰعیلی اور بوہرہ جماعت کے ووٹروں نے بڑی تعداد میں قائد اعظم کو ووٹ دیئے اسمٰعیلی اور بوہرہ جماعتوں کے بڑے بڑے لیڈر یہاں قائد اعظم کے کارکن کی حیثیت سے موجود تھے۔ میں نے ایک ۷۰۔۸۰ برس کے اسمٰعیلی کو دیکھا آنکھوں سے معذور دست و پا مرتعش سماعت سے محروم لیکن وہ اس جوش سے قائد اعظم کو ووٹ دینے جارہا تھا جیسے کوئی بڑی دولت لینے جارہا ہو۔

انتخابات سے ایک دن پہلے یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ ہز ہائی نیس سر آغا خاں نے اسمٰعیلیوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ مسٹر جناح کو ووٹ نہ دیں بلکہ مسٹر لال جی کو دیں لیکن مشہور اسمٰعیلی لیڈر مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے آگرہ میں ہز ہائی نیس کو ٹیلی فون کیا اور حقیقت حال دریافت کی۔ ہز ہائی نیس سر آغا خان نے بڑے اضطراب کے ساتھ اس کی تردید کی اور حبیب صاحب کو ہدایت کی کہ وہ فوراً اس افواہ کی تردید کریں اور یہ اعلان کردیں کہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔

آخر ۱۴ دسمبر کو نتیجہ شائع ہوگیا مسٹر جناح کو ۳۶۰۲ ووٹ ملے اور لال جی کو صرف ۱۲۷ ووٹ۔ ضمانت ضبط ہوگئی۔ ان ۱۲۷ ووٹوں میں بھی سید عبداللہ بریلوی جیسے کانگریسیوں کے ووٹ تھے نہ کہ شیعوں کے مسٹر لال جی بمبئی کے جنوبی حلقہ سے مسٹر ابراہیم ہارون جعفر (مسلم لیگ)

کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تھے لیکن اس دوسرے حلقہ سے بھی وہ ہار گئے۔ مسٹر جعفر کو ۱۶۹۱ ووٹ ملے اور مسٹر لال جی کو ۲۰۸ ووٹ یہاں سے بھی ضمانت ضبط ہو گئی۔[1]

راجہ امیر احمد خاں محمود آباد کو ۵۴۱۳ ووٹ ملے۔ موصوف کے مقابلہ مقابلہ میں سنی لیگ کے منشی احترام علی کھڑے ہوئے۔ مدح صحابہ اور قدح صحابہ کا قضیہ کھڑا کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ نتیجہ میں منشی صاحب کی ضمانت ضبط ہو گئی۔[2]

کرنل عابد حسین صاحب ۲۳۲۵ ووٹوں سے کامیاب ہوئے اور مدمقابل کی ضمانت ضبط ہو گئی۔[3]

مندرجہ بالا انتخابات کے نتائج اس امر کی وضاحت کے لیے بہت کافی ہیں کہ شیعوں نے من حیث القوم مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے کس قدر اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اسی طرح اگر پرووِنشل انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی یہی صورت حال نظر آئے گی۔

ذرائعِ ابلاغِ عامہ کے لیے اہلِ تشیع کی کوشش

ہندوؤں کے اسلحہ خانے میں کوئی ایسا ہتھیار نہ تھا جو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ کیا ہو۔ ان ہتھیاروں میں سب سے بڑا ہتھیار اخبار تھا۔ مختلف زبانوں میں بھارت سے نکلنے والے اخبارات زیادہ تر ہندوؤں کے قبضہ میں تھے جو مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے تھے مسلمانوں کے جو دو ایک اخبار تھے وہ یا تو نیشلسٹ مسلمانوں کے زیر اثر تھے یا برائے نام۔ مسلم لیگ کے پاس اعلیٰ درجہ کا کوئی اخبار نہ تھا۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد سر محمد علی محمد خاں نے اس سلسلے میں بڑی کوششیں کیں اور ایک اخبار "ہمدم" جاری کیا۔ ہمدم نے مسلمانوں کی جو خدمات انجام دیں۔

---

[1] حیات محمد علی جناح ۷۶۵، [2] حیات محمد علی جناح صفحہ ۷۶۰، [3] حیات محمد علی جناح صفحہ ۷۷۱۔

اور جس طرح مسلم نقطۂ نظر کو آگے بڑھایا، اور مسلم لیگ کو عوام و خواص میں مقبول بنانے میں جو خدمات انجام دیں اس کو ہماری اجتماعی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔[1]

کلکتہ سے مرزا ابوالحسن اصفہانی نے انگریزی اخبار اسٹار آف انڈیا کو سہارا دیا جس نے بنگال میں مسلم لیگ کی بڑی خدمت کی لیکن کل ہند بنیاد پر انگریزی کے ایک معیاری روزنامہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی کیونکہ زیادہ تر انگریزی اخبارات ہندوؤں کی ملکیت میں تھے اور محض تین یا چار اخبار ایسے تھے جو کلی طور پر یا تو انگریزوں کی ملکیت میں تھے یا اُن کی زیرِ ہدایت و ادارت تھے، مسلمانوں کی خبریں اور اہم موضوعات پر اُن کے خیالات کی یا تو نمائندگی ہوتی ہی نہ تھی یا انگریزی میں انکی اشاعت اور وضاحت غیر اطمینان بخش طریقہ پر ہوتی تھی اس طرح نہ صرف دولت بلکہ پریس کی طاقت بھی زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھوں میں مجتمع تھی۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں انگریزی کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اسی لیے غیر ممالک حتیٰ کہ مسلم ممالک تک میں کانگریس نظریہ کو بڑا فروغ نصیب ہوا۔ لہٰذا قائدِ اعظم کی خواہش تھی کہ ایک معیاری انگریزی روزنامہ جاری ہو۔ "ڈان" جو انگریزی کا ہفت روزہ اخبار تھا زیادہ اچھا نہ تھا اور اس سے مقصد پورا نہ ہوتا تھا۔ اس کو ایک معیاری اور باثر روزنامہ بنانے میں مرزا ابوالحسن اصفہانی کی کوششیں آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔

موصوف کی ان کوششوں کا اندازہ ان کی اس خط و کتابت سے ہوتا ہے جو اُن کے اور قائدِ اعظم کے درمیان ۴۲-۱۹۴۰ء میں ہوئی جس کا تفصیلی تذکرہ موصوف نے اپنی کتاب "قائدِ اعظم جناح میری نظر میں" کے عنوان طلوع ہونے میں کیا ہے۔[2]

---

[1] صحیفۂ قائدِ اعظم، صفحہ ۱۷، مقالہ "لفظ جناح کی تحقیق" از ڈاکٹر جمیل جالبی
[2] ڈان ۱۵ر جون ۱۹۸۱ء صفحہ ۷۔

"ڈان" کے تین حصہ دار تھے ایک قائد اعظمؒ دوسرے راجہ صاحب محمود آباد (امیر احمد خان صاحب) اور تیسرے اصفہانی برادران ڈانس اونیلیس جنرل آف امپیریل اینڈ کامن ویلتھ ہسٹری میں جناح اصفہانی خط و کتابت (موصوف کی نئی کتاب) پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ اس سے ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کی قومی آزادی "ڈان" کے قیام کے متعلق انکشاف ہوتا ہے کہ یہ (ڈان) نہ صرف یہ کہ زیادہ تر اصفہانی اور اُن کے بھائی کی دولت کا مرہونِ منت ہے بلکہ اس میں (اصفہانی) کی ماہرانہ صلاحیتوں کو بھی بڑا دخل ہے جو انھیں بنگال مسلم لیگ کے اخبار "دی اسٹار آف انڈیا" کو چلانے کی وجہ سے حاصل تھیں۔ جس کو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں ۳۵۰۰ روپیہ ماہانہ خسارہ سے ۱۹۴۲ء میں ۴۵۰۰ فائدہ میں تبدیل کر دیا۔ تحریک پاکستان سے متعلق اخبار "مسلم لیگ آوٹ لک" ہزہائی نیس آغا خان نے جاری کیا تھا۔[۱]

تحریک پاکستان کا ایک تاریخی نغمہ

جناب یاور حسین کیف بنارسی بنت جعفریہ کے ایک فرزند جو آجکل ورنیٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ کراچی سے منسلک ہیں ۱۹۴۵ء میں انیس برس کی عمر میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے۔ آپ اس قدر شعلہ بیان مقرر تھے کہ ان کے مقابلہ پر اچھے اچھے مقرر مات کھا جاتے تھے۔ مسلم لیگ کے مخالف ایک مسلمان جس کا نام خلیل تھا اپنی ہندو نوازی کی وجہ سے اپنے آپ کو خلیل داس کہلاتا تھا یہ بھی ایک اچھا مقرر تھا۔ الیکشن میں مسلم لیگ کے نمائندے کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔ خلیل داس نے اپنی شعلہ بیانی سے مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

---

[۱] جنگ، ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۷۔

مسلم لیگ کے لوگ پریشان ہو گئے۔ سب کی نظریں جناب کیف بنارسی کی طرف اٹھیں۔ انھوں نے خلیل واسس کے مقابلہ پر ایسی تقریریں کیں کہ لوگ پروانہ وار مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے اور الیکشن کے نتیجہ میں خلیل داس کو ساڑھے آٹھ ہزار ووٹوں سے شکست اٹھانا پڑی آپ کی نظمیں اور تقاریر پُراثر یوم آزادی کے موقع پر پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ کی سب سے مشہور نظم "شعلۂ آزادی" یعنی لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کے رہے گا ہندوستان جو آپ نے ۱۹۴۵ء میں لکھی تھی جس کو روزنامہ حریت نے ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء کو تحریک پاکستان کے ایک یادگار نغمے کے طور پر شائع کیا تھا۔

شعلۂ آزادی

چشم روشن پاکستان | دل کی دھڑکن پاکستان | کس نے شب خون مارا ہے | شیر دل کو للکارا ہے
صحرا صحرا اس کی دھوم | گلشن گلشن پاکستان | بچہ بچہ مومن کا | شعلہ ہے انگارا ہے
اپنی ہستی کا حاصل | اپنا مامن پاکستان | قوم کی خاطر مر جائیں گے | بس یہ قومی نعرہ ہے۔

لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان
لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان

منزل کو سر کرنا ہے | مشکل سے کیا ڈرنا ہے | ہند کے سارے صوبوں میں | اسلامی لشکر ہے تیار
آزادی کے شعلہ کو | دل میں روشن کرنا ہے | کثرت ہے دشمن کی فوج | دھڑکتی ہے اپنی تلوار
پاکستان کی الفت میں | اپنا جینا مرنا ہے۔ | نام خدا ہم لیتے ہیں | ہو جائے گا بیڑا پار

لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان
لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان

اکبر الٰہ آبادی کے دو اشعار

اکبر الٰہ آبادی کا شمار برصغیر کے صف اول سے شعراء عظام میں ہوتا ہے آپ نے معاشرے کے ہر پہلو پر اپنی شاعری کے ذریعہ بھرپور تنقید کی ہے اور مسلمانوں کو دور غلامی سے

نجات دلانے کے لئے آپ نے بہت کوششیں کیں انگریزوں اور ہندوؤں سے
آپ کو بے انتہا نفرت تھی۔[۱]

قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں تحریک آزادی اٹھی تو لوگ قائد
اعظم کے دشمن ہوگئے اور بھرپور مخالفت شروع ہوگئی اس لئے کہ قائداعظم
شیعہ تھے۔

گاندھی جی کی سربراہی میں بڑے بڑے اکابرین ملت اور علمائے کرام
جمع ہوگئے۔ جس کو اکبر الہ آبادی نے اس طرح بیان کیا۔

گرد کوئی نہ رہا ان مہاتما کے سوا
سب ان کے چیلے ہیں اب آل فاطمہ کے سوا

بحوالہ کلیات اکبر صفحہ نمبر ۱ ناشر کتابستان کراچی والہ آباد ۱۹۴۰ء

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۵ پر ایک اور شعر ہیں شیعوں کی تحریک آزادی سے والہانہ
لگاؤ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

شکر کرنے کے لئے امید فردا اب اٹھے
ایشیا میں جان آئی یعنی شیعہ اب اٹھے

اہل التشیع کی اقتصادی اور معاشی میدان میں خدمات

مسلم کمرشیل بینک
قائداعظم رح

اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دعویٰ ہے کہ ہم دس کروڑ افراد کی ایک قوم ہیں
لیکن ان بینیوں بینکوں میں سے جو ہندوستان میں کام کر رہے ہیں ہمارے
پاس صرف ایک (حبیب بینک) ہے صحیح صورت حال بھی یہی تھی۔ لہٰذا
مسلم کمرشیل بینک قائداعظم کی خواہش اور سر آدم جی داؤد اور مرزا احمد
اصفہانی کی گفت و شنید اور کوششوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا۔[۱]
اس کے علاوہ محمدی اسٹیم شپ کمپنی کے قیام میں بمبئی کی داؤدی
بوہرہ جمعیت اور اسمعیلی جماعت کے حضرات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایضاً

---

[۱] قائداعظم میری نظر میں از مرزا ابوالحسن اصفہانی۔

فیڈرل انشورنس کمپنی بھی مرزا احمد اصفہانی کی مساعیٔ جمیلہ اور بھیم جی کی کاوشوں کے نتیجہ میں قائم ہوئی اور ترقی کے مدارج طے کئے۔ مرزا صاحب موصوف اس کے سب سے بڑے حصہ دار تھے۔[۱]

مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کا وفاق

اگست ۱۹۴۳ء میں قائد اعظم نے مرزا ابوالحسن اصفہانی سے خواہش ظاہر کی کہ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کا ایک وفاق تشکیل دیا جائے جس کے لئے مرزا صاحب موصوف نے بمبئی۔ کلکتہ دہلی۔ لاہور کے ذمہ دار مسلمان تاجروں سے مسلسل گفت وشنید کی۔ بے پناہ دقتوں کے باوجود اصفہانی صاحب کی مسلسل کوششوں اور جدوجہد کے نتیجہ میں قائد اعظمؒ کی یہ خواہش پوری ہو کر رہی۔ اور اس طرح مسلمانوں کے لئے تجارت اور حرفت میں قوت کا ایک ذریعہ مہیا ہو گیا جو آزادی حاصل کرنے کے بعد وطن کا کاروبار چلانے میں نہایت کارآمد ثابت ہوا۔[۲]

اورینٹ ایرویز جو بعد میں پی آئی اے بن گئی

جولائی ۱۹۴۶ء میں جب مرزا ابوالحسن اصفہانی (۱۰۔ اورنگزیب روڈ) پر قائد اعظمؒ سے قومی سیاست پر بات چیت کر رہے تھے تو مسٹر جناح نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسلمانوں کا ایک قوم کی حیثیت سے ذکر کرنا اور اُن کے لئے ایک ایسے وطن کا مطالبہ کرنا جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق رہ سکیں اور اپنی قسمت خود بنا سکیں یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا آپ کو اس کا احساس ہے کہ اگر ہمارے پاس آدمی۔ سامان اور اس کو چلانے کا ذریعہ نہ ہوں تو اس قسم کی ریاست بیکار ہو گی۔ کیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ہندوستان میں ایک بھی ایسی ہوائی کمپنی نہیں ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں اور اُن کے

ﮦ۱ شاہراہ پاکستان صفحہ ۱۵۲۔ ﮦ۲ حیات محمد علی صفحہ ۱۳۱۔

زیرِ انتظام ہو۔ یہ تو آپ کو علم ہوگا کہ اس نوعیت کی کتنی کمپنیاں ہیں جو ہندوؤں کی ملکیت میں ہیں اور انہیں کے سرمایہ اور آدمیوں سے چل رہی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ملک میں ہمارے پاس کتنے مسلمان ہوا باز اور مستری ہیں۔ اس سامان میں اس قدر کمی ہوتے ہوئے ہم کچھ کیسے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسا سامان ہے جو ہر قوم کے پاس کافی مقدار میں مہیا رہنا چاہیئے۔"

قائدِ اعظمؒ کے اس ارشاد کے مطابق مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنے بڑے بھائی مرزا احمد علی اصفہانی و سر آدم جی سے مشورہ کیا اور اس طرح تقسیم سے قبل پہلی مسلم ہوائی کمپنی یعنی اورینٹ ایئرویز نے باقاعدہ پروازیں شروع کر دیں۔ ہندوستان کی تجارت و حرفت کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی عوامی کمپنی تھی جس کا کل نظم و نسق مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس کمپنی کا قیام بڑی حد تک اصفہانی برادران کا ہی مرہونِ منت ہے۔[۲]

مملکتِ پاکستان کے بنیادی اصول

۷ اگست ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظمؒ کراچی کے لئے روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر نئی مملکت کے انتظام و قیام میں مصروف ہوئے اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو انتقالِ اقتدار کی رسم ادا ہوئی۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا اور قائدِ اعظمؒ نے معرکۃ الآرا خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا جو مملکتِ پاکستان کی بنیاد ہے۔

"بلاشبہ آپ مجھ سے اس امر میں اتفاق کریں گے کہ حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ امن و انتظام قائم رکھے تاکہ مملکت کے باشندوں کی جان و مال اور مذہبی عقائد پورے طور سے مملکت ہی کے ذریعہ سے محفوظ ہو جائیں۔ اگر ماضی کو بھول کر اور عداوتوں کو دفن کر کے باہمی

---

[۱] شاہراہِ پاکستان صفحہ ۵۲۰ [۲] قائدِ اعظم میری نظر میں از مرزا ابوالحسن اصفہانی صفحہ ۱۰۴

تعاون سے کام کریں تو لازماً آپ کو کامیابی ہو گی۔ اگر آپ ماضی کو بدل ڈالیں اور اس جذبہ کے ساتھ باہم مل کر کام کریں کہ آپ میں کا ہر فرد خواہ کسی فرقہ کا ہو ماضی میں آپ کے اور اس کے تعلقات کیسے ہی رہے ہوں اور اس کا کچھ ہی مذہب ہو وہ اوّل دوئم اور آخر اس مملکت دولت پاکستان کا شہری ہے مساوی حقوق آزادیوں، سہولتوں، اور پابندیوں کے ساتھ تو آپ کی ترقیوں کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ آپ آزاد ہیں کہ اپنی مسجدوں میں جائیں یا اس دولت پاکستان کے اندر کسی اور عبادت گاہ میں جائیں۔ آپ کا تعلق کسی مذہب کسی ذات اور کسی عقیدے سے ہو اس کا مملکت کے کام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ بطور نصب العین سامنے رکھنا چاہیئے اور آپ یہ پائیں گے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ مذہبی مفہوم میں نہیں کیونکہ یہ ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی مفہوم میں اس مملکت کے شہری کی حیثیت سے ہے۔[1]

اگر دیکھا جائے تو قائد اعظم کی تقریر کے اس مختصر سے اقتباس میں بقول جناب محمد فاروق قریشی صاحب:۔

"انھوں نے مملکت پاکستان کے مستقبل مملکہ دستور سازی کے لئے بنیاد غیر مبہم الفاظ میں فراہم کر دی تھی تاکہ کوئی فکری انتشار اور خلفشار باقی نہ رہ جائے۔ اور آئندہ کام بطریق احسن سرانجام پا سکے۔ اس موقع پر غلط فہمیوں اور ابہام کو دور کرنے کا مقصد نئی مملکت کے باشندوں کے درمیان باہمی مکمل اتحاد اور کامل یکجہتی پیدا کرنا ہے تاکہ ان میں تعمیر مملکت کے لئے نیا ولولہ موجود ہو۔ یہ اصول اس قدر جامع تھے کہ تمام اراکین اسمبلی کو اس سے پورا اتفاق تھا۔ اور کسی جانب سے کوئی اختلافی صدا سنائی نہیں دی۔ مملکت کی بنیاد کے لئے جس اصول کا اعلان کیا گیا

---

[1] پاکستان ناگزیر تھا صفحہ ۵۳۳۔

بلاشبہ نہایت عظیم الشان ہے اس کی رو سے پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کو برابر درجہ کا شہری قرار دیا گیا ہے اور ان کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا گیا۔ مملکت کے دروازے ہر ایک پر یکساں کھول دیئے اور ہر شہری مملکت کے ذرہ ذرہ کا مساوی حیثیت میں مالک ٹھہرا کسی شخص کو مذہب عقیدہ، فرقہ، رنگ یا نسل کی بنیاد پر مملکت سے استفادہ کرنے سے نہیں روکا جا سکتا اس موقع پر اس امر کا اعلان از حد ضروری تھا۔ فضا میں کشیدگی ابھی باقی تھی۔ خوف، نفرت، بغض، کدورتیں اور انتقامی جذبات سے دل و دماغ مغلوب تھے۔ انھیں زائل کرنے کے لئے برملا کھلی واضح اور ذمہ دارانہ یقین دہانی کی ضرورت تھی۔ تاکہ یہ تمام مذاہب عقیدوں فرقوں اور ذاتوں کے لوگوں کو تسلی اور اطمینان ہو۔ انھیں نئی مملکت میں اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا مستقبل روشن و محفوظ نظر آئے اور وہ سکونِ خاطر کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اس لئے یہ واضح کرنا تھا کہ مذہب، عقیدہ یا ذات ذاتی فعل ہے اس کا کاروبار مملکت کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہوگا۔ مزید یقینی بنانے کے لئے اسے مملکت کا بنیادی اصول قرار دے کر تمام اشکال کو مستقل طور پر ختم کر دیا۔ اس طرح تازہ عزائم کے ساتھ کاروبار مملکت کا آغاز ہوا یہ عظیم الشان عمرانی معاہدہ مملکت پاکستان کا بنیادی پتھر ہے"۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۸۲ء)

سیٹھ محمد علی حبیب کی خدمات

سید محمد علی عابدی لکھنوی ممبر پاک محرم ایسوسی ایشن کراچی رقمطراز ہیں کہ راقم الحروف پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر بمبئی سے کراچی منتقل ہو کر محمدی اسٹیم شپ کمپنی کا چیف اکاؤنٹنٹ رہا بجدہ اسی حیثیت سے لکشمی بلڈنگ میں حبیب سنز سے وابستگی رہی۔ کبر سنی کے باوجود یہ واقعہ ثقہ راویوں کی زبانی سنا ہوا حافظہ میں آج تک محفوظ ہے کہ نوزائیدہ حکومت پاکستان پر ایسا کڑا وقت آیا تھا کہ سرکاری اخراجات کے لئے قائد ملت

لیاقت علی خاں کو قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی فوری توجہ مبذول کرانی پڑی جس پر قائدِ اعظمؒ نے اپنی کل رقم حبیب بینک کراچی سے نکلوا کر وزیرِ اعظم کے حوالہ کر دی۔ جونہی یہ اطلاع سیٹھ محمد علی حبیب کو ملی وہ فوراً حیران و پریشان قائدِ اعظم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور اکاؤنٹ بند کرنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے لرزاں و ترساں اپنے دلی اضطراب کا اظہار کیا۔ قائدِ اعظمؒ نے کیفیت بیان کی جس پر سیٹھ محمد علی حبیب نے حکومت کے اخراجات کے لئے خطیر رقم فوراً خود پیش کر دی اور اس سے کہیں زیادہ اپنے دوست سیٹھ آدمجی سے دلوائی اس طرح یہ الجھن رفع ہو گئی۔ سیٹھ محمد علی حبیب کے ڈی اے کے پہلے چیئرمین رہے۔ قومی اور تعلیمی اداروں کے علاوہ رفاہِ عام کے لئے یہ خاندان دل کھول کر خرچ کرنے میں پیش پیش رہا۔

شیعہ اور سنی اتحاد کے سلسلے میں ایرانی وفد کے سربراہ کا بیان

لاہور ۲ فروری۔ پاکستان کے لئے دورہ کرنے والے تین رکنی ایرانی وفد کے سربراہ ڈاکٹر حسن روحانی نے پاکستان کے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فروعی اختلافات ترک کر دیں اور اپنے اتحاد کو مضبوط بنائیں۔ انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ سنی اور شیعہ کے درمیان کشیدگی اسی سازش کا حصہ ہے اور اس قسم کی حرکت کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ پیر کے روز لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ ڈاکٹر حسن روحانی نے کہا اسلامی انقلاب کے رہنما امام خمینی نے شیعوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ جب کبھی اہلِ سنت کی مساجد میں جائیں الگ نماز ادا نہ کریں بلکہ اہلِ سنت کے امام کی اقتدا ہی میں سنی بھائیوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ امام خمینی نے واضح کیا ہے کہ الگ نماز ادا کرنا اسلام میں حرام ہے۔ ڈاکٹر روحانی نے کہا مسلمان دنیا کی تیسری بڑی قوت بن کے ابھرے ہیں۔ مغرب اور مشرق کی سامراجی

طاقتیں اس سے خوفزدہ ہیں۔ (امروز ۱۵ار فروری ۱۹۸۳)

اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی بقا ان کے اتحاد سے وابستہ ہے

لاہور یکم نومبر۔ امام خمینی کے نمائندہ حضرت آیت اللہ طاہری نے پاکستان کے علماء اور دانشوروں سے اپیل کی ہے کہ مسلمانوں میں شیعہ اور سنی کے نام سے ہونے والی برادر کشی کو روکیں اور انھیں مشترکہ اصولوں پر متحد کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

انھوں نے ایک بیان میں کہا اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی بقاء ان کے اتحاد سے وابستہ ہے دشمنانِ اسلام اختلاف کے ذریعے ہی مسلمانوں میں اپنا اثر و نفوذ پیدا کرتے ہیں۔ آج کے تمام جھگڑوں کے پیچھے بھی دشمنانِ اسلام کا ہاتھ ہے۔ ایران میں اہل سنت کے حقوق کی پائمالی کا پروپیگنڈہ بھی انھی کی طرف سے کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مارا جانا تو بڑی بات ہے۔ ایران میں آج تک کوئی ایک شخص بھی سنی ہونے کی بناء پر گرفتار یا قید نہیں کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ البتہ ایرانی حکومت ہر اس شخص کے ساتھ خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی محارب کا سلوک کرتی ہے جو اسلام سے جنگ کرتا ہے۔ ایران میں سال کے ایک ہفتے کو "ہفتہ وحدت سنی و شیعہ" قرار دیا گیا ہے۔ ایران بلوچستان اور کردستان میں سنی طلبہ کے لئے دینی مدارس تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام خمینی کے نمائندہ نے اپنے بیان میں کہا ہم سب مسلمان ہیں ایک دین۔ ایک کتاب اور ایک نبیؐ کے پیروکار۔ لہٰذا چند اعتقادی یا عملی مسائل کو اختلاف و افتراق کا سبب بنا کر شیعہ و سنی کے نام پر باہم دست و گریباں نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسلام کے اساسی اصولوں پر متحد ہونا چاہیئے۔ انھوں نے کہا امام خمینی نے بجا طور پر کہا ہے کہ جو لوگ شیعہ و سنی میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں وہ نہ سنی ہیں نہ شیعہ۔

ہمیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ کوئی گروہ بعض جزوی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوں انھوں نے امید ظاہر کی کہ تمام مسلمان اپنے دین کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں گے۔ اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر استعمار اور دشمنان اسلام خصوصاً اسرائیل کے مقابلے میں متحد ہوں گے۔ (امروز ۲۰ مارچ ۱۹۸۳ء)

اہل تشیع چاروں یاران نبیؐ کا احترام کرتے ہیں

راولپنڈی (نمائندہ جنگ) مجلس شوریٰ کے رکن اور ممتاز شیعہ عالم علامہ نصیر الاجتہادی نے کہا ہے کہ اسلام اور پاکستان کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع شانہ بشانہ کام کریں۔ انھوں نے کہا کہ شیعہ اور سنی ایک ہی سپہ سالار کی فوجیں ہیں اور ہمارا خدا، رسولؐ قرآن اور کعبہ ایک ہے اس لئے ان کے درمیان کسی اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انھوں نے ان خیالات کا اظہار پنڈورا میں حضرت پیر سید سعدین علی شاہ کے سالانہ عرس کے موقع پر اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے کہا کہ اہل تشیع چاروں یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح دوسرے فرقے کرتے ہیں۔

پاکستان مسلمانوں نے متحد ہو کر بنایا تھا اس کی بقا کیلئے اتحاد ضروری ہے: شبیہہ الحسنین

لاہور ۱۶ فروری (اسٹاف رپورٹر) ممتاز شیعہ عالم دین مولانا شبیہہ الحسنین محمدی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ان عناصر کو سختی سے کچل دیا جائے جو ملک میں فرقہ پرستانہ جذبات کو ہوا دینے کی کوشش کر رہے ہیں انھوں نے کہا کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کی متحدہ جدوجہد سے عمل میں آیا ہے اور اس کی بقا بھی مسلمانوں کی متحدہ طاقت میں مضمر ہے۔ فرقہ وارانہ اختلافات

کو ہوا دینا پاکستان کے حال اور مستقبل سے دشمنی ہے انھوں نے کہا کہ ملک کے دشمن عناصر لسانی. علاقائی اور قومیتوں کے تمام ہتھکنڈے آزما کر منہ کی کھا چکے ہیں. انھوں نے کہا کہ پاکستان کے دشمنوں کے پاس سب سے خطرناک ہتھیار یہ ہے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور انتشار پیدا کیا جائے. انھوں نے کہا کہ ان عناصر کو کھل کھیلنے کا موقع دیا گیا تو اس سے ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہے. اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ فرقے کے خول سے باہر نکل کر اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی کوشش کرے انھوں نے کہا کہ اگر مسلمان باعزت زندہ رہے گا تو ہر فرقہ زندہ رہے گا مسلمان ہی خطرے میں پڑ گیا تو کوئی فرقہ نہیں بچ سکتا درخت کی جڑ خراب ہونے کے بعد شاخیں خود بخود فنا ہو جایا کرتی ہیں. پاکستان کی حکومت سے درخواست ہے کہ وہ فرقہ پرستی کے جراثیم کو ابھرنے نہ دے اور ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھے جو فرقہ پرستانہ احساسات کو ابھار رہے ہیں انھوں نے کہا کہ ایسے عناصر کو عبرتناک سزا دی جانی چاہیئے. یہ لوگ کسی رو رعایت کے مستحق نہیں ہیں.

(جنگ ۷، فروری ۱۹۸۳)

نئی کراچی کا واقعہ بیرونی سازش ہے

کراچی ۲ فروری (نمائندہ جنگ) جمعیت علماء امامیہ پاکستان کے سربراہ سید محمد ذکی الاجتہادی نے کہا ہے کہ نئی کراچی کا سانحہ بشاہ خراسان سانحہ کی ایک کڑی ہے. جو بیرونی سازشوں اور صیہونی طاقتوں کے منصوبے کا نتیجہ ہے کیونکہ صدر ضیاء الحق نے اسلام کے سچے علمبردار کی حیثیت سے صیہونی طاقتوں کے عزائم کو ناکام بنانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان طاقتوں نے سازشوں میں اضافہ کر دیا ہے. وہ آج یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے جس میں ۱۲۵ انجمنوں کے نمائندوں نے شرکت کی. علامہ ذکی الاجتہادی

نے کہا کہ ایک طبقہ جو ان صیہونی اور بیرونی طاقتوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتا۔ شیعہ اور سنی فرقوں کو لڑانا چاہتا ہے انہوں نے کہا کہ سانحۂ کراچی کے بارے میں شیعہ اور سنی فرقوں نے جس اتحاد بین المسلمین کا مظاہرہ کیا اس سے یہ طاقتیں ہل کر رہ گئیں اور انہوں نے اس واقعہ کو ایک نیا رنگ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر دعویٰ کرنے والوں کے گھر جلائے گئے مسجدیں تباہ کی گئیں تو وہ ۲۰ جنوری سے ۷ فروری تک کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر مجلس شوریٰ کے ارکان نوکر شاہی کے منتخب کئے ہوئے نہ ہوتے تو یہ واقعہ پیش نہ آتا کیونکہ اگر وہ اسلام دوست ہوتے تو اس مسئلے کو بہت پہلے ہی صدر کی خدمت میں پیش کر چکے ہوتے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ شیعہ لیڈروں پر سے مقدمات ختم کئے جائیں شیعوں کے جلوسوں، مساجد و امام بارگاہوں کو مکمل تحفظ دیا جائے۔ انہوں نے ہیئت آئمہ مساجد کی کوششوں کو سراہا۔

(جنگ ۱۱ فروری سنہ ۱۹۸۳ء)

اہل تشیع ملت اسلامیہ کے اتحاد کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے

احمد پور شرقیہ (نامہ نگار) مجلس عمل علماء شیعہ پاکستان کا ایک خاص اجلاس احمد پور شرقیہ میں زیر صدارت مولانا غلام نبی خطیب شیعہ جامع مسجد بہاولپور منعقد ہوا جس میں تمام قومی مسائل اور مطالبات پر غور کرتے ہوئے مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔ حاجی سید سعید علی بخاری جنرل سیکرٹری شیعہ لیگ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔

اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی گئی۔ جس میں وحدت ملی اور قومی یکجہتی کی ضرورت پر زور دیا گیا اور کہا گیا کہ اتحاد اسلامی کے جذبے کو فروغ دینے

سکے لیئے شیعہ سنی اتحاد ضروری ہے۔ اتحاد بین المسلمین میں ملک کی بقاہے شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا ہر کتبِ فکر کے علماء کرام کو اتحاد اسلامی اور اسلامی رواداری کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ کسی بھی فرقے کے لوگوں کو سیاسی آلۂ کار نہیں بنانا چاہیئے۔ ملکی سالمیت اور دفاع وطن ایمان کی نشانی ہے۔ اجلاس میں عہد کیا گیا کہ شیعہ قوم ملکی سالمیت، دینِ اسلام کے اقدار کے تحفظ اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ اجلاس میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے اسلامی جذبات اور نفاذِ اسلامی نظام کے عملی اقدامات کی مکمل حمایت کرتے ہوئے کہا گیا کہ جو اسلامی قوانین کے نفاذ میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں وہ اسلام کے دوست نہیں (جنگ ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء)

علماء اور دینی سیاسی جماعتوں کا اتحاد وقت کی ضرورت ہے، میاں طفیل محمد

لاہور (پی پی آئی) کالعدم جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے کہا ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علماء اور نظریۂ پاکستان پر یقین رکھنے والی سیاسی جماعتوں کا اتحاد وقت کی ضرورت ہے۔ آج جامع مسجد منصورہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے میاں طفیل محمد نے جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہل حدیث اور اہل تشیع حضرات سے اپیل کی کہ وہ دین دشمن طاقتوں کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے کم سے کم پروگرام پر متفق ہو جائیں۔ انھوں نے کہا کہ ماضی میں جب بھی علماء نے اپنے معمولی اختلافات کو پس پشت ڈال کر اتحاد کا مظاہرہ کیا قوم نے ان کی آواز پر لبیک کہا۔ اسی اتحاد کی برکت سے علماء ۲۲ نکات کی تشکیل کے قابل ہوئے، قادیانیوں کا مسئلہ حل ہوا اور ۱۹۷۷ء میں ملک کو بدترین آمریت سے نجات ملی انھوں نے کہا کہ موجودہ حالات میں ملک میں دین کی بالادستی کے قیام کے لئے علماء کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا چاہیئے۔ انھوں نے زور دیا کہ صرف دینی طاقتوں کا اتحاد ہی دین دشمن طاقتوں

کے چیلنج کا جواب دے سکتا ہے (جنگ ۱۰ر جولائی ۱۹۸۳ء)

اسلامی متحدہ کونسل کراچی شاخ کی تشکیل

کراچی ۱۶ جولائی (اسٹاف رپورٹر)... اسلامی متحدہ کونسل پاکستان کا ایک اہم اجلاس علامہ سید محمد رضی (مجتہد مرکزی صدر) "اسلامی متحدہ کونسل" کے مکان پر زیر صدارت مولانا ارشاد الحق تھانوی منعقد ہوا جلسہ میں اسلامی متحدہ کونسل کی کراچی شاخ کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ کراچی کونسل کی صدارت کے لئے مولانا ارشاد الحق تھانوی کی تحریک پر بہ اتفاقِ رائے جناب مولانا قاری رضاء المصطفےٰ کا نام تجویز کیا گیا اور حسب ذیل چار نائب صدر تجویز کئے گئے۔ میر نواز خان مروت، ایڈوکیٹ محمد اسمٰعیل خان ایڈیٹر فیضان حاجی عبدالمالک حسن زئی سید علی اکبر رضوی۔ اجلاس میں طے پایا کہ ہر مکتبہ خیال میں سے علماء کرام اور دیگر سربرآوردہ شخصیتوں کو کراچی کونسل کا سرپرست بنایا جائے جس میں مولانا رضاء المصطفےٰ مولانا ارشاد الحق تھانوی مولانا شمس الحق، مولانا عابد تیسیر مولانا عبد الرحمٰن سلفی مولانا عنایت حسین جلالوی کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ مجلسِ عاملہ میں کراچی کے تمام زونوں کے کنوینروں کے علاوہ ہر حلقہ کے ممتاز افراد کا انتخاب کیا گیا۔ اس کے علاوہ جناب ابد نقوی جنرل سیکریٹری۔ جناب ایس ایم سلیم جوائنٹ سیکریٹری اور جناب نسیم حیدر سیکریٹری مالیات منتخب ہوئے۔ اس بات کا پہلے ہی اعلان ہو چکا ہے کہ اسلامی متحدہ کونسل کا مقصد ملک میں امن وامان اور باہمی اتحاد و اتفاق قائم کرنا ہے اور یہ کہ اس کونسل کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا (جنگ ۱۴ر جولائی ۸۳ء)

ادارۂ اتحادِ امت نے جون ۱۹۸۰ء میں جس کام کو شروع کیا تھا اب ملک کے علماء کرام نے بھی اس سمت میں اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا ہے۔ اسلامی متحدہ کونسل اور اسی قسم کے دیگر اداروں کا قیام اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ہمیں امید ہے کہ یہ تمام ادارے متحد ہو کر اتحاد کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو

بروئے کار لائیں گے۔"

(دستخط جناب پروفیسر سید محمد عبد الرشید صاحب فاضل)

تحریکِ پاکستان میں تمام مسلمانوں نے حصہ لیا

ہم جناب پروفیسر سید محمد عبد الرشید صاحب فاضل کے مندرجہ بالا مقالے سے بکلی متفق ہیں اور موصوف نے اس سلسلہ میں جو کاوش کی ہے وہ لائق صد ستائش ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس امر کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ صرف اہل تشیع ہی نے نہیں بلکہ برصغیر کے تمام مسلمانوں نے تشکیل پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اور پاکستان ان سب کی مشترکہ جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجہ میں دنیا کے نقشہ پر رونما ہوا ہے۔

جس طرح اہل تشیع کی ایک قلیل جماعت نے پاکستان کی مخالفت میں کانگریس کا ساتھ دیا۔ اسی طرح سنیوں کی ایک قلیل جماعت نے پاکستان کی مخالفت میں کانگریس کا ساتھ دیا۔

میرے نزدیک اس قلیل جماعت کے افراد کو جن میں شیعہ اور سُنی دونوں شامل تھے اس لئے موردِ الزام قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اختلاف رائے ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس جماعت نے اپنی دانست میں جو صحیح سمجھا وہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ سب سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مل کر اپنے مشترکہ دشمن انگریزوں سے نجات حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد ہندوؤں سے نمٹا جائے گا۔ لہٰذا انکی نیت پر بھی کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا گو کہ ان کا یہ خیال مسلمانانِ ہند کی اکثریت نے تسلیم نہیں کیا لیکن بہرحال اختلاف رائے کے حق سے اُن کو محروم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی بنا پر اُن سے بغض و عداوت کا رکھنا حق بجانب ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ نے

ہر حلقے میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اُس قلیل جماعت کے نظریئے اور پروپیگنڈے کو رد کر دیا۔ جن میں ان کے مسلک اور فرقے کے لوگ بھی شامل تھے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تمام مسلمانانِ ہند نے جن میں ہر مسلک اور ہر عقیدے کے مسلمان شامل تھے تشکیل پاکستان میں مساوی حصّہ لیا ہے۔ لہٰذا اس کی کامیابی کا سہرا کسی ایک جماعت کے سر پر نہیں باندھا جا سکتا۔

تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں جس گروہ نے پاکستان کی مخالفت کی تھی اُس گروہ کے بھی بہت سے افراد قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے اس مُلک میں آباد ہو گئے اور کچھ یہاں پہلے سے موجود تھے اور اب وہ پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے اس سرزمین کا دفاع کرنے اس کی ترقی اور بقاء کے لئے صدق دل سے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم کو اُن سے بدظن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں۔ بھائیوں میں اکثر اختلاف بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان اختلافات کی وجہ سے وہ رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانانِ عالم کے مابین ہمیشہ سے قائم اور دائم ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اُن گزری ہوئی باتوں کو بھلا کر "گزشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط" کے مقولے پر عمل کریں۔ کیونکہ یہی وقت کا اہم تقاضہ ہے مسلمانوں کو اس وقت اتحاد کی جتنی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ لہٰذا وقت گڑے مردوں کو اکھاڑنا، ماضی کی تلخیوں کا ذکر کرنا اور اُن تاریخی واقعات و غلطیوں کو مسلمانوں کی موجودہ مختلف العقائد جماعتوں میں تفرقہ ڈلوانے کے لئے استعمال کرنا مسلمانوں کے ساتھ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے۔ یہ کام اگر کوئی

شخص کر رہا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ دشمنانِ اسلام کے عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں ان کی دانستہ یا نادانستہ طور پر مدد کر رہا ہے۔

اس سلسلہ میں پروفیسر سید عبدالرشید صاحب فاضل نے اپنے مقالے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست اور نہایت اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ہم اس کو دوبارہ نقل کرتے ہیں۔

" پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تحریک پاکستان میں بھی تمام مکاتب فکر کے لوگ متحد تھے۔ اگر متحد نہ ہوتے تو پاکستان کیسے بن جاتا۔ دستور اسلامی کی مہم میں بھی مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء شامل تھے جن میں چار شیعہ علماء بھی تھے۔ اسی طرح تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں بھی سب متحد تھے۔ تو اب ان مقاصد سے بھی زیادہ اہم اور وسیع تر مقصد یعنی دشمنانِ اسلام کے خلاف متحد ہو کر اسلام کا دفاع کرنے میں کون سا امر مانع آسکتا ہے؟ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اگر اتحاد کے خلاف اس قسم کے مباحث چھیڑے گئے تو سمجھا جائے گا کہ اس کی تہ میں دشمنانِ اسلام کی سازش کام کر رہی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب تمام مسالک کے علماء نے اتفاق ہی نہیں کیا اس کام میں تعاون کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور انفرادی طور پر اُن اہم شخصیتوں کی اتحادِ ملی کی اپیلیں شائع ہو رہی ہیں تو شیعہ، سُنی بریلوی دیوبندی اختلافات کے مباحث کیا معنیٰ رکھتے ہیں؟"

اقتباسات از نہج البلاغہ

اب ہم ذیل میں "نہج البلاغہ" سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو موضوع زیرِ بحث کے سلسلہ میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ کتاب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے زریں اقوال، خطوط اور خطبات پر مشتمل ہے اور اس کا مقام اہل تشیع کے نزدیک قرآن حکیم اور کتب احادیث کے بعد ان کی تمام دینی و علمی کتابوں سے بلند و بالا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات کے خلاف اگر کسی

کتاب میں کچھ پایا جاتا ہے تو وہ اہل تشیع کے نزدیک غلط، بے بنیاد اور لائق توجہ نہیں ہے خواہ وہ کتاب انہیں کے علمار نے ہی کیوں نہ لکھی ہو۔

دل پیار سے جیتو (فقرہ نمبر ۵) لوگوں کے دل صحرائی جانوروں کی طرح ہیں جو انکو سدھائے گا ان کی طرف جھکیں گے

محبت: (فقرہ ۱۴۲) میل محبت پیدا کرنا عقل کا نصف حصہ ہے۔

دشمن کے ساتھ سلوک (فقرہ نمبر ۱۰) دشمن پر قابو پاؤ تو اس قابو پانے کا شکرانہ اس کو معاف کر دینا قرار دو

کینہ کیسے دور ہو (فقرہ نمبر ۱۷۸) دوسروں کے سینوں سے کینہ و شر کی جڑیں اس طرح کاٹو کہ خود اپنے سینے سے اسے نکال پھینکو۔

بغض، کینہ اور عداوت مالک اشتر گورنر مصر کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا: "اے مالک اشتر! وہ سب اسباب دور کر دینا جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کرتے ہیں عداوت اور غیبت کی ہر رسی کو کاٹ ڈالنا..."

مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں کیا شیعان علیؑ کسی سے بغض اور عداوت رکھ سکتے ہیں؟ لہٰذا ممتاز شیعہ عالم علامہ نصیر الاجتہادی صاحب کا یہ بیان کہ "اہل تشیع چاروں یاران نبیؐ کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح دوسرے فرقے کرتے ہیں"۔ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ شیعان علیؑ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ بالا ارشادات پر عمل پیرا ہیں اور وہ کسی سے بغض نہیں رکھتے بلکہ ان کا مشرب ہی محبت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان سے جو غلط باتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ دشمنانِ اسلام کی سازش اور پروپیگنڈا کا نتیجہ ہے۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کتاب "اصل و اصول شیعہ" تالیف حضرت محمد حسین آل کاشف الغطا نجف اشرف

جس کو اہلِ تشیع اپنے عقائد کی ایک مستند کتاب مانتے ہیں اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں میں جو تحریف قرآن کے قائل ہیں وہ خطا پر ہیں کیونکہ اس اعتقاد سے نص قرآن انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آخری وصیت

حضرت علامہ طالب جوہری صاحب ممبر اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان کتاب "نہج البلاغہ کی روشنی میں زندگی کا منظر" جلد چہارم مرتبہ محمد وصی خاں صاحب کے صفحہ ۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"آخر امیر المومنینؑ کا سفر حیات قاتل کی تلوار نے قطع کیا۔ ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کا واقعہ ہے جب صبح کی نماز پڑھانے آپ تشریف لے گئے۔ محراب عبادت میں سجدۂ خالق میں سر جھکایا تھا کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے فرقِ مبارک کو زخمی کیا۔ اس زخم کی حالت میں جب موت بالکل سامنے کھڑی تھی اور آپ کا قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم آپ سے گستاخی اور زبان درازی بھی کر رہا تھا۔ آپ نے اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے فرمایا۔

"یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو۔ نرم بچھونا دو۔" یہ ہدایت اُس شخص کے بارے میں بھی جو آپ کا قاتل تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "اگر قصاص لینے پر ہی اصرار کرو تو چاہیئے کہ اُسے اسی طرح ایک ضرب مارو جس طرح اُس نے مجھے مارا ہے۔ لیکن اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ خدا زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔"

زخم میں زہر کا اثر بڑھتا گیا۔ مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس عالم میں اپنے اہلِ خاندان کو نیکی اور تقویٰ کی وصیت فرماتے رہے۔ آپکے آخری کلمات میں سے چند نصیحت آموز کلمے یہ ہیں۔

"خدا کے بندوں پر شفقت کرو۔ میٹھی بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا ورنہ اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔ پھر تم دعا کرو گے مگر قبول نہ ہوگی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند ہو۔ خبردار! ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو (کیونکہ) اس کا عذاب بہت ہی سخت ہے۔ اے اہل بیتؑ! خدا تمہیں محفوظ رکھے میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے لئے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان ارشادات کی روشنی میں بھی ادارہ اتحادات کے بنیادی اغراض و مقاصد کی مکمل طور پر تائید و تصدیق ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانوں کے دلوں کو پیار و محبت ہی کے ذریعہ جیتا جا سکتا ہے۔ دوسروں کے دلوں سے بغض و عناد کے مذموم جذبات کی بیخ کنی اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ سب سے پہلے ہم خود اپنے دلوں سے ان جذبات کو نکال دیں اور اس کے بجائے مخلوق خدا کی محبت سے اپنے دلوں کو منور کر لیں۔ کیونکہ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرنا اور ان سے میٹھی بات کرنا عین امر ربی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف پر مبنی اچھا سلوک کرنا اور اگر ممکن ہو تو اُن کی خطاؤں کو معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ جس کا مظاہرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت کیا تھا اور اس عفوِ عام میں آپ کے مشن کی کامیابی کا راز مضمر تھا۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد جس تیزی سے اسلام پھیلا وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ آپ کا یہ عمل سورہ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۴ کے عین مطابق تھا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

"اچھا رویہ اور برا رویہ برابر نہیں۔ اچھا رویہ نیکی ہے اور بُرا رویہ بدی ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ بُرائی کا جواب بھی نیکی ہی سے دو۔"

جہاد فی سبیل اللہ

لیکن اگر مسلمانوں کے اس پُر خلوص اور مشفقانہ رویہ کے باوجود بھی کوئی ظلم و زیادتی سے باز نہ آئے تو پھر اللہ کا حکم ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور بزورِ شمشیر اُن ظالموں کو ظلم اور زیادتی کرنے

سے روک دیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء کی آیت ۷۶ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"ایماندار لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔"

میدان جنگ میں جہاد کرنا اور خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانا جو مرتبہ عطا کرتا ہے اس کی خواہش ہر مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔"

اس سلسلے میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"جو لوگ اہل کتاب میں سے خدا پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں اُن سے جہاد کرو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور ان کے مقابلہ میں جتنی طاقت اور گھوڑوں کے لشکر تم جمع کر سکتے ہو کرو۔"

پس ایک مسلمان کا جہاں یہ فرض ہے کہ وہ مخلوقِ خدا سے محبت کرے۔ اُن سے میٹھی بات کرے اور پیار و محبت سے ان کو اسلام کی دعوت دے وہاں اسلام ہم کو یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ اس کے باوجود بھی راہِ راست پر نہ آئیں حق کو قبول نہ کریں خود اپنی ذات اور مخلوق خدا پر ظلم اور زیادتی کرتے رہیں اور مسلمانوں کے خلاف قوت کا استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کریں تو پھر اُن سے جہاد کرنا ہمارا فرض ہے۔ کیونکہ سختی کا دفیعہ سختی ہی سے ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ہمیں اپنی مدافعت اور خطرات سے بچنے کے لئے اپنی دفاعی طاقت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا عین حکم خداوندی کے مطابق ہے لہٰذا اس دور میں جدید ترین اسلحہ سے لیس ہونا اشد ضروری ہے جس کے لئے سائنس اور

لیکن ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ترقی اور مہارت حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہے جس پر آگے چل کر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں ہمارا موضوع بحث یہ ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے تمام فرقوں اور مسالک کا اتحاد اشد ضروری ہے خصوصاً شیعہ اور سنیوں میں تاکہ تمام مسلمانانِ عالم متحد ہو کر اور اپنے تمام وسائل کو مجتمع کر کے اپنی دفاعی قوت میں اضافہ کریں۔ آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر دشمنانِ اسلام کے خلاف اپنے اپنے مسالک اور اپنے اپنے ممالک کے دفاع اور بقاء کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ اور حدیث نبویؐ کی رو سے اس طرح ایک جسم بن جائیں کہ اگر اس کے کسی ایک حصہ کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جائے اور جب تک اس کی تکلیف کو دور نہ کر لے اسکو چین نہ آئے۔

ادارہ اتحاد امت کا قیام اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے اور یہ ادارہ وہ پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے جس کی عالم اسلام کو اس وقت شدید ضرورت ہے۔

لہٰذا یہ ادارہ ہمیشہ جوڑ کی بات کرتا ہے اور توڑ کی بات سے گریز کرتا ہے۔ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حسب ذیل قول پر عمل پیرا ہے:۔

ایک بار کسی شخص نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی تو آپ نے فرمایا:۔

"مجھے سوئی دو، میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں[۱]"

خدا روزِ محشر یہ پوچھے گا ہم سے
میں بیمار تھا کیا خبر تم نے لی تھی
عیاں ہو گی بندے پہ اس دم حقیقت
نہ ہوگا وہ انساں محبت سے خالی
"یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں

میں بھوکا تھا کھانا کھلایا تھا تم نے
کبھی میری تیمار داری بھی کی تھی
کہ انساں کی خدمت ہے اللہ کی خدمت
بسا جس کے دل میں ہو یہ شعر حالی
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں"

۱۔ فوائد الفواد۔

اُمّتِ واحدہ کا قرآنی تصوّر

اب ہم بشکریہ روزنامہ جنگ پروفیسر محمد اے۔ آر شاہین صاحب کا ایک مضمون جو ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کو شائع ہوا ہے پیش کرتے ہیں جو اتحاد امت کے سلسلے میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

اسلامی احکام کے مطابق اسلامی اُمت ایک امت ہے اور اس امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا اس اسلامی اسٹیٹ کے حصے بخرے کرنا اسلامی احکام کے منافی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی ہے

اللہ حقیقی حاکم | اللہ ہی حقیقی بادشاہ ہے (قرآن ۲۰/۱۱۴، ۲۳/۱۱۶۔ اور صرف اسی کی بادشاہت/ حاکمیت اور سرداری ہے۔

(۲/۳۹، ۴۴۔ ۴۳/۸۵۔ ۲۷/۶۵) چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کے دعویدار ہوں ان کے لئے لازمی ہے کہ اس کی اطاعت کریں یعنی اس کی وحی/کتاب کی اطاعت:۔

(۱) جو آخری تکمیلی طور پر قرآن کریم کی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری اور (الف) جس کی حفاظت اور تحریف سے محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے (۱۵/۹ - ۳۹/۲۸)

(ب) جس میں وہ سب کچھ ہے جو اترا سابق کے نبیوں پر بشمول نوحؑ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ وغیرہ علیہم السلام (۴۲/۱۳ - ۴۶/۱۲، ۲۰/۷ وغیرہ)

(۲) جس کی اطاعت اور عملی پیروی کی تمام انبیاء نے اور جس کو قابل عمل کر کے دکھایا اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے اقوال واعمال میں۔

چنانچہ ایمان لانے والوں کے لئے اللہ کے حکم سے لازم ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت کریں (۳/۳۲، ۱۳۲۔ ۴/۱۳، ۵۹، ۸۰، ۵/

اُمت واحدہ/قرآنی فیصلہ

اللہ نے مومنوں یعنی ایمان لانے والوں کا نام "مسلم" رکھا ہے (۲۲/۷۸) اور ہمیشہ مسلمانوں کو ایک امت کہا ہے۔ بہت ساری یا مختلف امتیں نہیں کہا ہے اِنَّ ھٰذِہٖ امتکم امۃ واحدۃ ۔۷۔ (۲۳/۵۲) دوسری آیتوں میں بھی اس کی تائید ہے مثلاً ۲/۱۲۰ و ۴۲/۴۳ وغیرہ اور پھر اس کی مزید تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بابار تکرار سے مسلمانوں کو منفرق ہونے سے منع فرمایا۔ بموجب لاتفرقوا" ۴۲/۱۳-۳/۱۰۳، ۱۰۵، ۶/۱۵۹-۴۰/۳۱-۳۲ جس کی ۹/۳۶ بھی تائید کرتی ہے اور اگرچہ آیت نمبر ۴۹/۱۳ جس میں یاایھاالناس" یعنی اے انسانوں "شعوبا" یعنی لوگوں یا قوموں اور قبائلا" یعنی قبیلوں میں تقسیم کا ذکر ہے۔ لیکن نہایت غور طلب اہم اور معنی خیز بات یہ ہے کہ جن آیتوں میں ایمان والوں/مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے ان میں ایسی کوئی تقسیم یا تفرق کا ذکر نہیں بلکہ مزید یہ کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کہا گیا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اللہ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت کی جائے نہ کہ جس کی چاہا کرلی اور جو چاہا چھوڑ دیا تو اس لئے "تفرقہ نہ کرو" کے احکام الٰہی کے بعد امت کو گروہوں یا فرقوں۔ یا پارٹیوں یا قومیتوں یا قوموں میں تقسیم کرنا صریحاً اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

رسولؐ کی گواہی

اللہ تعالیٰ کے الہام اور قرآنی ہدایات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر کاملاً نافذ کیا۔

(۱) ابلاغ ۔ اقوال

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (الف) مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ (ب) جس کسی نے بالشت بھر بھی جماعت (امت) سے علیحدگی اختیار کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (ج) میری امت ہلاک نہ ہوگی۔ جب تک ان میں امتیازات کی گروہ بندی/پارٹی بازی نہ ہو جائے۔ (د) ایک دوسرے سے محبت مہربانی اور رحم کرنے میں گویا

ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب اس کا کوئی حصہ درد کرتا ہے تو تمام دیگر اعضا جاگ کر رات گزارتے ہیں اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

(ر) مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں جیسے عمارت کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کو اور ایک اینٹ سے دوسری اینٹ کو طاقت / تقویت ملتی رہے

(س) عربوں کو عجمیوں (غیر عربوں) پر کوئی فوقیت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ (ش) کوئی شخص مسلمان نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے مسلم بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

(۲) اعمال۔ رسولؐ کا عملی نفاذ

رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اہم مشن سرانجام دینے تھے۔ اولاً اسلام کی تبلیغ یعنی لوگوں کو بتانا (۳۰/۲۰) دوئم۔ اسلام کا قابلِ عمل ہونے کا عملی مظاہرہ کرنا (۱۰۶/۶) چنانچہ رسولؐ نے (الف) تمام تر مشاکل اور اذیتوں کے باوجود اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور آخری خطبہ میں لوگوں سے اس کی گواہی لی۔ اور

(ب) مسلمانوں کو ایک جنس والی ایک امت بنا دیا۔ نہ کہ بہت سی امتیں)

(ج) ایک واحد اسلامی اسٹیٹ / ملک کو قائم کیا (نہ کہ متعدد خود مختار ممالک) جس کی مندرجہ ذیل سے بھی تائید ہوتی ہے۔

(۱) میثاق / دستورِ مدینہ

اس دستور کے ذریعہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو جان مال اور عقیدہ کی امان دی گئی ہے۔ لیکن بہر حال اس دستور کی دفعات کے مطابق صرف محمدؐ (رسول اللہ) ہی واحد سربراہ تھے۔ یعنی اللہ کی حاکمیت کا نمائندہ ہے اور نظامِ حکومت ہرگز بھی الگ الگ آزاد حصوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا اس سلسلہ میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کی مدینہ ہجرت سے پہلے قبیلہ خزرج کا سردار عبداللہ بن ابی وہاں کی سرداری کا خواہشمند تھا اور حالات ایسے تھے کہ وہ وہاں کا بادشاہ بن جاتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد مملکت

یا انتظام کو تقسیم نہیں کیا گیا اور نہ ہی شرکت داری کی گئی بلکہ صرف رسول اللہ ہی واحد سربراہ ہوئے۔

(۲) صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ جو ایک طرف رسول اللہ بحیثیت سربراہ حکومت مدینہ اور دوسری طرف کفار مکہ کے درمیان طے ہوئی تھی کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا جو شخص مسلمان ہو کر اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ بھاگ آئے گا اسے واپس کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کی ہر شرط کی مکمل طور پر پابندی کی۔ (عتبی کی واپسی اس کی ایک مثال ہے) چنانچہ اس کے بعد (اس صلح کے دوران عمل) جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے۔ وہ سمندر کے کنارے جا کر آباد ہونے لگے جو ایک طرح کا غیر جانبدار علاقہ تھا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کی حدود سے باہر تھا۔ اور جہاں صلح حدیبیہ نافذ العمل نہیں تھی۔ لیکن ان آبادکاروں نے بھی وہاں کوئی علیحدہ آزاد ریاست نہیں بنائی۔ اور نہ ہی کوئی علیحدہ سربراہ بنایا۔

(۳) دوسرے علاقے جہاں کے بادشاہ مسلمان ہو گئے

نہ دوسرے علاقے جن کے بادشاہ یا سربراہ مسلمان ہوتے خود بخود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی اسٹیٹ کے دائرۂ اختیار میں آجاتے تھے یعنی اس سے خارج شمار نہیں ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائلی امتیازات عصبیتیں اور پارٹی بندی کو ختم کر دیا۔ اور مسلمانوں کی ایک ہم جنس وحدت بنادی، مزید یہ کہ ان کی ذات میں قیصر و پوپ (یعنی سربراہی ریاست اور دینی قیادت) متحد ہو گئیں لیکن یہ قیصری اپنی ذات کی نہیں بلکہ حاکم اعلیٰ اللہ کے احکام کے نفاذ کے لئے تھی اور اس دینی قیادت میں کوئی کبریائی کا زعم نہیں تھا۔ انہوں نے امت میں مکمل مساوات کی بنیاد پر ایک محکم اسلامی برادری قائم کی ان لوگوں میں جو اس سے

پہلے ایک دوسرے سے لڑنے والے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ سے پیشتر جزیرہ نما عرب میں سیاسی افتراق اور باہمی نزاعات کا دور دورہ تھا اور مرکزیت کو تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔

رسول اللہ کے بعد

اسلام قطعی طور پر اور لازمی طور پر "اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول" (۳۲/۳۱) ہے۔ رسول اللہ کی وفات سے پہلے یہ بات عملی طور پر قائم ہو چکی تھی کہ امت ناقابل تقسیم ہے اور اسلامی اسٹیٹ بھی اور دونوں کو انھیں میں سے "اولی الامر" کے تحت متحد ہونا چاہیئے۔ اور یہ دونوں باتیں اللہ کے احکام اور رسول کے عملی نفاذ سے ثابت ہیں۔ چنانچہ جب رسول کی وفات کے بعد انصار میں سے بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ "ایک سربراہ آپ میں سے اور ایک ہم میں سے ہو" تو اس کو نہ قبول کیا گیا اور نہ اس پر عمل ہوا بلکہ جونہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز کیا کہ ان کی بیعت کی تو الگ بیعت کرنے والے شخص خود انصار کے امیدوار ابو عبیدہ ہی تھے۔ یہاں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے عرب کبھی بھی ایک مرکزی حکومت کے ماتحت نہیں تھے۔ بلکہ ہر قبیلہ کا الگ سردار ہوتا تھا لیکن اس رائج طریقہ کے مقابلہ میں انھوں نے اللہ کے احکام اور اسلام کے لزومات کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر لیا اور متعدد قبائلی سرداروں کے بجائے ایک مرکز کو قبول کر لیا۔"

مذکورہ بالا مضمون میں جناب پروفیسر اے۔ آر۔ شاہین صاحب نے جس خوبی اور اختصار سے امت واحدہ کے قرآنی تصور پر روشنی ڈالی ہے اس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس تصور کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ موجودہ اسلامی ممالک کے سربراہان مملکت اپنے اختیارات و اقتدار سے سبکدوش ہو کر تمام اسلامی ممالک کی قیادت کسی فرد واحد کو سپرد کرنے پر تیار ہو جائیں گے؟ کیا اس دور میں تمام مسلمانان عالم ایک مرکزی حکومت سے منسلک ہو سکتے ہیں جس کا سربراہ اگر کسی کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دے

تو اس عہدہ دار کو اس حکم کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہ ہو خواہ وہ اپنے حلقہ میں کتنا ہی مقبول اور باثر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا تھا؟ ان سوالات کے پیش نظر ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ امت واحدہ کے قرآنی تصور کا اس دور میں عملی جامہ پہننا بہت مشکل ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل اگر مشکل ہے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش کو ترک کر دیا جائے۔ ہمارے خیال سے کوئی مسلمان بھی اس قسم کے استدلال سے متفق نہ ہوگا۔ لہٰذا امت واحدہ کے قرآنی تصور کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اب رہا اس کوشش میں کامیابی پانا کا مجسے کا سوال تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

گو کہ ادارہ اتحاد امت کے منشور میں اس مقصد کا حصول بظاہر شامل نہیں ہے۔ لیکن اگر شعبۂ دفاع میں عالم اسلام کی ایک مرکزی قیادت قائم ہو جاتی ہے جس کے لئے یہ ادارہ کوشاں ہے اور وہ قیادت مطلوبہ مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوتی ہے تو ان اسلامی ممالک کو اپنے دیگر شعبہ ہائے مملکت کو بھی اس قیادت کے سپرد کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا اور اس طرح بتدریج تمام اسلامی ممالک کا ایک ایسا وفاق عمل میں آ سکتا ہے جو تمام مسلمانان عالم کو ایک مرکز سے منسلک کر کے امت واحدہ میں تبدیل کر دے۔ لہٰذا ہمیں قوی امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ ہماری یہ تحریک امت واحدہ کے قرآنی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں بھی ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کرے گی۔

قیادت کا انتخاب

ادارہ اتحاد امت کے منشور کے مطابق قیادت کا انتخاب ادارہ کے بنیادی اراکین کثرت رائے

کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ فی الحال ان کی تعداد ۲۲ ہے اور یہ تعداد
اتنی بڑھائی جا سکتی ہے کہ تمام اسلامی ممالک کو اس کی آبادی کے
تناسب سے ادارہ میں نمائندگی حاصل ہو جائے۔ یہ بنیادی اراکین ادارے
کے صدر یعنی امیر، دیگر عہدیداران اور مجلس عاملہ کا ایک متعین مدت
کے لئے انتخاب کریں گے۔ مجلس عاملہ ہی ادارے کے کاروبار کو چلانے کی
ذمہ دار ہوگی۔ کسی بھی مسئلہ کے سلسلے میں مجلس عاملہ کثرت رائے سے جو فیصلہ
کرے گی اسکو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری صدر کی ہوگی۔ اور صدر کو
ایک خصوصی رعایت یہ حاصل ہوگی کہ وہ ایسے زیر بحث معاملات میں جن
میں مجلس عاملہ کے ممبران کی موافقت و مخالفت میں رائے کے
ووٹ برابر ہوں تو صدر اس صورت میں اپنا ایک مزید ووٹ اس مسئلہ کی
موافقت یا مخالفت میں دے کر اس مسئلہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس سلسلے
میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ادارہ کا رجسٹرڈ منشور ملاحظہ فرمائیں
اس ادارہ کو سوسائیٹیز رجسٹریشن ایکٹ (۲۱) ۱۸۶۰ء کے تحت مورخہ ۱۵ ار
جون ۱۹۸۱ء کو حکومت پاکستان کے متعلقہ محکمہ نے رجسٹر کیا ہے
اور اس کا رجسٹریشن نمبر ۹۶۴/۶ کراچی ہے۔

ایران اور عراق جنگ

اگر مسلمانوں کی مرکزی قیادت قائم ہوتی اور امت واحدہ کا قرآنی تصور
عملی صورت میں نافذ ہو جاتا تو اول تو عراق اور ایران کے مابین
کوئی تنازعہ ہی پیدا نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو اس کا فیصلہ فوراً
ہو جاتا کیونکہ فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے جس قوت کی ضرورت
ہوتی ہے وہ مرکز کو حاصل ہوتی۔ بہرحال ایران اور عراق جنگ
کے سلسلے میں اسلامی امن امہ کمیٹی اور اسلامی ممالک کے چند
سربراہان مملکت نے جو کوشش کی ہے اس کی ناکامی کی

وجہ بھی یہی ہے کہ اُن کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے جس قوّت کی ضرورت تھی وہ اس سے محروم تھے۔ دونوں فریقین یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس جنگ سے نہ صرف اُن کو بلکہ تمام عالم اسلام کو سخت نقصان ہو رہا ہے۔ اور اس خانہ جنگی سے دشمنانِ اسلام فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کا خون اور اُن کا سیّال سونا خلیج فارس کی سطح پر پانی کی طرح بہہ رہا ہے دشمنانِ اسلام خصوصاً یہودی خوش ہیں کہ مسلمان آپس میں لڑ کر کمزور ہو رہے ہیں۔ اس جنگ سے اُن کے عزائم بھی پورے ہو رہے ہیں اور اسلحہ کی تجارت بھی چمک رہی ہے۔

سعودی حکومت بھی ایرانیوں کو مسلمان سمجھتی ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہر سال بے شمار ایرانی حرمین شریف جاکر فریضۂ حج ادا کرتے ہیں اگر سعودی حکومت ان کو غیر مسلم سمجھتی تو اُن کو حدودِ حرم میں داخل ہونے کی ہرگز اجازت نہ دیتی۔ کیونکہ وہاں کے قانون اور شریعت کے مطابق حدودِ حرم میں کوئی غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا سعودی حکومت کبھی یہ نہیں چاہے گی کہ دو مسلم ممالک آپس میں نبرد آزما ہو کر مسلمانوں کی مشترکہ قوت کو اتنا کمزور کر دیں کہ یہودی قبلہ اوّل پر قبضہ کرنے کے بعد قبلۂ دوم کی جانب باآسانی رُخ کر سکیں جس کا حصول ان کے عزائم کا ایک اہم جزو ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اُن کے پروتو کال کی رو سے جو کتابی صورت میں بہت پہلے شائع ہو چکا ہے وہ تمام اسلامی ممالک کو اپنا غلام بنا کر ساری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان کا یہ خواب تو شاید شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے لیکن اسلامی دنیا پر تو ان کو اتنی برتری

حاصل ہو چکی ہے کہ مٹھی بھر ہونے کے باوجود مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے خلاف وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور تمام اسلامی ممالک نہ اُن کو اُن مظالم سے روک سکتے ہیں اور نہ اس فتنے کا خاتمہ کر سکتے ہیں کیونکہ ان کو دنیا کی بڑی طاقتوں کی سرپرستی و پشت پناہی حاصل ہے اور ہم اتحاد نہ ہونے اور خانہ جنگی کی باعث روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ایران اور عراق جنگ کے سلسلہ میں جب اسلامی امن امۃ کمیٹی اور اسلامی ممالک کے سربراہان مملکت بھی فریقین کے مابین صلح نہ کروا سکے تو ہماری کیا باط ہے کہ اس کام کو انجام دے سکیں۔ ویسے بھی نقارہ خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے لیکن چونکہ ہمارا مقصد حیات امت مسلمہ میں اتحاد کروانا اور دشمنانِ اسلام سے اپنا دفاع کرنے کے لئے مسلمانانِ عالم کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ لہٰذا ہم ایران اور عراق کے تنازعہ سے غیر متعلق نہیں رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم اُن کے مابین صلح کروانے کے سلسلہ میں اپنی تجاویز کو پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں خواہ اس کو کوئی سنے یا نہ سنے اور فریقین اس کو مانیں یا نہ مانیں۔

اس سلسلہ میں عرب نیوز کے ایڈیٹر انچیف جناب خالد عبدالرحیم المعینا کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے مورخہ ۱۳ اگست کو فرمایا۔ "اب ہم خدا سے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ ایران اپنا مؤقف تبدیل کرے۔ اس سلسلہ میں عراق کا رویہ بڑا لچکدار رہا ہے"[1] اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی

---

[1] روزنامہ جنگ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء صفحہ ۲۴

ہے کہ مصالحت کی جواب تک کوششیں کی گئی ہیں وہ بار آور ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ ہم اُن کی وجوہ کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے بلکہ اس مسئلہ پر دینی نکتۂ نگاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

دین میں اختلاف کے رفع کا اصول

اس قسم کے مسائل میں شریعت نے اختلاف کو دور کرنے کا ایک قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:۔

"پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے خدا اور اُس کے رسول کے سپرد کر دو"

تو ہم کو بھی اس اصول اور حکم خداوندی کے تحت ایران اور عراق کے اس تنازعہ کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دینا چاہیئے یعنی اُن کے احکامات کی روشنی میں طے کرنا چاہیئے۔

ہماری تجویز

کسی متنازعہ امر کو کتاب و سنت کی روشنی میں طے کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو ایسے علمائے حق کے ذریعہ طے کروایا جائے جو کہ کتاب و سنت پر مکمل عبور بھی حاصل ہو اور جن پر دونوں فریقین کو اعتماد بھی ہو۔ نیز وہ علمائے حق عقائد کے تعصبات اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر ازروئے انصاف اِس مسئلہ میں فریقین کو سننے کے بعد اپنا فیصلہ صادر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ نحل میں ارشاد فرماتا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے اور احسان کرنے کا سب کے ساتھ"

لہذا ہماری تجویز یہ ہے کہ عالم اسلام سے ایسے علمائے حق کا انتخاب کیا جائے جن کا ایران اور عراق سے تعلق نہ ہو اور ان علمائے حق میں شیعہ اور سنی علماء کی تعداد مساوی ہو۔ اس علماء کی عدالت کے صدر کو یہ تمام علماء مل کر منتخب کریں۔ جس کے دو ووٹ ہوں تاکہ مخالفت اور موافقت میں علما کی تعداد برابر ہو تو صدر اپنا ایک مزید ووٹ استعمال کر کے فیصلے کو آخری اور قطعی شکل دے سکے۔ اور یہ شرعی عدالت جو فیصلہ صادر کرے اس کو تمام اسلامی ممالک مل کر نافذ کریں۔ کیونکہ علمائے حق کا یہ فیصلہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے مترادف ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جو قاعدہ اختلاف کو دور کرنے کا مقرر کیا ہے اس کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ عمل نہ صرف رضائے الٰہی کا باعث ہوگا بلکہ اللہ کی مدد بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے شامل حال رہے گی۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اگر دونوں فریقین دل سے ہماری اس تجویز کو قبول کر لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس تنازعہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے اور دو برادر اسلامی ممالک میں یہ طویل جنگ جو تمام مسلمانانِ عالم کے لیے سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہے ختم ہو سکتی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور مصالحت کی کوشش کو جاری رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حدیثِ نبوی کی رو سے دو جماعتوں میں صلح کروانے کا عمل، روزہ، نماز اور صدقات سے افضل ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فریقین اور تمام اسلامی ممالک کو اس سلسلے میں شریعت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس سلسلے میں اگر فریقین ادارہ اتحاد امت کو جو ایک غیر جانب دار ادارہ ہے کسی قابل سمجھیں۔ تو وہ ہر قسم کی خدمات انجام دینے کے لئے تیار ہے۔

اب ہم ذیل میں چند مضامین پیش کرتے ہیں جو رسالہ "ندائے اسلام" شائع کردہ وزارت ارشاد اسلامی تہران کے ماہِ جولائی ۱۹۸۳ئہ کے اور رسالہ "وحدت اسلامی شائع کردہ سفارت خانہ، اسلامی جمہوریہ ایران کے ماہِ مارچ ۱۹۸۳ئہ کے شماروں میں شائع ہوئے ہیں۔ جو ایران عراق جنگ، شیعہ اور سُنی اتحاد، انقلاب اسلامی ایران کے اثرات اور اس کے خلاف دشمنانِ اسلام کے غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے پر وضاحت سے روشنی ڈالتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ ان کے مطالعے سے انشاءاللہ تعالیٰ مسلمانان عالمِ اسلام میں وہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ جو ایران کے خلاف دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے اذہان میں پیدا کر دیئے ہیں اور جن کا دور ہونا اتحاد بین المسلمین کیلئے اشد ضروری ہے۔ ہم نہ صرف شیعہ اور سنی میں اتحاد کے خواہاں ہیں بلکہ تمام اسلامی فرقوں اور مختلف العقائد جماعتوں میں اتحاد و بھائی چارے کی فضا کو سازگار بنانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی اسلامی فرقے کے خلاف اگر دشمنانِ اسلام غلط پراپیگنڈہ کریں تو اس کا رد کیا جائے اور مسلمانوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ دشمنانِ اسلام اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہو سکیں اور وہ اپنے مفادات کی خاطر مسلمانوں کے مابین جو تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا تدارک ہو سکے۔

سب سے پہلے ہم سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک سینئر ایڈووکیٹ جناب محمد اسمٰعیل چوہدری صاحب کا ایک انٹرویو شکریہ رسالہ "ندائے اسلام" پیش کرتے ہیں جو انقلاب اسلامی ایران کے ہر پہلو پر نہایت اختصار اور خوبی سے روشنی ڈالتا ہے اور جس کے لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موصوف نے نہایت خوبصورتی سے دریا کوزہ میں بھر دیا ہے۔

ایران میں حقیقی اسلامی نظام نافذ کیا جا رہا ہے
شیعہ اور سنی کا مسئلہ ختم کر دیا گیا ہے

جناب محمد اسمٰعیل چوہدری سینئر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے دورہ

ایران کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا: اسلامی انقلاب کے بعد جہاں ملک کے عوام میں زبردست ذہنی انقلاب آیا ہے وہاں صحیح معنوں میں آزاد اور اسلامی خارجہ پالیسی اختیار کر کے ایران کی حکومت فلسطین اور افغانستان کے مظلوم، مسلمانوں کی امداد کا حق ادا کر رہی ہے۔ دوسری طرف بیشتر اسلامی ملک اس سلسلے میں اپنے فرض اور ذمہ داریوں سے غافل اور مغربی طاقتوں کی عالمی مصلحتوں کے تابع دکھائی دیتے ہیں۔

محمد اسمٰعیل چودھری صاحب سے پوچھا گیا کہ آیا وہ ایران جانے سے پہلے بھی آیت اللہ خمینی کے انقلاب سے متاثر تھے۔ یا ایران جا کر ہی وہاں کے حالات سے متاثر ہوئے ہیں اور انقلاب کے مداح بنے؟

چودھری صاحب نے جواب دیا "یہ درست ہے کہ جون ۱۹۸۲ء میں تہران جانے سے پہلے اخبارات اور دوسرے ذرائع سے ایران کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ اور اس سلسلے میں میری ایک رائے بن چکی تھی لیکن میں نے ایران پہنچ کر اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اس نے مجھے یہ احساس دلایا کہ ایران آنے سے پہلے انقلاب کے بارے میں میری رائے بڑی کمزور تھی، ایرانی لیڈروں سے مل کر ان کا طرزِ زندگی اور ایرانی مردوں اور عورتوں میں انقلاب دیکھ کر میرا نظریہ اور پختہ ہو گیا کہ ایران میں واقعی ایک مثالی انقلاب آیا ہے۔ انقلاب اسی کو کہتے ہیں جو انسانوں کی سوچ اور کردار کو بدل کر رکھ دے اور ایران میں واقعی لوگوں کے فکر و عمل میں انقلاب آیا ہے۔ میں نے جن ایرانیوں سے ملاقات کی انہوں نے مجھ سے کہا، ہمیں صحیح آزادی اب ملی ہے، پہلے تو ہم شہنشاہ کے غلام اور مجبورِ محض تھے اور دل کی بات کر ہی نہیں سکتے تھے"۔

مخالفین کا قتل جب ایران میں سیاسی مخالفین کے "قتلِ عام" کی خبروں کی طرف توجہ دلائی گئی تو چودھری صاحب نے انھیں مبالغہ آمیز قرار دیتے ہوئے یہ یاد دلایا کہ آج سے ۲۰۶ سال سے پہلے امریکہ میں جو انقلاب

زیادہ جارج واشنگٹن کی قیادت میں فوج کی مدد سے آیا اور امریکہ کے اس انقلاب میں چھیانوے ہزار افراد مارے گئے تھے۔ انقلاب فرانس میں ڈیڑھ لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے اور ۱۹۱۸ء کے انقلاب روس ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۰ء تک ایک کروڑ تیس لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار اگیا۔ اب ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ ایران میں ساڑھے تین ہزار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ کہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے مختلف جرائم کئے۔ ان کے کیس شہادتوں کے ساتھ اسلامی عدالتوں میں پیش ہوئے ملزموں کی اکثریت نے اپنے جرائم کا اعتراف کیا جس پر انھیں سزائیں دی گئیں۔ عدالتی کاروائی چار چار چھ چھ مہینے چلی۔ پھر فیصلے چند دنوں میں سنا دیئے گئے۔ اتنے قلیل عرصے میں انصاف کے تقاضے پورے ہونے پر ایران کے نظام عدل کی تعریف کرنی چاہیئے، نہ کہ مذمت۔

ایران کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسعود رجوی اور بنی صدر کے بارہ تیرہ ہزار آدمیوں کو مار دیا گیا۔ یہ اعداد و شمار مبالغہ آمیز ہیں اگر انھیں درست مان ہی لیا جائے تو ان لوگوں کا مارا جانا اس لئے ناجائز نہیں تھا کہ وہ روس اور امریکہ کی شہہ پر مذموم کاروائیاں کرتے رہے۔ مسعود رجوی روس کا پٹھو تھا اور اس بڑی طاقت کے ایماء پر وہ ملک میں مسلح بغاوت پھیلا رہا تھا۔ ایسی مسلح بغاوت کی صورت میں ہر مہذب ملک یا حکومت کو اختیار رہتا ہے کہ وہ باغیوں کو بزور شمشیر کچل دے۔ باغیوں کو ختم کرنا کسی بھی قانون کی رو سے کوئی جرم نہیں۔ مسعود رجوی کی پارٹی نے وزیر اعظم رجائی اور صدر جواد باہنر کو بم سے اڑا دیا جس سے پارٹی کے صدر آیت اللہ بہشتی اور اکہتر دوسرے لیڈر شہید ہو گئے۔ شہید ہونے والے ملت ایران کے گل سرسبز تھے۔ اس پارٹی نے بعد میں ملوں مکانوں اور فیکٹریوں کو بموں سے اڑانا شروع کیا۔ اب اسلامی انقلابیوں نے ان تخریب کاروں کو پکڑ پکڑ کر ٹھکانے لگایا۔ انھوں نے فتنہ کو دبانے کے لئے قرآن حکیم کے ارشاد پر عمل کیا۔

انتخابات ایک سوال کے جواب میں محمد اسمٰعیل چوہدری صاحب نے بتایا کہ ایران میں ہر شخص کو پر امن طور پر اپنا عقیدہ رکھنے اور تبلیغ کرنے کی بھی اجازت ہے لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنا عقیدہ اسلامی عقیدے پر مسلط کرے اور اسلامی انقلاب کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے۔ تو ان لوگوں کو قتل کرنا عین اسلام اور جائز ہے۔

انقلاب کے بعد ایران میں ہونے والے انتخابات کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں چوہدری صاحب نے بتایا کہ یہ انتخابات صحیح معنوں میں منصفانہ تھے اور دنیا کا کوئی صحافی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان انتخابات میں کوئی بے ایمانی یا دھاندلی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام خمینی ایرانیوں کے محبوب رہنما ہیں حکومت کو عوام کی مکمل حمایت حاصل ہے جس کی بدولت حکومت ایران کو اسلام کے منافقین اور سامراجی طاقتوں کے خلاف کامیابی ہوئی۔ ان انتخابات میں سب پارٹیوں کو اپنے امیدوار کھڑے کرنے کی پوری اجازت تھی حتیٰ کہ کمیونسٹ نواز تودہ پارٹی پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔

ایران عراق جنگ کے بارے میں ایک سوال پر جناب محمد اسمٰعیل چوہدری نے دعوی کیا کہ امۃ امن کمیٹی نے اس جنگ میں صحیح رول ادا نہیں کیا۔ صحیح کردار کی صورت میں جنگ بندی ہو جاتی۔ قرآن میں صحیح کردار کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تیسرا گروہ آپس میں مصالحت کرانے کے لئے پہلے تو حملہ آور کی نشاندہی کرے گا۔ پھر وہ فریقین سے جنگ بند کر دینے کے لئے کہے گا۔ جنگ بند نہ ہونے کی صورت میں وہ جارحیت کا نشانہ بننے والے گروہ کی حمایت کرے گا۔

اُمۃ کمیٹی نے قرآن حکیم کی ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے جارح کی نشاندہی نہیں کی اور مغربی ڈپلومیسی پر عمل کرتے ہوئے صرف جنگ بندی پر ہی زور دینا کافی خیال کیا۔ یہی کردار اقوام متحدہ نے ادا کیا۔ اس نے عراق اور ایران سے جنگ بند

کم دینے کی اپیل تو کی لیکن عراق کو حملہ آور قرار نہیں دیا. قاتل کو قاتل کہنے سے ہی مقتول پارٹی کی تشفی ہو سکتی ہے. دراصل عراق ان سامراجی طاقتوں کا مہرہ بنا ہوا ہے جنھیں یہ ڈر تھا کہ انھیں ایران کا اسلامی انقلاب نگل جائے گا. چنانچہ انھوں نے عراق سے ایران پر حملہ کرادیا. لیکن جذبۂ جہاد سے سرشار اور جہاد کی راہ میں شہادت کے متلاشی ساڑھے تین کروڑ ایرانی مجاہدین نے حملے کو پسپا کر دیا. بہرحال سازشیوں کو بہت جلد یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ عراق حملہ آور ہے. اس کے بعد ہی جنگ بندی کی صورت نکل سکے گی. اور اس صورت میں ایرانی حکومت کسی پس و پیش کے بغیر جنگ بند کر دے گی.[1]

اسرائیل کا مخالف

رفتار جنگ اور فریقین کی موجودہ پوزیشن کے بارے میں ایک سوال پر محمد اسمٰعیل چودھری نے بتایا کہ اس وقت ایران کے کچھ حصے پر عراق اور کچھ عراقی علاقے پر ایران قابض ہے. عراق کو روس امریکہ، اور اسرائیل دھڑا دھڑ اسلحہ دے رہے ہیں جبکہ ایران کو کھلی مارکیٹ سے مہنگے داموں اسلحہ خریدنا پڑتا ہے. مغربی پریس اور عراق نے یہ پراپیگنڈہ بھی کیا کہ ایران اسرائیل سے اسلحہ لے رہا ہے. یہ سراسر جھوٹ ہے. ایران

---

[1] جنگ بند کرنے کے سلسلے میں ایران کی تین شرائط ہیں. (۱) غیر مشروط طور پر ایران کے تمام علاقوں سے عراقی فوج کا انخلاء (۲) جنگ کے تاوان کی ادائیگی اور (۳) جارح کے خلاف عدالتی کارروائی. تاکہ آئندہ کسی طالع آزما حکمران کو کسی ملک پر حملہ کی جرأت نہ ہو (جس طرح جارح جرمنی کے حکمران ٹولے پر جنگ عظیم دوم کے بعد مقدمات چلا کر سزا دی گئی تھی)، ہماری تجویز کردہ شرعی عدالت کو سب سے پہلے حملہ آور (جارح) کی نشاندہی کرنا ہوگی اور پھر فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس جارح کے خلاف کیا کارروائی کی جائے. بعدہٗ یہ فیصلہ مسلمانانِ عالم کی مشترکہ قوت کے ذریعے نافذ العمل ہوگا جو عین شریعت کے مطابق ہے.

واحد اسلامی ملک ہے جو صحیح معنوں میں اسرائیل کا مخالف ہے۔ دوسرے اسلامی ملکوں میں اکثریت جعلی طور پر اسرائیل کی مخالفت کر رہی ہے۔ بیشتر اسلامی ممالک کسی نہ کسی طریقے سے امریکہ کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایران نے جنرل اسمبلی میں اسرائیل کو اقوام متحدہ سے خارج کرنے کی قرارداد پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اسرائیل کا صحیح معنوں میں مخالف ہے مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک اور عرب ملکوں نے قرارداد کی مخالفت کی اور ایران کو صرف ۹ ووٹ مل سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی اسلامی ملکوں کے ووٹ کہاں گئے۔؟ کون نہیں جانتا کہ امام خمینی نے سات ہزار ایرانی مجاہدین بھی فلسطینیوں کی مدد کے لئے بھیجے کیا کسی دوسرے اسلامی مملک نے اپنے چند سپاہی بھی لبنان بھیجے؟

امام خمینی کے بعد جب یہ پوچھا گیا کہ امام خمینی کے بعد ایران میں انقلاب کا انجام کیا ہوگا؟ تو چوہدری صاحب نے کہا: امام خمینی بلاشبہ ایران میں اسلامی انقلاب کے بانی ہیں اور ان کے کردار وبصیرت ہی نے انقلاب کو پروان چڑھایا۔ لیکن ایران میں اب کئی "منی خمینی" پیدا ہو چکے ہیں۔ ہر آدمی کی طرح امام خمینی کو بھی ایک نہ ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے لیکن ایران میں لیڈرشپ کا جو کیڈر پیدا ہو چکا ہے وہ امام خمینی کے خلا کو پر ضرور کر دے گا اور انقلاب کو مستحکم کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران میں ایک باشعور اسلامی انقلاب آیا ہے، اب وہاں کروڑوں ڈالر سالانہ کے بجٹ سے اسلامی انقلاب اسلامی تعلیمات، اور قرآنی احکامات کو پھیلانے کے لئے بھاری رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ شعور اور تربیت سے بہت سے لوگ اسلام کے گرویدہ ہو چکے ہیں۔ انقلاب کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے اسلام سے سچی لگن رکھنے والے رہنماؤں کا گروہ موجود ہے یہ لوگ اسلامی جمہوری پارٹی اور مجلس میں بھاری اکثریت میں ہیں۔ ایرانی علماء کرام اپنے افکار، عمل اور قربانیوں سے جو انقلاب لائے ہیں اس سے یہ ثابت

ہوگیا ہے کہ وہ عالم باعمل اور سچے انقلابی ہیں۔ دوسری طرف بیشتر دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء اپنے حکمرانوں کے سامنے جھکے ہوئے ہیں چنانچہ انہیں کلمۂ حق کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ادھر جہاں ایرانی علماء کا نعرہ "منزل یا شہادت" ہے وہاں دوسرے مسلمان ملکوں میں علماء کی منزل بلڈنگ اور دوسری املاک ہیں۔ جب تک دوسرے ملکوں میں بھی مخلص علماء سامنے نہیں آئیں گے وہاں انقلاب کبھی نہیں آسکے گا۔

شیعہ سنی

چودھری صاحب کو یاد دلایا گیا کہ شاہ کے زمانے میں تہران میں سنی مسلمانوں کی ایک مسجد ہوا کرتی تھی اور انھیں مزید مسجد بنانے کی اجازت نہیں تھی چودھری صاحب نے جواب دیا۔ اب سنی مسلمان جگہ جگہ مسجدیں بنا رہے ہیں شیعہ سنی کا سوال ختم ہوتا جارہا ہے۔ شیعہ مسلمان سنیوں کے پیچھے اور سنی مسلمان شیعوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کولمبو میں پچھلے ماہ میری ملاقات ایرانی مجلس (پارلیمنٹ) کے رکن مولوی حامد سے ہوئی جو سنی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اب ایران میں شیعہ سنی کی تفریق ختم ہو چکی ہے۔ اسلامی انقلاب ایران میں سنی مسلمانوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ میرے قیام ایران کے دوران کردستان سے سنی علماء کا وفد آیا جس نے مغربی پریس کے اس پروپیگنڈے کی تردید کی کہ کردستان میں سنی مسلمانوں کو کچلا جارہا ہے۔ وفد کے قائد نے بتایا کہ کردستان میں شیعہ سنی کا کوئی مسئلہ نہیں البتہ روس کے گماشتے سبوتاژ کی کارروائیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

چودھری صاحب نے بتایا کہ ایران کے انقلاب میں بیرونی ممالک سے فارغ التحصیل ہوکر واپس آنے والے پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر اور انجینیئر بھی امام خمینی کی قیادت میں کام کر رہے تھے۔ ایران کی فارن سروس میں بھی کام کرنے والے مجاہد ہیں۔ پاکستان میں ایرانی سفیر مرد درویش ہیں۔ ایرانی مدبر جدید ڈپلومیسی کے تقاضے جانتے ہیں لیکن جھوٹ نہیں بولتے۔ شہنشاہ کے زمانہ میں رشوت کے بغیر کسی محکمے سے کوئی کام نہیں کرایا جاسکتا تھا۔ اب رشوت ختم ہوگئی ہے۔ اور افسر اپنے آپکو عوام کا خادم سمجھتے ہیں۔

پاکستان کی تحریک سے ولولہ

محمد اسمٰعیل چودھری صاحب نے ایک سوال پر بتایا کہ ایرانی قیادت کی رائے یہ تھی کہ پاکستانی عوام کی بھاری اکثریت صحیح اسلامی نظام چاہتی ہے جس کے لئے عوام نے تحریکیں چلائیں۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں جو تحریک چلی اس سے ایران کے علماء نے بھی رہنمائی اور ولولہ حاصل کیا۔ اگر پاکستان میں اسلامی نظام سے چلنے والی تحریک ناکام اور ایرانی تحریک کامیاب ہوگئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران میں پرخلوص اور صاحب بصیرت لیڈر شپ موجود تھی اگر پاکستان میں بھی صحیح اسلامی نظام آجائے اور رہنما اسلام پر عمل پیرا ہونا ضروری خیال کریں تو اسلامی جمہوریہ ایران، پاکستان کو ہر قسم کی مادی و اخلاقی امداد دے گا۔

چوہدری صاحب نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں بھی اسلام کو بطور نظام زندگی اختیار کرنا ہوگا۔ آپ نے بتایا کہ ایران میں ہر شہری کی ضروریں پوری کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ معذور، بوڑھے بچے اور عورتیں اس لئے پریشان نہیں کہ اسٹیٹ نے ان کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر رکھی ہے۔ ایران کے لوگ خلافت راشدہ کو دوبارہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں جہاں کبھی شاہی محلات ہوا کرتے تھے وہاں سرکاری دفاتر عوام کے مسائل کو حل کرتے ہیں۔

ایسے خطوط بھی چھاپے گئے جن میں اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے کے منصوبوں کا ذکر تھا۔ میری یہ قطعی رائے ہے کہ ایرانی طلباء نے جاسوسی کے اڈے پر قبضہ کرکے مجاہدانہ کام کیا اور دنیا کی ایک سوپر طاقت کو ناکوں چنے چبوا دیئے جو بسری دنیا کا اور کوئی ملک نہیں کر سکتا تھا۔

غلط پروپیگنڈہ

چودھری صاحب نے بتایا کہ ایران میں انقلاب کے دو سال بعد تک مغربی اور یہودی پریس میں پہلے تو اسلامی انقلاب کو "شیعہ انقلاب" کا غلط نام دیا گیا۔ ایرانی رہنماؤں کا نعرہ یہ ہے کہ وہ نہ شیعہ ہیں نہ سنی بلکہ صرف مسلمان ہیں۔ انھوں نے یہ اپنے کردار سے ثابت کردیا ہے کہ ان کا انقلاب اسلامی ہے۔ چنانچہ افغانستان اور لبنان پر حملوں کے بعد

ایران نے ایک صحیح اسلامی ملک کا کردار پیش کیا۔ میں نے تہران میں بڑے بڑے پوسٹر دیکھے جن میں بریزنیف کو ٹینک میں بیٹھے ہوئے دکھایا گیا۔ اس کی ایک آنکھ نکلی ہوئی تھی اور پوسٹر کے نیچے "افغان مجاہد" لکھا ہوا تھا۔ ایران پندرہ لاکھ افغان مہاجرین اور مجاہدین کو ہر ممکن مدد اور سہولت دے رہا ہے۔ حال ہی میں ایران کے وزیر خارجہ نے پھر مطالبہ کیا ہے کہ افغانستان سے روسی فوجیں نکالی جائیں۔ اور وہاں مسلم ممالک کی فوجیں داخل کر کے انتخابات کرائے جائیں۔ ایرانیوں کا موقف یہ ہے کہ افغانیوں کو ایک فریق بنائے بغیر افغانستان کا کوئی تصفیہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ پچھلے دنوں روسی سفارت خانہ کے باہر لاکھوں ایرانیوں نے اتنا زبردست مظاہرہ کیا کہ پولیس اور فوج کے لئے مظاہرین کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ روسی حکومت نے اس مظاہرے پر حکومت ایران سے احتجاج کیا تو ایرانی حکومت نے روس کو یہ جواب دیا کہ مظاہرین کے جذبات مبنی برحق تھے۔ اور روس اپنی فوجیں افغانستان سے نکال لے۔ کسی دوسرے اسلامی ملک میں روس کے خلاف اتنا شدید مظاہرہ نہیں ہوسکتا۔

محمد اسمٰعیل چوہدری صاحب نے کہا کہ انقلاب ایران کے رہنماؤں نے الیکشن کے ذریعہ ہر اہم مسئلہ پر اپنے عوام کا اعتماد حاصل کیا ہے۔ مارچ ۱۹۷۹ء میں نئے دستور پر ریفرنڈم کرا کے ۲/ ۹۸ فیصد ووٹوں کی منظوری حاصل کی گئی۔ پھر صدارتی انتخابات مجلس کے الیکشن اور کئی ضمنی انتخابات کرائے گئے۔ حال ہی میں "کونسل آف لیڈرز" کا الیکشن ہوا ہے۔ ایران واحد اسلامی ملک ہے جہاں حکومت ہر قسم کے داخلی اور بیرونی خطرات کے باوجود الیکشن کراتی اور دستور کی پابندی کرتی ہے۔

چوہدری صاحب نے کہا کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی خارجہ پالیسی صحیح معنوں میں آزاد اور اسلامی خارجہ پالیسی ہے بیشتر اسلامی ممالک امریکہ یا روس کے خیمہ بردار بنے ہوئے ہیں اور اپنا تشخص کھو بیٹھے ہیں چنانچہ جب افغانستان پر روس نے اور لبنان پر اسرائیل نے حملہ کیا تو یہ اسلامی ممالک خاموش تماشائی بنے رہے۔ لیکن اسلامی جمہوریہ ایران ان فلسطینی اور افغان مجاہدین کی کھل کر مدد کرتا ہے۔ امام خمینی کیپٹلزم اور کمیونزم

کے بجائے عالم اسلام کو تیسری عالمی قوت دیکھنے کے متمنی ہیں انھوں نے کئی بار کہا کہ سپر طاقتیں امریکہ اور روس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سپر طاقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ کر مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنانا چاہیئے۔ چنانچہ حال ہی میں مسلمان اسکالروں کی جو کانفرنس کولمبو میں ہوئی۔ اس میں متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ اس وقت دنیائے اسلام کی رہنمائی کے قابل صرف امام خمینی ہیں کولمبو کانفرنس کے موقع پر ہمیں معلوم ہوا کہ امریکہ نے بارہ بلین ڈالر واگزار کرنے کا جو معاہدہ الجزائر میں کیا تھا وہ اس سے منحرف ہو گیا ہے۔ میں نے اس کیس کو لڑنے کے لئے اپنی خدمات حکومت ایران کو پیش کردی ہیں۔ امید ہے کہ دوسرے اسلامی ملکوں کے ممتاز وکلاء بھی اسلامی جمہوریہ ایران کے کیس کی وکالت کے لئے تیار ہوں گے۔

ایران جانے کا مقصد

جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ جون ۱۹۸۰ء میں آپ کے ایران جانے کا مقصد کیا تھا؟ تو چوہدری صاحب نے جواب دیا۔ میں تو ان رہنماؤں سے ملنا چاہتا تھا جنھوں نے زبردست عوامی تحریک چلا کر ایرانی شہنشاہیت اور اس کی پشت پناہ ماڈرن اور منظم فوج کو شکست دیدی میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فروری ۱۹۷۹ء میں آنے والے انقلاب کے بارے میں ایرانی عوام اب کیا محسوس کرتے ہیں؟ ملک میں کیا تبدیلیاں آگئی ہیں؟ اور انقلاب لانے کے بعد انقلابی رہنما سست پڑ گئے ہیں یا وہ انقلاب کو آگے بڑھا رہے ہیں! مجھے حکومتِ ایران نے نہیں بلایا تھا اور نہ ہی حکومت پاکستان نے مجھے ایران بھیجا تھا۔ میں اسلام اور اسلامی تحریکوں کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے ایران کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے تہران پہنچا تھا۔

تہران پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور جون میں بھی پہاڑ کی چوٹیوں پر برف نظر آرہی تھی۔ میں ہوٹل الزجبتھ میں ٹھہرا۔ اور انقلاب کے بارے میں اپنے تاثرات اخبارات میں دیئے۔ اخبارات میں میرا انٹرویو چھپتے ہی ہوٹل کا منیجر اور وزارت ارشاد اسلامی کے قریشی پہلوان میرے پاس پہنچے اور انھوں نے مجھے بتایا کہ آج سے میں

سرکاری مہمان ہوں اور ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں ٹھہروں گا۔ میں نے بڑا پس و پیش کیا لیکن انھوں نے کہا کہ یہ وزارت کا حکم ہے۔ آپ کو اب ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں ہی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے قیام کرنا ہوگا"۔ اس پر میں نئے ہوٹل میں چلا گیا۔

نماز جمعہ

اسی دوران جمعہ کا دن آگیا۔ نماز جمعہ کا انتظام تہران یونیورسٹی میں کیا گیا تھا۔ نمازیوں کی تعداد ساڑھے بارہ لاکھ کے لگ بھگ تھی جن میں دو لاکھ خواتین ہوں گی۔ عورتوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ موجودہ صدر اسلامی جمہوریہ ایران خامنہ ای امام جمعہ تھے انھوں نے بازو میں اسٹین گن لٹکا رکھی تھی۔ انھوں نے سوا گھنٹے کا پرجوش خطبہ دیا۔ مجھے فارسی زبان پر عبور نہیں لیکن اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ وہ لوگوں کو ایثار و قربانی و ایمانداری کا راستہ اختیار کرنے پر ابھار رہے تھے۔ اور انھیں یہ بتا رہے تھے کہ مسلمانوں کا مسلک جہاد ہے اس دوران میں نعرے وقفوں کے ساتھ بلند ہوتے رہے۔ اللہ اکبر۔ اللھم صلی علے محمد وآل محمد۔ خمینی رہبر۔ کوئی چوتھا نعرہ نہیں لگا۔ نعروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انقلاب کے رہنماؤں اور خاص طور پر بانی انقلاب اسلامی امام خمینی نے لوگوں کو خالص توحید کی طرف بلایا ہے۔ میں نے اپنے طریقے پر نماز پڑھی جس کے بعد میرے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ایرانیوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میرا منہ چوم لیا انھوں نے میرے لباس سے اندازہ لگا کر پوچھا۔ پاکستانی برادر؟ میں نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا کہ میں انقلاب ایران کا مطالعہ کرنے آیا ہوں۔ اس پر متعدد لوگ اکٹھے ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے ایران میں انقلاب کے جو اثرات دیکھے اور پاکستان میں مجھے جو اس کے اثرات نظر آئے وہ بیان کروں۔ پھر وہ مجھے یونیورسٹی گیٹ پر لے گئے جس کے سامنے شاہراہ انقلاب پر کسی زمانے میں شاہ ایران کی فوج اور پولیس نے توپیں اور مشین گنیں نصب کر رکھی تھیں جو عوام کے جلوسوں پر اندھا دھند فائرنگ کرتی تھیں۔ پھر ایک روز چار ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ان توپوں اور مشین گنوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں نے یہیں کھڑے ہو کر

ان کو بتایا کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ اسلام کی خاطر پاکستانی عوام نے بھرپور تحریکیں چلائیں اور زبردست قربانیاں دیں۔ لیکن ہمارے رہنماؤں نے عوام سے دھوکہ کیا۔ چونکہ ہمارے ہاں امام خمینی جیسا کوئی صاحب بصیرت اور بہادر لیڈر نہیں تھا اس لئے پاکستان میں حقیقی انقلاب برپا کرنے میں ناکام رہے۔ میں نے کہا کہ امام خمینی ملت اسلامیہ کو اکٹھا کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے اور انھوں نے اپنے عمل سے ساری دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ دنیا میں ایک ہی سپر پاور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کے سامنے روس اور امریکہ ہیچ ہیں۔ میری تقریر کے دوران اللہ اکبر اور خمینی رہبر کے نعرے بلند ہوتے رہے۔

محمد اسمٰعیل چودھری نے بتایا "تہران میں مجھے بتایا گیا کہ شہنشاہ کے وقت میں مسجدیں خالی ہوا کرتی تھیں لیکن اسلامی انقلاب کے بعد وہی ایرانی پکے مجاہد اور سچے مسلمان بن گئے۔ اب مسجدیں نمازیوں سے بھرنے لگیں چنانچہ نماز جمعہ کے وقت اب آٹھ آٹھ دس دس لاکھ کے اجتماع نظر آتے ہیں۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ ایران کے لیڈر خود اسلام کے پیروکار ہیں۔ تمام سرکاری محکموں کے سربراہ ارکان مجلس (پارلیمنٹ) اور صدر مملکت بھی امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ امام خمینی کی طرز رہائش نے لوگوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ انھوں نے ایک عام آدمی کا سا معیار زندگی اختیار کر رکھا ہے۔ جمران میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے ان کی رہائش گاہ ہیں۔

امام سے ملاقات

امام خمینی سے ملاقات کے لئے ۱۱ر جون کی تاریخ مقرر ہوئی ۱۱ر جون (۲۷ر رجب) حضور اکرم کا یوم بعثت تھا اس دن پورے ایران میں چھٹی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا پاکستان میں لوگوں کو یوم بعثت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں۔ ۱۱ر جون کو ہم جمران پہنچے جہاں مجاہدین کی سپاہ نے چیکنگ کر کے مجھے آگے بھیج دیا۔ وہاں حسینیہ وہ جگہ ہے جہاں امام خمینی آکر چبوترے پر سے خطاب کرتے ہیں۔ اس چبوترے کے پیچھے

دو کمرے ہیں جہاں امام خمینی رہتے ہیں۔ ان کے کمرے میں معمولی چٹائی بچھی ہوئی ہے۔ کچھ کتابیں اور بستر بھی ہے۔ یہ اس عظیم لیڈر کی رہائش گاہ ہے جس سے روس امریکہ اور اسرائیل تھرتھراتے ہیں۔ امام خمینی نے چبوترہ پر پہنچ کر اسلام علیکم کہا اور حمد وثنا کے بعد تقریر شروع کی جو سوا گھنٹہ جاری رہی۔ امام خمینی کی عمر اسی برس کے لگ بھگ ہے۔ امام خمینی نے اپنی تقریر میں (جس حد تک میں سمجھ سکا) یہ فرمایا کہ نزول قرآن سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خاموش تاجر تھے لیکن قرآن نازل ہونے کے بعد یہ خاموش انسان سراپا انقلاب بن گیا اور آپ نے ساری دنیا کو چیلنج کر دیا امام خمینی نے کہا۔ قرآن ہی مسلمانوں کو زندگی بخشتا ہے۔ اور انہیں انقلابی کردار ادا کرنے کے لئے تیار کرتا ہے۔ اگر مسلمان قرآن پڑھے لیکن اس کا کردار انقلابی نہ بنے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ قرآن پڑھا اور نہ اس پر عمل کیا جب امام خمینی تقریر کر رہے تھے تو ارد گرد ساری گلیاں اور سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بعد میں امام خمینی سے میری ملاقات کرائی گئی یہ ایک دو منٹ کی ملاقات تھی میں نے اسلامی دنیا کے مسائل اور ان کے حل کے لئے سترہ نکات مرتب کر رکھے تھے جنہیں میں نے امام کی خدمت میں پیش کیا انہیں امام نے سراہا۔

تودہ پارٹی کی ناکامی

اسمٰعیل چودہری صاحب نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے ایرانی لیڈروں سے سوال کیا کہ ایک زمانہ تھا جب ایران میں سب سے مضبوط تودہ پارٹی تھی جو ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ وہ کمیونسٹ تھی۔ ۱۹۷۰ء میں عام اندازہ کے مطابق اس پارٹی کو تیس چالیس فیصد ایرانیوں کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ تودہ پارٹی یا بائیں بازو کی کوئی دوسری پارٹی ایرانی پارلیمنٹ میں ایک آدمی بھی نہ بھیج سکی جبکہ مغربی پریس نے تسلیم کیا ہے کہ ایرانی مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوئے۔ ایرانی لیڈروں نے مجھے بتایا کہ اسلامی انقلاب کے لیڈروں نے

انتخابات کے فوراً بعد اور صدارتی و مجلس کے انتخابات سے پہلے اسلامی عدل اجتماعی کامیابی سے نافذ کیا۔ جس کے باعث انتخابات میں بائیں بازو کی کوئی پارٹی کسی اقتصادی نعرے کو ایکسپلائٹ نہ کر سکی۔ ایرانی لیڈروں نے بتایا کہ انقلاب سے پہلے شہنشاہ کے افرادِ خاندان اور اس کے ٹوڈی، یہ چند ہزار لوگ ملک کی نوے فیصد املاک کے مالک تھے۔ یہ لوگ انقلاب کے بعد ملک سے بھاگ گئے اس لئے انھیں "فرارین" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ ایئرپورٹ پر پکڑے گئے، انھیں جرائم کی سزائیں دی گئیں اور ان کی جائیداد پر قبضہ کر کے مستضعفین (محرومین) جو کہ ۷۵ لاکھ تھے میں تقسیم کر کے انہیں ملکیت کے حقوق دے دیئے گئے۔

شہنشاہ کے زمانے میں کم از کم تنخواہ آٹھ سو تومان (ایک تومان ہمارے ڈیڑھ روپے کے برابر ہوتا ہے) اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ ایک لاکھ تومان ہوا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ کار، بنگلہ، ڈرائیور، ٹیلیفون اور بجلی وغیرہ مفت مہیا کئے جاتے تھے۔ لیکن اسلامی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ تنخواہ بیس ہزار تومان مقرر کی گئی اڑھائی ہزار سے چار ہزار تومان تک تنخواہ لینے والوں کو سال میں تین بونس اور ایک ہزار سے چار ہزار تومان تنخواہ پر سال میں چار بونس دیئے جاتے ہیں۔ دس ہزار سے زائد تنخواہ پر کوئی بونس نہیں دیا جاتا۔

محنت کش علماء

چوہدری صاحب نے بتایا ہم نے ہوٹل میں ایک فلم دیکھی جس میں متعدد آیت اللہ عوام کے ساتھ مل کر گندم کاٹ رہے تھے۔ وہاں علماء صرف مساجد میں نماز ہی نہیں پڑھاتے بلکہ ہر کام میں قیادت بھی کرتے ہیں۔ انقلاب سے پہلے ایران صرف ضرورت کا چالیس فیصد اناج پیدا کرتا تھا اور ساٹھ فیصد اناج درآمد کیا جاتا تھا لیکن ایران اب خوراک کے معاملے میں مکمل طور پر خود کفیل ہو چکا ہے۔ کمیونسٹوں کے پاس غربت کو ایکسپلائٹ کرنے کے لئے اپیل ہوا کرتی ہے۔ اس اپیل کو انقلاب کے لیڈروں نے اپنے عدل اجتماعی کے اقدامات سے ختم کر دیا ہے چنانچہ بائیں بازو کا کوئی

امیدوار منتخب نہ ہو سکا۔ بائیں بازو کی سترہ پارٹیوں نے انتخاب میں حصہ لیا۔ امام خمینی کے صدارتی امیدوار کو گیارہ ملین ووٹ ملے۔ مجاہدین خلق کا مسعود رجوی خود صدارتی امیدوار تھا جسے صرف ساڑھے دس ہزار ووٹ ملے جبکہ صدارتی انتخابات میں ہارنے کے بعد مسعود رجوی مجلس کے انتخابات میں کھڑا ہو گیا جہاں ہارنے والے امیدواروں میں اس کا نمبر بلیسواں تھا۔ اتنی ذلت آمیز شکست مجلس کے کسی بھی امیدوار کو نہیں ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایران میں کمیونسٹوں اور ان کے حواریوں کو اب کوئی مقبولیت حاصل نہیں۔ حالانکہ اب وہ ۲۲ روزنامے اپنے نکال رہے ہیں۔ جن میں وہ نئے حکمرانوں پر کھل کر تنقید کرتے رہے مسعود رجوی کی پارٹی "مجاہدین خلق" نے نوجوان لڑکیوں کو ملازم رکھا ہوا تھا جو اخبار مفت تقسیم کرتی تھیں۔ مسعود رجوی روس اور امریکہ دونوں کا ایجنٹ تھا لیکن اب وہ ایران اور ساری دنیا میں بُری طرح بے نقاب ہو چکا ہے اور ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ وہ سامراجی قوتوں کا آلۂ کار تھا اور سازشوں کے ذریعہ انقلاب کو ختم کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

جرائم میں کمی محمد اسمٰعیل چوہدری صاحب نے بتایا۔" انقلاب کے بعد ایران میں جرائم بہت کم ہو گئے ہیں اور ان کی تعداد پہلے کے مقابلے میں دس فیصد رہ گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ قاہرہ اور بیروت کے بعد سب سے زیادہ تہران مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہاں خواتین سکرٹ پہن کر عریاں نظر آتی تھیں۔ انقلاب کے بعد اب نوے فیصد خواتین کھلا یا جامہ قمیض سر پر رومال، یا چادر اوڑھے ہوتی ہیں جو چند عورتیں اسکرٹ اور جین میں نظر آتی ہیں وہ غیر ملکی باشندوں کی بیویاں اور وہاں رہنے والے غیر مسلموں کی عورتیں ہیں۔ انقلاب نے ایرانی خواتین میں زبردست تبدیلی پیدا کی۔ چنانچہ عراقی حملہ کے بعد ایرانی خواتین نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ عملاً حضرت خولہ کی بہنیں اور اس دور کی مجاہدہ ہیں

اب ہم ذیل میں ایک ایرانی باپ کے تاثرات پیش کرتے ہیں جس نے اسلامی انقلاب اور اسلامی سرزمین کی سربلندی کے لئے اپنے چار بیٹوں کو بطور نذرانہ پیش کیا ہے۔ جس قوم کے افراد میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے اُس پر غالب آنا ناممکن ہے۔ صرف یہی ایک شخص نہیں بلکہ گزشتہ چار سال کے واقعات اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ تمام ایرانی قوم اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اسلامی انقلاب کو کامیاب بنانے اور جارح سے اپنے وطن عزیز کو بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رہی ہے۔

حاج محمد ضیابائی چار شہیدانِ رَاہِ اسلام کے وَالد کہتے ہیں

میں نے اسلام، انقلاب اور اسلامی سرزمین کی سربلندی کے لئے اپنے چار بیٹوں کو بطور نذرانہ پیش کیا ہے۔ اور میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اپنے بیٹوں کے کھو جانے کا ذرہ برابر بھی کوئی غم نہیں ہے کیونکہ میں نے خدمت اسلام کے لئے ہی اپنے چار بیٹوں کو پرورش اور تربیت کی تھی اور میرا ایمان کہتا ہے کہ میرے چاروں شہید فرزند سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے جوار رحمت میں ہیں اور خداوند عزوجل سے رزق پا رہے ہیں۔ میرا پہلا بیٹا جس کا نام مجید تھا گیارہ سال کی عمر میں شہید ہوا تھا اس سے قبل کہ میں اپنے فرزند کی شہادت کی تفصیل سے آگاہ کروں۔ اگر آپ اس بات کو اپنی تعریف خود کرنا تصور نہ کریں اور مجھے اجازت دیں تو میں پہلے آپ کو انقلاب اسلامی کے لئے اپنی ذاتی جدوجہد کے بارے میں اجمالی کچھ بتانا چاہونگا سنہ ۱۳۴۲ شمسی (بمطابق سنہ ۶۳-۱۹۶۲) میں جب میں نے انقلاب اسلامی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی خدمات کا آغاز کیا تو اس وقت میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ضلع اصفہان میں واقع میرے آبائی گاؤں فھنویہ میں صرف میں ہی واحد شخص تھا جو امام امت کا پیروکار (مقلد) تھا

اور امام خمینی کی قیادت کے سایہ میں اسلامی جدوجہد میں دلچسپی لینے کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں میں نے اسلامی تحریک کے لئے اپنی عملی جدوجہد کے آغاز کا فیصلہ کیا اور ابتدائی ایام میں اس مقصد کے لئے میں نے چار پانچ اپنے قریبی احباب کو اپنا ہمنوا بنایا۔ اور پھر چند برسوں تک ہمارا یہی کام رہا تھا کہ ہم تہران اور قم سے امام خمینی کے پیغامات یا انقلاب اسلامی کے لئے امام امت کے ارشادات اور ہدایات پر مبنی لٹریچر حاصل کرتے اور انہیں لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں میرے بیٹے بھی اس کارِ خیر میں میری پیروی کرتے ہوئے جذبۂ عشق اسلام و امام اپنے لوحِ دل پر نقش کرتے جا رہے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ (میرے بیٹے) اپنے اسکول میں اپنے ساتھی طالب علموں کے درمیان امام خمینی کے ارشادات کو پھیلانے میں مصروف عمل تھے اور اسی وجہ سے انھیں متعدد بار پرائمری اور مڈل اسکولوں سے نکال دیا گیا تھا۔ ہماری یہ کارکردگی ۱۳۵۶ سنہ شمسی (مطابق ۷۷-۱۹۷۶ء) تک مخفی طور پر جاری رہی تھی لیکن اس سال کے اواخر میں ہماری جدوجہد ایک زبردست عوامی تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ کیونکہ قھنویہ کے گاؤں میں انقلابی اور اسلام دوست افراد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ علانیہ طریقے سے اس سال میں جو برسراقتدار حکومت کے خلاف ایک زبردست دیہاتی مظاہرہ ہوا وہ ہمارے گاؤں قھنویہ کا تھا۔ اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسی مظاہرہ کے بعد ہی ملک کے مختلف حصوں میں موجود دیگر دیہاتوں اور گاؤں میں اس قسم کے عوامی مظاہرات کی ابتدا ہوئی تھی۔ پھر انقلاب کی کامیابی سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی قھنویہ کی جفاکش عوام اپنے سابقہ جوش و خروش کے ساتھ انقلاب اسلامی کے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے سکے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے اور امام امت کے لائحۂ عمل سے انحراف کرنے والے ان افراد کا

جو قھنویہ میں رونما ہوئے تھے۔ ان کی سیاہ کاریوں سے راہِ رُشد و ہدایت کو محفوظ رکھنے کے لئے مصروف عمل ہے۔ چنانچہ ۱۳۵۱ھ شمسی (بمطابق ۱۹۸۰ء) کے موسم بہار میں جب بنی صدر اور اس کے حامیوں کی منافقانہ کارروائیوں نے بے نقاب ہونا شروع کیا تھا یعنی منافقین خلق گروہ کی وحشیانہ کارروائیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ نیز میرے دیہات قھنویہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں یہ افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں کہ امام امت یکہ و تنہا رہ گئے ہیں۔ ملک کی تقریباً نوے فی صد سے زائد عوام منافقین خلق گروہ کی حمایت کرنے لگ گئی ہے اور ملکی صورت حال ماضی کی کیفیت میں تبدیل ہو رہی ہے۔ تو اس زمانہ میں فقیہہ عالی قدر جناب آیت اللہ منتظری کی طرف سے یہ پیام جاری ہوا کہ تمام ایرانی قوم ایک دفعہ پھر اپنے قائد و رہبر کی قیادت میں انقلاب اسلامی کو مکمل کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے تجدید عہد کرتے ہوئے دشمنانِ انقلاب کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنکر کھڑی ہو جائے تو ہم نے آیت اللہ منتظری کے پیام کو اپنا شرعی وظیفہ خیال کرتے ہوئے قھنویہ کی مسجد چہاردہ معصومین علیہم السلام میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں متفقہ طور پر فیصلہ کے مطابق دوسرے دن انقلاب دشمن عناصر کے خلاف اور امام امت کی حمایت میں احتجاجی جلوس نکالا گیا تھا اور جب یہ احتجاجی جلوس انوبان مبارکہ نامی دیہات سے گزر رہا تھا تو اس علاقے کے وہ لوگ جو سابق خائن شاہ کے زمانہ میں عیاشی کے دلدادہ بن چکے تھے اور اس عیاشی کی عادت کی وجہ سے بنی صدر اور منافقین خلق گروہ کے طرفدار بن گئے تھے ان میں سے ایک شخص نے میرے بیٹے مجید کو جو کہ اس احتجاجی جلوس میں سب سے آگے تھا کچل کر شہید کر دیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے بیٹے کی شہادت کے باوجود احتجاجی جلوس کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ اس جلوس کو اس کی منزل تک پہنچایا تھا۔ حالانکہ بنی صدر اور منافقین کے طرفداروں نے یہ منصوبہ بنا رکھا تھا کہ وہ قھنویہ کے انقلابی عوام میں سے چند افراد کو شہید کر کے قھنویہ کی بہادر اور انقلابی جماعت کو اس قسم کے مظاہرات

کا اہتمام کرنے یا منافقین خلق اور بنی صدر کے خلاف احتجاجی اجلاس منعقد کرنے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن ان کا یہ منصوبہ خاک میں مل کر رہ گیا۔

احتجاجی جلوس کے اختتام کے بعد ہم اسی شخص کے گھر گئے جس نے عمداً میرے بیٹے مجید کو گاڑی کے نیچے کچل کر شہید کر دیا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ ہم اس شخص کے ساتھ ذاتی دشمنی اور انتقامی جذبے کے ساتھ بات چیت کرتے ہم نے اس شخص سے اسلامی اصولوں اور ارشادات کے عین مطابق مسئلہ کے حل پر گفتگو کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص اور اس کے ان حامیوں نے جو میرے بیٹے کو شہید کرنے کے واقعہ میں ملوث تھے اپنے جرم پر شرمندگی کا اظہار کیا اور انقلاب اسلامی کے حقیقی اہداف و اغراض سے روشناس ہو کر اپنی سابقہ کفر آمیز روش کو ترک کر کے حقیقی راہِ اسلام پر گامزن ہو گئے۔ اپنے گناہوں کی توبہ کرنے لگے اور بارگاہِ احدیت میں اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا مانگنے لگ گئے چنانچہ مجھے اس بات سے نہایت دلی خوشی اور روحانی مسرت حاصل ہوئی کہ میرے گیارہ سالہ شہید بیٹے کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ بلکہ اس کے خون نے کم از کم ایک سو افراد کو اسلام سے روشناس کرایا۔ اور انہیں اپنے غیر اسلامی اعمال سے توبہ کرنے کا راستہ دکھایا۔

شہادت کی کشش

جناب حاج محمد ضیائی نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

میرا دوسرا شہید فرزند اصغرؒ تھا۔ جس کی شہادت کے وقت ۱۶ سال سے زائد عمر نہ تھی۔ میرا بیٹا اصغر انقلاب کے زمانہ میں زیر تعلیم تھا اور اسکول اپنے ساتھیوں کو احتجاجی جلوسوں میں شرکت کی ترغیب دلاتا تھا اور بعض کو اپنے ہمراہ احتجاجی جلوسوں میں لے کر جاتا تھا۔

میرا بیٹا اصغرؒ اپنی ماں سے زیادہ مانوس تھا اور کیونکہ ہمارے گھر میں بیٹی نہیں تھی اس لئے وہ اکثر گھر کے کام کاج میں بھی اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتا

تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ ایسا کرنے سے خدا انسان سے راضی ہوتا ہے۔

ہاں! ایک بات جو میرے ذہن سے نکل گئی تھی اس کے بارے میں آپ کو بتا دوں۔ پھر اپنے بیٹے "اصغر" کی شہادت کے بارے میں آگاہ کروں گا۔

جب میرا بیٹا مجید شہید ہوا تھا میرا سب سے بڑا بیٹا خدا بخش جس کی عمر ۱۸ سال کی تھی وہ سپاہ پاسداران میں اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور انہی دنوں ہی "سمیرم" کے علاقے کے لوگوں نے انقلاب کے خلاف وحشیانہ کارروائیوں کے ذریعہ اس علاقے کو پُر آشوب بنا دیا تھا۔ چنانچہ میں نے سپاہ پاسداران کے مرکز سے درخواست کی تھی کہ وہ میرے بڑے بیٹے خدا بخش کو اپنے دوسرے سپاہی بھائیوں کے ہمراہ "سمیرم" میں انقلاب دشمن عناصر کی سرکوبی کے لئے روانہ کریں۔ اور سپاہ پاسداران انقلاب کے مرکز نے میری اس درخواست کو منظور کر لیا۔ پھر جب میرا بیٹا خدا بخش سمیرم میں انقلاب دشمن عناصر کی سرکوبی کے بعد گھر واپس آیا تو میں نے خدا بخش اور چھوٹے بیٹے اصغر دونوں کا گھر بسانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ شروع میں میرے بیٹے اصغر نے میرے اس فیصلہ کو قبول کرنے کا اظہار کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں میں نے اس کے طرزِ عمل سے محسوس کیا کہ وہ (اصغر) اپنا گھر بسانے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کی کوشش تھی کہ اسے حق و باطل کے درمیان معرکہ میں حصہ لینے کے لئے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت مل جائے اور یہ خواہش اس پر پوری مسلط ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ ان دنوں اسکول میں زیرِ تعلیم تھا لیکن شاید یہی جذبہ شوقِ شہادت تھا جس نے اس کی تعلیم کی طرف توجہ کو کم کر دیا۔ چنانچہ آخر کار سپاہ پاسداران میں بھرتی ہونے کے بعد کردستان چلا گیا جہاں اس نے ۴۵ دن تک مسلسل انقلاب دشمن عناصر کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ پھر امتحانات کے لئے واپس پلٹ آیا۔ اور جونہی امتحانات سے فارغ ہوا تو عین اس دن جس روز اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر جناب رجائی کی شہادت

کی خبر دی گئی تھی۔ میرا بیٹا عازم محاذ جنگ ہو گیا اور کرخۂ نور کے محاذ جنگ
میں میرے بیٹے نے شرکت کی۔ یہاں تک کہ ۱۲ شہریور ۱۳۶۰ھ (بمطابق ۵ ستمبر
۱۹۸۱ء) کے دن راہِ اسلام میں شہید ہو گیا۔

مجھے جب اپنے بیٹے اصغر کی شہادت کی خبر ملی تو میں نے نیا لباس زیب
کیا تھا اور کہا تھا کہ آج "میرے بیٹے اصغر کی شادی کا دن ہے" پھر میں نے
پھولوں کا ایک ہار ہاتھ میں لیا اور اس کے جنازے پر ڈال دیا کیونکہ تشییع
جنازہ سے قبل ہم سے میرے شہید بیٹے اصغر کی فوٹو مانگی گئی تھی۔ چنانچہ میں واپس
گھر آیا تاکہ اصغر کی فوٹو لے کر جاؤں جب میں نے اس کی فوٹو اٹھائی تو اصغر کی ماں
نے مجھ سے سوال کیا تھا؟ میرے بیٹے اصغر کی فوٹو کہاں لے کر جا رہے ہیں۔؟
تو میں نے اسے بتایا کہ اصغر بھی شہید ہو گیا ہے۔

یہ سننا تھا کہ اس کی ماں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے
اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، پھر وہ (اصغر کی ماں) بھی اپنے بیٹے
کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے میرے ساتھ چل پڑی اور تشییع جنازہ
کے دوران اپنے بیٹے کے اسلحہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے اس نے ۵ کیلو
میٹر کا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا تھا۔

جب میرا بیٹا اصغر شہید ہوا تھا اس وقت میرا بیٹا خدا بخش آبادان کے
محاذ جنگ پر دشمنانِ اسلام و ایران کے خلاف برسرپیکار تھا۔ وہاں بعض
اشخاص نے اس سے کہا تھا کہ تمہارا باپ سخت بیمار ہے اس لئے تمہیں اپنے
باپ کی تیمارداری کے لئے فوراً لکھنؤ یہ جانا چاہیئے، مگر میرے بیٹے نے انھیں
جواب دیا تھا کہ خداوند عزوجل میرے والد کو شفا عطا فرمائے گا۔

پھر بعض افراد نے اسے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہو گیا ہے!

یہ سُن کر میرا بیٹا مسکرانے لگا اور اس نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا:۔

اگر واقعاً میرے والد انتقال فرما گئے ہیں تب بھی مجھے یقین ہے کہ میرے والد کی

روح اس بات پر راضی نہیں ہوگی کہ میں اُن کے جنازے کو کندھا دینے کی خاطر محاذ جنگ کو چھوڑ کر جاؤں۔

جب یہ باتیں سنکر بھی میرا بیٹا خدا بخش گھر جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا تب اسے اس کے چھوٹے بھائی اصغر کے شہید ہونے کی خبر دی گئی۔ چنانچہ اپنے بھائی کی خبر سن کر خدا بخش نے کہا تھا کہ :۔

خوش نصیب ہے میرا بھائی جو جام شہادت حاصل کرنے میں مجھ سے سبقت حاصل کر گیا ہے۔

اپنے بھائی کی شہادت کی خبر ملنے پر میرا بیٹا صرف ۲۴ گھنٹہ کے لئے گھر آیا تھا لیکن سپاہ پاسداران اسے دوبارہ محاذِ جنگ پر جانے دینے کے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ کیونکہ اس کے دو بھائی راہ حق میں شہید ہو چکے تھے چنانچہ میں نے ان سے کہا تھا کہ میرے بیٹے کو محاذ جنگ پر ضرور جانے دیا جائے۔ اور پھر آخر کار میں نے خود اپنے بیٹے خدا بخش کے لئے گاڑی کا ٹکٹ لے کر اسے گاڑی پر سوار کرایا اور وہ دوبارہ محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا جس کے بعد مورخہ ۱۵/۷/۶۰ ۱۳ یعنی بمطابق ۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو میرا بیٹا دوبارہ محاذ جنگ سے واپس گھر آیا تو میں نے اسے کہا تھا۔

امام امت کا فرمان ہے۔ اسکول (مدرسہ) بھی ایک محاذ ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اب تم اس محاذ میں بھی شرکت کرو۔ اور اپنی تعلیم مکمل کرو اور اگر اس دوران ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ محاذ جنگ پر چلے جانا۔

چنانچہ میرے بیٹے نے میرے کہنے پر اسکول میں تعلیم حاصل کرنا دوبارہ شروع کر دی۔ اس کے بعد مورخہ ۱۳ آبان ۱۳۶۰ بمطابق ۱۴ نومبر ۱۹۸۱ء کا دن جو یوم طلبا کے نام سے بھی موسوم ہے۔ میرا بیٹا خدا بخش بھاگتا ہوا پسینہ میں شرابور اسکول سے گھر واپس آیا اور مجھے کہنے لگا محاذ جنگ پر میرا پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ تو میں نے اسے محاذ جنگ پر جانے کی اجازت

دے دی تو میرے بیٹے خدا بخش نے مجھ سے کہا تھا۔
آپکو میرے ساتھ بھرتی آفس جانا ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ مجھے محاذ جنگ پر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

اس لیے بیٹے کی خواہش کے مطابق میں اس کے ہمراہ پاسداران انقلاب کے بھرتی آفس گیا وہاں وہ لوگ خدا بخش کو محاذ جنگ پر بھیجنے کے حق میں نہیں تھے لیکن جب میں نے انہیں مجبور کیا تو آخر کار اسے دوسرے سپاہی بھائیوں کے ہمراہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے "بستان" کے محاذ جنگ پر بھیج دیا گیا اور جب دشمنان اسلام نے بستان پر مورخہ ۱۵، آذر ۱۳۶۰ھ شمسی (بمطابق ۶، دسمبر ۱۹۸۱ء کو حملہ کیا تو اس حملہ میں میرا بیٹا خدا بخش بھی اسلام اور انقلاب کی سربلندی کے لئے راہ حق میں شہید ہو گیا۔ میرا بڑا بیٹا اپنے چھوٹے بھائی "اصغر" کے شہید ہونے کے تقریباً ۳ماہ بعد منصب شہادت پر فائز ہوا تھا۔

جن ایام میں میرے بڑے بیٹے کی شہادت کی خبر ہمیں موصول ہوئی تھی ان دنوں اس کی ماں سخت بیمار تھی اور خدا بخش کے شہید ہونے سے دو دن قبل ہی ڈاکٹر نے ہمیں خاص طور پر تاکید کی تھی کہ خدا بخش کی ماں کا خاص خیال رکھا جائے اور کوئی ایسی بات اس کے سامنے نہ کی جائے جس کی وجہ سے اس کے دل پر اثر ہو۔ کیونکہ دل کے خطرناک دورہ پڑنے کا امکان تھا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسی حالت میں اسے اس کے بیٹے کی شہادت کی خبر دوں۔ لیکن رات کے وقت مجھے اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سننے کے بعد بالکل نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور میں بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ چنانچہ خدا بخش کی ماں نے جب میری یہ حالت دیکھی تو ایک دم اس نے کہا تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے کہ میرا بیٹا خدا بخش بھی شہید ہو گیا ہے۔" مجھے اس کی یہ بات سنکر بے حد تعجب ہوا تو خدا بخش کی ماں کہا کہ نہ۔

"میں نے کل رات خواب میں دیکھا تھا کہ میرا بیٹا راہِ اسلام میں شہید ہو گیا ہے۔"

چنانچہ میں نے خدا بخش کی ماں کو اس کے بیٹے کی شہادت کے بارے میں بتا دیا تو وہ کہنے لگی کہ کل صبح ہم اپنے بیٹے کا آخری دیدار کرنے جائیں گے۔ دوسرے دن جب میں اور خدا بخش کی ماں سپاہِ پاسداران کے ہیڈ کوارٹر پر پہنچے تو سپاہِ پاسداران کے دل خدا بخش کی ماں کو دیکھ کر بھر آئے اور وہ اپنے دلوں پر قابو نہ رکھ سکے اور زار و قطار گریہ کرنے لگے۔ چنانچہ سپاہِ پاسداران کی یہ کیفیت دیکھ کر خدا بخش کی ماں نے کہا تھا

"آپ دل تھوڑا نہ کریں اور صبر سے کام لیں۔ میں بے حد روحانی خوشی محسوس کر رہی ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میں نے راہِ اسلام میں اپنا تیسرا لختِ جگر بھی پیش کر دیا ہے۔"

کیونکہ ان دنوں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں خدا بخش کی ماں بیمار تھی اس لیے سپاہِ پاسداران نے اس سے خواہش کی تھی کہ وہ اس دفعہ جنازہ میں شریک نہ ہو بلکہ گھر جا کر آرام کرے۔ لیکن خدا بخش کی ماں نے کہا تھا کہ:۔

"خدا بخش کے ہتھیار مجھے دیئے جائیں پھر اس نے اپنے بیٹے کے ہتھیار کو اپنے کندھے پر سجایا اور کہنے لگی کہ:۔

"میں اپنے شہید فرزند کو اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کروں گی۔"

پھر اس نے (خدا بخش کی ماں نے) یہ کام بھی نہایت جرأت اور ہمت کے ساتھ انجام دیا تھا۔ اس مقام پر جناب محمد ضیائی نے ہمیں مزید بتایا کہ:۔

کیونکہ سپاہِ پاسداران مجھے بذاتِ خود محاذِ جنگ میں کئی دفعہ اصرار کے باوجود شرکت کے لئے اجازت نہیں دے رہے تھے۔ لہٰذا میں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور سپاہِ پاسداران سے کہا کہ میں اپنے بیٹے خدا بخش کا جنازہ

اس وقت تک دفن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جب تک مجھے تحریری طور پر محاذ جنگ پر جانے کا اجازت نامہ لکھ کر نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے آخر مجھے محاذ جنگ پر جانے کے لئے اجازت نامہ دے دیا۔ اور میں اپنے بیٹے خدابخش کی رسم چہلم ادا کرنے کے بعد بستان کے محاذ جنگ کے لئے روانہ ہوگیا تھا۔ جس کے بعد میں نے "فتح المبین" نامی کارروائیوں میں بھی شرکت کی تھی۔

خدابخش کے شہید ہونے کے بعد میرے ایک اور بیٹے محمد رضا نے بھی محاذ پر جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا اور کہنے لگا کہ:-

"مجھے میرے بھائی خدابخش کا اسلحہ دے کر محاذ جنگ پر جانے کی اجازت دی جائے" کیونکہ محمد رضا کی عمر اس وقت ۱۴ سال کی تھی اس لئے ہم اسے محاذ پر جانے سے نہیں روک سکتے تھے۔ ان دنوں میں بھی بیت المقدس حملہ میں شرکت کے لئے چلا گیا تھا اور بیت المقدس نامی کارروائیوں کے دوسرے مرحلہ میں میرے کندھے پر ایک گولی لگی تھی جس کے زخم کی تکلیف اس وقت بھی میرے کندھے میں باقی ہے۔ چنانچہ جب میرے کندھے پر گولی لگی تو چونکہ زخم گہرا تھا اس لئے فوری طور پر مجھے ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ پھر جب میں اسپتال سے فارغ ہوا تو میں سپاہ پاسداران کے دفتر میں گیا اور ان سے دوبارہ محاذ جنگ پر جانے کی خواہش کی وہاں اس وقت مبارکہ کیمپ کے کمانڈر موجود تھے انھوں نے جواباً کہا تھا کہ:-

"آپ تین شہیدوں کو راہ اسلام میں پیش کر چکے ہیں۔ اس لئے اب آپ کی محاذ جنگ میں شرکت کی ضرورت نہیں ہے"

یہ کہہ کر وہ کمانڈر گریہ کناں ہو گیا لیکن میرے بے حد اصرار کے بعد مجھے دوبارہ محاذ جنگ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ میں نے سپاہ پاسداران کے دفتر والوں سے ایک اور درخواست کی تھی کہ:-

"میرے بچوں کا اسلحہ آر۔ پی۔ جی ۔ ۷ (R.P.G 7) تھا اس لئے مجھے بھی یہی اسلحہ فراہم کیا جائے۔"

میری اس خواہش کو بھی پورا کیا گیا۔ اور میں دوبارہ محاذ کی طرف روانہ ہو گیا اور جنگ کے دوران ایک دفعہ پھر زخمی ہونے کے بعد واپس گھر پہنچا تو میرے بیٹے محمد رضا نے محاذ جنگ میں شمولیت کے لئے بیحد اصرار شروع کر دیا۔ آخر کار میں اسے لے کر سپاہ پاسداران کے پاس پہنچا تو انھوں نے مجھے دیکھ کر ایک دفعہ پھر وہی الفاظ دہرائے :۔

"ہمارے خیال میں محمد کو محاذ جنگ پر نہیں بھیجنا چاہیئے"۔

لیکن میں نے کہا کہ :۔

"میرا خیال ہے محمد کو ضرور محاذ پر جانا چاہیئے"۔

اور اس طرح میرے بیٹے محمد رضا کو بھی محاذ جنگ پر جانے کی اجازت دیدی گئی۔ اور وہ عازم محاذِ جنگ ہوا۔ رمضان المبارک آپریشن میں شرکت کے بعد وہ واپس گھر آیا تھا تو ہم اسے اپنے ساتھ لے کر امام ہشتم حضرت رضا علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے گئے وہاں سے جب ہم واپس قشویہ پہنچے تو اس نے اپنی والدہ سے دوبارہ محاذ جنگ پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ میرا بیٹا محمد رضا اپنی ماں اور میری اجازت سے دوبارہ محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

محمد رضا کے جانے کے بعد اس کی ماں نے میرے سامنے تجویز پیش کی کہ محمد رضا ۱۶ برس کا ہو چکا ہے۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ اس کے لئے شریک حیات کا انتخاب کیا جائے۔ کیونکہ محمد رضا کی ماں کا خیال تھا کہ اب ہم لوگ اکیلے رہ گئے ہیں اس لئے محمد رضا کی شادی کر دی جائے تاکہ اس کا گھر آباد ہو جائے اور اس کے ذریعہ نسل میں اضافہ ہو سکے۔ چنانچہ محمد رضا کی ماں کی اس تجویز کا میں نے بھی ساتھ دیا۔ اور ہم دونوں اپنے بیٹے کے لئے دلہن منتخب کرنے کے لئے کوشاں تھے کہ اسی دوران مورخہ ۱۱/ ۸/ ۱۳۶۱ (بمطابق ۲ نومبر ۱۹۸۲ء) کو اس کی شہادت کی خبر ہمیں موصول ہوئی۔

جب مجھے اطلاع ملی کہ میرے بیٹے محمد رضا کا جنازہ محاذ سے لایا جا چکا ہے۔

تو میں اس کے آخری دیدار کے لئے مُردہ خانہ میں گیا اور اپنے بیٹے کے مردہ اور بے جان چہرے پر بوسہ دیکر میں نے کہا تھا:۔

"خُدایا! ہمارے اس چوتھے شہید کو بھی اپنی بارگاہ میں قبول فرما"۔

میرے بیٹے محمد رضا کے شہید ہونے کے موقع پر مبارکہ میں عام سوگ منانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور محمد رضا کے جنازے کو میں نے اور اس کی ماں نے سپردِ خاک کیا تھا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ چار بیٹوں کی شہادت کے بعد اب میرا کوئی فرزند محاذِ جنگ پر نہیں ہے"۔

حاج محمد ضیائی نے اپنے چاروں فرزندوں کی رودادِ شہادت بیان کرنے کے بعد کہا:۔

میرا خدا جانتا ہے کہ چار بیٹوں کے شہید ہو جانے کے بعد اب میں کس قدر اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میرا کوئی بیٹا اب محاذِ جنگ پر نہیں ہے۔ کیونکہ میرے باقی بچے نہایت کم سن ہیں۔ صرف ایک بیٹا عبد اللہ ہے جو اس وقت ۱۲ سال کا ہے اور اگرچہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح شہید ہونے کی تمنا رکھتا ہے لیکن فی الحال اسے محاذِ جنگ پر جانے کی اجازت نہیں مل رہی ہے۔

اپنی گفتگو کے آخر میں میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے ان چار بیٹوں کے شہید ہونے کی وجہ سے ہمیں امامِ امت کی زیارت سے فیض یاب ہونے کا موقع مل گیا تھا کیونکہ جب میرا بیٹا محمد رضا شہید ہوا تھا تو اس وقت آیت اللہ کروبی نے مجھے دعوت دی تھی کہ میں تہران آؤں۔ نیز اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر جناب حجۃ السلام سید علی خامنہ ای جب اصفہان تشریف لائے تھے تو انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں امامِ امت کی قدمبوسی کے لئے جاؤں مزید براں جناب آیت اللہ طاہری نے بھی اصفہان میں مجھے کہا تھا کہ:۔

"میں آپ کے لئے واجب سمجھتا ہوں کہ آپ خدمتِ امام میں حاضری دیں

ادھر بچوں کی ماں بھی امام اُمت کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھی۔ چنانچہ ہم امام امت کی زیارت کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور امام خمینیؒ کی زیارت نے ہمارے دل و جان میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ہم نے امام امت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اس سرزمین میں کروڑوں خواتین ایسی ہیں جو جذبہ ایثار و قربانی سے سرشار ہیں اور اس بات کے لئے بھی آمادہ ہیں کہ اپنے شیرخوار بچوں کو بھی اسلام اور انقلابِ اسلامی کی راہ میں قربان کر دیں۔

چاروں شہیدوں کی ماں کا پیغام

مذکورہ بالا چار شہیدوں کی والدہ سے جب ہم نے گفتگو کی تو انہوں نے کہا

ہم اپنے پروردگار کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنی مشیت سے ہمارے چاروں بیٹوں کو راہِ حق میں منصبِ شہادت پر فائز کر دیا اور اس کا لطف و کرم ہمارے ساتھ شاملِ حال رہا۔

میں تمام مسلمان بہنوں کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ وہ خود کو جناب زینب سلام اللہ علیہا کے اسوہ حسنہ سے آراستہ کریں۔

کیونکہ ہمارا مکتب امام حسین علیہ السلام کا مکتب ہے۔ اور راہِ شہادت سے ہمیں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے روشناس کرایا ہے۔ اگر اس اسلامی سرزمین (ایران) کی مائیں اپنے فرزندوں کو شہادت کے لئے پیش نہ کرتیں تو اسلام خطرہ میں پڑ جاتا۔ یعنی یہ شہیدوں کا خون ہی ہے جس نے اسلام اور ہماری اسلامی سرزمین کی حفاظت کی ہے اس لئے اس سرزمین کی ماؤں کو چاہیئے کہ وہ شہیدوں کے خون کی محافظ بنیں۔

والسلام۔

پاکستان میں ایرانی وفد کی آمد

گزشتہ ماہِ انقلاب اسلامی ایران کی فتح وظفر کی چوتھی سالگرہ کے موقعہ پر اسلامی جمہوریہ ایران کا ایک وفد جناب حجۃ الاسلام ڈاکٹر روحانی کی قیادت میں پاکستان میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کی چوتھی سالگرہ کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی مختلف تقریبات میں شرکت کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ اس وفد میں دیگر ایرانی معزز شخصیتوں کے علاوہ صوبہ سیستان (ایرانی بلوچستان) کے اہل تسنن کے ایک بہت بڑے عالم دین جناب مولانا مسکان زھی شہرداد بھی شامل تھے۔

ہم نے اس وفد کے سربراہ جناب حجۃ الاسلام ڈاکٹر روحانی سے جب ان کی پاکستان تشریف آوری کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس دورے کا مقصد پاکستان میں انقلاب اسلامی ایران کی فتح و کامیابی کی چوتھی سالگرہ کے موقع پر مختلف اداروں، جماعتوں کی طرف سے منعقد ہونے والی تقریبات میں شرکت، پاکستانی بھائیوں کے انقلاب اسلامی کے بارے میں پاک احساسات کا عینی مشاہدہ اور اپنے پاکستانی بھائیوں کے انقلاب اسلامی اور اس کے ان ثمرات ونتائج سے متعلق سوالات کے جوابات دینا ہے جو انقلاب اسلامی کو اپنی فتح وکامیابی کے بعد گزشتہ چار برس کی مدت کے دوران نصیب ہوئے ہیں۔

جناب حجۃ الاسلام ڈاکٹر روحانی نے ایک انٹرویو کے دوران بتایا تھا کہ انھوں نے پاکستان میں اپنے قیام کے دوران اہل تسنن اور اہلِ تشیع سے تعلق رکھنے والے معزز پاکستانی علمائے اعلام سے ملاقاتیں کی تھیں اور پاکستان کے بعض دینی مدارس میں زیر تعلیم دینی طلبا سے بھی بات چیت کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ انھوں نے ان ملاقاتوں کے دوران جس اہم مسئلہ کی طرف پاکستان کے علمائے اعلام کی توجہ کو خاص طور پر مبذول کرایا وہ اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں مسلمان

بھائیوں کے درمیان باہمی اتفاق واتحاد کی فضا کو زیادہ سے زیادہ پُرکیف بنانا تھا جب ڈاکٹر روحانی نے بتایا کہ ہمارے اس دورے کا مقصد پاکستان کے علمائے اعلام اور مسلمان بھائیوں کو اتحاد بین المسلمین اور وحدت اسلامی کے بارے میں انقلاب اسلامی ایران کے قائد ورہبر اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی امام امت سید روح اللہ موسوی الخمینی کے اس پیغام کو پہنچانا تھا جس میں امام خمینی نے امت مسلمہ کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ صرف زبانی حد تک ہی اس اتحاد بین المسلمین کے لئے کوشش نہ کریں بلکہ عملی طور پر بھی امت مسلمہ کے درمیان مکمل اتحاد واتفاق کی فضا اور ماحول ترتیب دینے میں موثر کردار ادا کریں۔ اور یاد رکھیں کہ دشمنان اسلام کی اسوقت سب سے زیادہ کوشش اور خواہش یہی ہے کہ امت مسلمہ کے درمیان تفرقہ اور اختلافات کی خلیج کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے

جناب ڈاکٹر روحانی نے مزید بتایا کہ انھوں نے پاکستان کے علمائے اکرام کو اس حقیقت سے بھی مطلع کیا ہے کہ اس وقت اسلامی ملک ایران میں ہمارے تمام اہل سنت بھائی تمام معاملات میں اپنے شیعہ بھائیوں کے شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں۔ نیز اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں مسلمان بھائیوں کو سپاہ پاسداران انقلاب، مسلح افواج کے علاوہ مسئلہ تضادات، جنگ میں شرکت دشمن کے حملوں کے دفاع کے لئے مناسب حکمت عملی کا تعین اور انقلاب اسلامی کے اہداف واغراض کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے جیسے اہم معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ مساوی اور برابر مقام حاصل ہے اور دونوں بھائی مل کر انقلاب کو کامیابی اور فتح وظفر سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنے خون اور قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

ایران کے ایک سنی عالم دین کے تاثرات

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی طرف سے جو وفد گزشتہ ماہ پاکستان میں انقلاب اسلامی ایران کی فتح وکامرانی کی چوتھی سالگرہ کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی مختلف تقریبات میں شمولیت کے

نے پاکستان کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ اس وفد میں صوبہ سیستان (ایرانی بلوچستان) اہل تسنن کے ایک بہت بڑے عالم دین جناب مولانا مسکان زہی شہرداد بھی شامل تھے۔ ہمیں بھی مولانا شہرداد سے گفتگو کا موقع میسر ہوا چنانچہ ہم نے مولانا سے متعدد سوالات کیے جن کے بارے میں مولانا نے ہمیں نہایت اطمینان بخش جواب دیتے تھے۔

اس سے قبل کہ ہم اپنے معزز قارئین کرام کو جناب مولانا شہرداد سے کیے گئے بعض سوالات اور ان کے جوابات کے بارے میں آگاہ کریں ہم اپنے قارئین کرام کو جناب مولانا مسکان زہی شہرداد کی زندگی کے بارے میں بطور اجمال کچھ بتا دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

جناب مولانا مسکان زہی شہرداد ۱۳۱۱ھ میں (ایرانی بلوچستان) یعنی صوبہ سیستان کے شہر سراوان میں متولد ہوئے تھے۔ آپ فقہ کی ابتدائی کتابوں کی اپنے شہر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۱۶ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے جہاں موجودہ پاکستان بلوچستان جو اس زمانے میں ہندوستان کے علاقہ میں شمار ہوتا تھا۔ کے ایک مدرسہ جس کا نام مدرسۂ نصیریہ تھا۔ اس میں آپ نے ایک سال تک تحصیل علم فرمایا۔ پھر دہلی کے قریب دارالعلوم دیوبند میں آپ نے داخلہ لیا۔ جہاں آپ ۱۳۶۷ھ تک زیر تعلیم رہے۔ اور اس کے بعد واپس ایران صوبۂ بلوچستان تشریف لے گئے۔ جہاں سوران کے علاقے میں مدرسۂ علیہ دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا اور اس مدرسہ میں علاقہ کے علم دوست افراد کو علوم اسلامیہ کے زیور سے آراستہ کرنے کے علاوہ اس علاقے کے لوگوں کے مختلف معاملات میں انہیں شرعی فیصلوں سے بھی مستفیض فرماتے رہے آپ نے سوران میں پندرہ سال گزارنے کے بعد اپنے آبائی شہر سراوان جانے کا فیصلہ کیا جہاں آپ نے مدرسہ مجمع العلوم تاسیس فرمایا۔ اور اس مدرسہ کے پرنسپل کی حیثیت سے علوم اسلامی کے درس و تدریس کی اہم ذمہ داری

بھی ادا کرتے رہے۔ پھر تقریباً دو سال کے بعد سراوان سے زاہدان چلے گئے جو ایرانی صوبۂ بلوچستان کا دارالحکومت ہے۔ یہاں (زاہدان میں) اسلامی جمہوریۂ ایران کی حکومت کی طرف سے آپ کو اہل تسنن کے عدالتی معاملات کے لئے شرعی قاضی (حاکم شرع) متعین کیا گیا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک آپ اسی منصب پر فائز ہیں۔ اور اسلام و مسلمانوں کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ہم نے جب جناب مولانا شہرداد سے انقلاب اسلامی ایران کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:۔

یہ انقلاب اسلام کے نام پر شروع ہوا تھا اور لوگوں نے امام خمینی کی قیادت میں اسلامی احکامات کے اجراء کے لئے قیام کیا تھا۔ آج ایران میں وہ تمام غلط امور جو اسلامی احکامات کے خلاف ہیں ان کا پوری طرح خاتمہ کیا جاچکا ہے۔ جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ گزشتہ طاغوتی دور میں ہمارے ملک کی یہ حالت تھی کہ اس میں فحاشی جوار بازی اور اسی قسم کے دوسرے اعمال جو اسلام کے خلاف ہیں۔ ان کی فراوانی تھی۔ لیکن آج انقلاب اسلامی کی برکتوں سے ایسا نہیں ہے۔ فحاشی اور قمار بازی کے اڈے شراب خانے یا اسی قسم کے دوسرے مراکز کا مکمل طور پر نام و نشان باقی نہیں رہا اور یہ سب کچھ اس انقلاب کے اسلامی ہونے کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے۔

جناب مولانا شہرداد نے شیعہ اور سنی بھائیوں کے درمیان اتحاد کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

ہمارے اسلامی انقلاب کی تحریک کا آغاز اسی اتحاد اور وحدت کی بنا پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسائل جن میں سابق خائن شاہ کے زمانہ میں شیعہ اور سنی بھائیوں کے درمیان اختلافات پائے جاتے تھے وہ آج انقلاب اسلامی اور امام خمینی کی عظیم قیادت کی برکتوں سے ختم ہو چکے ہیں۔ اور

آج دونوں مسلمان بھائیوں کے درمیان اتحاد و یگانگت اور پیار و محبت جیسی حسین صفات نظر آرہی ہیں۔

انھوں نے اس ضمن میں مثال دیتے ہوئے کہا آج جب اہل تشیع کی مساجد میں اہل تسنن نماز ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں تو کوئی اس معاملہ میں مزاحم نہیں ہوتا بلکہ ان کی آمد سے انھیں روحانی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے اسی طرح جب شیعہ بھائی اپنے سنی بھائیوں کی مساجد میں ان کے ہمراہ نماز ادا کرتے ہیں تو انھیں بھی روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے اور یہ سب کچھ امام خمینی کے ان پیغامات اور فتاویٰ کی وجہ سے ہوا ہے جس میں انھوں نے اُمتِ مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق کو ضروری قرار دیا ہے اس ضمن میں جناب مولانا شہرداد نے امام خمینی کے اس قول کو بھی پیش کیا کہ۔

اگر کوئی شخص شیعہ اور سنّی بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شخص نہ شیعہ ہے نہ سنّی بلکہ وہ اسلام کا دشمن ہے

جناب مولانا نے ایک سوال کے جواب میں اہل تسنن بھائیوں کو سابق خائن شاہ کے زمانے میں جو مشکلات در پیش تھیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایرانی صوبہ بلوچستان کے اہل تسنن سابق خائن شاہ کے دور میں تمام حکومتی مراعات اور مقامات سے قطعی طور پر محروم تھے لیکن بحمد اللہ آج بلوچستان کے اہل تسنن بھائیوں کو انقلاب اسلامی کے سایہ میں جو ہر قسم کی مراعات، سہولتیں اور عہدے میسر ہیں اس کی وجہ سے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد چار برسوں کے دوران اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت نے سابق دورِ شہنشاہی کے مقابلے میں بلوچستان کے دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے ایرانی مسلمانوں کو جو زرعی سہولتیں فراہم کی ہیں یا سڑکوں اور دوسرے رفاہِ عام کے اداروں کی تعمیرات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ کہیں زیادہ ہیں اور یہ چیز انقلاب کی عوام الناس سے گہری محبت اور لگاؤ کی واضح دلیل ہے۔

جناب مولانا شہرداد نے ایران میں انتخابات کے انعقاد کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد جتنے بھی انتخابات ایران میں ہوئے ہیں ان میں شیعہ اور سنی عوام نے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق آزادانہ شرکت کی تھی اور اپنی من پسند کے نمائندوں کو بغیر کسی تشدد کے ووٹ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے ایرانی بلوچی عوام کو امید کامل ہے کہ یہ مساویانہ اور برابری کا سلوک انقلاب اسلامی کو مزید زیادہ کامیاب بنانے کا موجب ہوگا۔ اور یہی وہ سبب ہے کہ بلوچستان میں بسنے والے اہل تسنن اپنے شیعہ بھائیوں کے شانہ بشانہ، ملک، قوم، حکومت، مسلح افواج، سپاہ پاسداران اور دیگر اداروں میں شرکت کرتے ہیں نیز آخر میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بلوچستان کی ایرانی عوام اپنی وسعت اور ہمت کے مطابق اپنے دوسرے شیعہ بھائیوں کی طرح عراق کی طرف سے ایران پر مسلط کردہ تحمیلی جنگ میں بھی بھرپور حصہ لے رہی ہے۔

اب ہم ذیل میں بشکریہ رسالہ "وحدت اسلامی" جلد اول شمارہ ۶ اپریل سنہ ۱۹۸۲ء ایک نہایت اہم مضمون نقل کرتے ہیں جو تمام عالم اسلامی کے لئے خصوصی توجہ کا متقاضی ہے:-

ایک نئے منصوبے کا انکشاف

اگرچہ مشرق وسطی کے علاقے میں ہر روز نت نئے حادثات و واقعات کا رونما ہونا ایک معمول بن چکا ہے لیکن پھر بھی اس وقت مشرق وسطی کی صورت حال نے جو نئی کروٹ اختیار کی ہے اس کے معاملے میں کسی بھی صورت لاپرواہی نہیں برتی جا سکتی بلکہ اس نئی صورت حال کے بارے میں نہایت غور و فکر کے ساتھ اس کا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ اس وقت اس منطقہ میں مختلف سیاسی وفود کی آمد و رفت کا سلسلہ جو دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے اس کے خاص اسباب ہی ہیں۔ نیز مشرق وسطی کا علاقہ پوری دنیا میں ایک ایسا

علاقہ ہے جس پر پوری دنیا کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ اس وقت لبنان کی برسر اقتدار حکومت، القدس پر قابض غاصب صیہونی اسرائیل اور سامراجی امریکہ تینوں مل کر باہمی صلاح مشوروں کے ذریعے بظاہر اس علاقے میں امن وامان بحال کرنے اور صلح کے لیے جو کوشش کر رہے ہیں ان کی وجہ سے اردن اور فلسطین کی مشترکہ (متحدہ ریاست) کے قیام کا معاملہ ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔

کیونکہ اس وقت مشرق وسطی کے علاقے میں جو نئی صورت حال پیدا ہو رہی ہے اس کا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے اس لئے اس صورت حال کے بارے میں تفصیلی جائزہ سے پہلے ہمیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ اس وقت جو واقعات اس علاقے میں رونما ہو رہے ہیں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق اور ربط ہے اور حقیقت میں یہ سب کچھ عالمی سامراجیت کی طرف اس علاقے میں انقلاب اسلامی برپا کرنے کی خواہش کو کچلنے کے لیے پہلے تیار کردہ سازشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا نتیجہ ہے یعنی اس وقت مشرق وسطی کے علاقے میں جس قدر بھی حوادثات و واقعات رونما ہو رہے ہیں سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کیونکہ یہ فطری امر ہے کہ اگر مسلمان سامراجی امریکہ کے اس ناپاک منصوبے کا مقابلہ کرنے اور عالمی کفر کی مشترکہ سازشوں کے مقابلے میں اپنا موقف مستحکم اور مضبوط بنانے کے خواہش مند ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے ان سازشی منصوبوں کے بارے میں دقت کے ساتھ غور و فکر کریں اور اس کے جزئیات کا جائزہ لیں پھر اس قسم کے مذموم منصوبوں کو نابود کرنے کے لئے مناسب حکمت عملی تیار کرنے کی کوشش کریں کیونکہ کسی بھی منصوبے کے مقابلے میں عملی اقدام کرنے سے پہلے ان دو اہم باتوں کا خیال رکھنا اشد ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی اس گفتگو میں سب سے پہلے اس علاقے میں (یعنی مشرق وسطی) میں..... (امریکہ) جن ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہے

اس کے تمام پہلوؤں کے بارے میں تفصیلی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے اس کے بعد ان منصوبوں کے مقابلہ میں مشرق وسطیٰ کے علاقہ کی حکومتوں اور مسلمان اقوام کے ردِ عمل کا بھی تفصیلی جائزہ لیں گے لیکن ان دونوں باتوں سے قبل ہم اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ اس سامراجی سازشی منصوبے کے جو مختلف پہلو ہیں ان کی وجہ سے اگرچہ اس کے اثرات بھی مختلف ہیں لیکن پھر بھی ان تمام پہلوؤں اور اثرات میں جو بنیادی چیز پائی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

القدس پر قابض غاصب حکومت کو اس منصوبے کے ذریعے سیاسی اعتبار سے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ سب کچھ امریکہ کی خواہش کے مطابق ہو رہا ہے کیونکہ اس کا اصل محرک ہی سامراجی امریکہ ہے۔

اوپر ہم نے جس امریکی سازشی منصوبے کا ذکر کیا ہے اس منصوبے کی بنیادی اور اساسی پہلو درج ذیل ہیں۔

لبنان کو ٹارگٹ کرنا

القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت نے جب سامراجی اور صیہونی ذرائع ابلاغ عامہ کی مدد اور تعاون سے لبنان پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنے لئے راستہ ہموار کر لیا تو اس نے ایک غلط اور بے بنیاد سبب کے بہانہ لبنان کے مسلمان افراد پر جارحانہ اور وحشیانہ حملہ کیا تھا چنانچہ اسرائیلی غاصب حکومت کی طرف سے لبنان پر یہ حملہ جو عالمی دہشت گرد امریکہ اور علاقے کی عرب رجعت پسند حکومتوں کی ملی بھگت کے بعد کیا گیا تھا اور جس حملہ میں سامراجی امریکہ اور رجعت پسند سامراجیت کی کٹھ پتلی حکومتوں نے القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کی بھرپور مادی اور معنوی امداد بھی کی تھی اس میں غاصب اسرائیلی حکومت نے لبنان کے مسلمانوں کا جس وحشیانہ انداز سے صابرہ اور شتیلا میں قتل عام کا بازار گرم رکھا تھا اس کی

وجہ سے یہ وحشیانہ اور انسانیت سوز حملہ صیہونیوں اور اس کے حامیوں کے باعث ننگ وعار انسانیت سرشت دنیا والوں کے سامنے اور زیادہ نمایاں اور واضح کرنے کا موجب بن گیا تھا۔

اس وحشیانہ اور جارحانہ حملہ کے دوران القدس پر قابض غاصب اسرائیلی حکومت نے جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی اس پالیسی پر آج بھی صیہونی حکومت عمل پیرا ہے غاصب صیہونی حکومت کی اس پالیسی کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس پالیسی کے پیش نظر اسرائیلی صیہونی حکومت کا کہنا یہ ہے کہ پہلے لقمے کو اچھی طرح چباؤ اور پھر اسے ہضم (ہڑپ) کرنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ یہی وہ پالیسی تھی جس کی بنیاد پر اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت نے لبنان پر حملہ آور ہونے کے ابتدائی ایام سے ہی لبنان پر اپنا دباؤ بڑھانے کی کوشش کی اور اس امر کا ثبوت اس حقیقت سے بخوبی مل جاتا ہے کہ القدس پر قابض صیہونی حکومت نے لبنان پر وحشیانہ حملے کے اوائل سے ہی بیروت کو مکمل طور پر اپنے محاصرہ میں لینے کی کوشش کی تھی اور لبنان کے دیگر شہری مراکز پر اس قدر وحشیانہ حملہ جاری رکھا تھا کہ جن کے پیش نظر وہ (اسرائیل) ایسی صورت حال پیدا کر سکے جس کے نتیجے میں فلسطینی مجاہدین کو لبنان سے نکلنے پر مجبور کیا جا سکے اور آخر کار یہی ہوا اور فلسطینی مظلوم عوام قربانی کے گوشت کی طرح مختلف عرب ممالک کا حصہ بن گئے۔

پھر جب لبنان سے فلسطینی مجاہدین اور عوام کے انخلاء کا کام القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کی خواہش کے مطابق مکمل ہو گیا تو غاصب صیہونی حکومت یہ سمجھ بیٹھی کہ لبنان کو نگلنے (ہڑپ کرنے) کی راہ میں جو بنیادی اور سیاسی رکاوٹ تھی اسے اس نے اپنے راستہ سے ہٹا دیا ہے۔ چنانچہ اسرائیلی غاصب حکومت کی یہی وہ خوش فہمی تھی جس کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکہ کھا گئی اور اپنے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے اقوام عالم کو اپنی دروغ گوئی کے ذریعہ یہ تاثر دینے اور باور کرانے کی کوشش کرنے لگ گئی کہ لبنان کی عوام ہی کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے ملک کو

صیہونیوں کی امداد اور توسط سے غیروں کے وجود سے پاک کر سکیں اور یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے انھوں نے (لبنانیوں نے) صیہونیوں کے ایجنٹوں کا شاندار استقبال کیا تھا۔ حالانکہ صیہونی حکومت اس امر سے بخوبی واقف تھی کہ لبنان کے مسلمان عوام نہ صرف یہ کہ صیہونیوں کا استقبال نہیں کریں گے بلکہ وہ (لبنانی مسلمان) ان صیہونیوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر نبرد آزمائی کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بعد کے تجربات نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا تھا دیہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی اسرائیل کو مندرجہ ذیل دو وجوہات کی بنا پر اس امر کا یقین ہو چکا تھا کہ لقمے کو چبانے کا مرحلہ بخیر و خوبی گزر چکا ہے اور اب اسے ہضم (ہڑپ) کرنے کا راستہ بھی ہموار ہے اس یقین کی دو وجوہات یہ تھیں۔

۱:۔ اس کا خیال تھا کہ فلسطینی مجاہدین کا لبنان سے انخلاء حتمی طور پر لبنان کے عوام پر گہرے اثرات مرتب کرنے کا موجب بنا ہے اور ان اثرات کی بنیاد پر لبنان کے عوام کی خواہشات اور آرزوؤں کو شدت کے ساتھ کچلا جا سکتا ہے۔

۲:۔ صیہونیوں نے فلانجسٹ پارٹی سے تعلق رکھنے والے لبنانی افراد کی امداد اور تعاون سے جن انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا تھا اس کی وجہ سے بھی اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت کو اس امر کا یقین ہو چکا تھا کہ لقمے کو چبانے کا مرحلہ گزر چکا ہے۔ اسرائیلی صیہونی غاصب حکومت نے فلانجسٹیوں کے ساتھ مل کر جس بربریت اور انسانیت سوز اعمال کا ارتکاب کیا تھا ان میں لبنان کے شہروں کی تباہی و بربادی، لبنانی شہروں میں لبنانی مسلمانوں کا وحشیانہ قتل و خون اور ان شہری مراکز پر اسرائیل کا تصرف قابل الذکر ہیں۔ اور یہی وہ بنیادی خیال تھا جس کی وجہ سے صیہونیوں نے امریکہ کی حمایت کے ساتھ لبنان میں جنگ بندی کرنے اور لبنان کے شہروں پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے علاوہ فلانجسٹوں کو اس ملک کا اقتدار دلایا تھا اور لبنان کے عوام کو دھمکیوں اور تہدیدات کے ذریعہ مرعوب کر کے انھیں فلانجسٹوں کا مطیع اور فرمانبردار بنانے کی کوشش کی اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جب

کبھی بھی کسی نے اسرائیلیوں یا فلانجسٹوں کے خلاف آواز بلند کی تو اس صدائے احتجاج بلند کرنے والے کا فوراً گلا دبا دیا گیا یہی نہیں بلکہ انہیں حالات میں اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت نے...... امریکہ کی براہ راست نمائندگی کے ذریعے حکومت لبنان کے ساتھ مذاکرات کے سلسلے کا بھی آغاز کر دیا۔ ابتک ان مذاکرات کے کئی دور ہو چکے ہیں جن کے ذریعے امریکہ نے القدس پر قابض غاصب اسرائیلی صیہونی حکومت کو لبنان کے مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے راہ ہموار کرنے کے پیش نظر زبردستی فیصلے بھی کئے ہیں۔ اور ابھی تک ان مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے جن کے ذریعے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح لبنان کی حکومت کو زبردستی صلح کے لئے آمادہ کیا جا سکے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ مذاکرات جو کہ سہ فریقی مذاکرات ہیں جن میں صیہونی حکومت، سامراجی امریکہ اور حکومت لبنان شامل ہیں۔

ان مذاکرات میں تینوں طرف سے القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کا پلّہ بھاری ہے۔

چنانچہ اگر اس قسم کے مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا اور ان مذاکرات کے ذریعہ کچھ فیصلے کر لئے گئے تو سوچنے کا مقام ہے کہ یہ فیصلے کس قسم کے ہوں گے اور ان سے کس قسم کا فائدہ حاصل ہوگا؟ نیز اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لبنان کی حکومت حقیقی معنوں میں لبنان کے مسلمانوں کی خواہشات کا پوری طرح احترام کرے گی تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بھیڑ اور لومڑی کے درمیان مذاکرات کا کیا مطلب ہے؟ پھر جبکہ اس مختصر مدت کے دوران لبنان کے مسلمان عوام کی طرف سے واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کی جا چکی ہے کہ

ان مذاکرات میں شرکت کرنے والے حکام لبنانی عوام کے نمائندے نہیں ہیں

اور ان کا (حکام کا) لبنان پر قابض حکومت کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ یا فیصلہ کسی قسم کی اتھارٹی نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایسی صورت میں ان مذاکرات کا کیا مطلب ہے؟

بہر حال جیسا ہم نے عرض کیا ہے کہ غاصب اسرائیلی حکومت اپنے اس خیال اور یقین کے پیش نظر کہ لقمے کو چبانے کا مرحلہ گزر چکا ہے اور اب اسے ہضم کرنے کا مرحلہ ہے لبنان کو بھی ہڑپ کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

دیگر ممالک پر یورش یا حملہ آور ہونا

...... امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے علاقے کے لئے جو سازشی منصوبہ تیار کیا ہے اس کا دوسرا پہلو... (بنیادی مقصد) یہ ہے کہ وہ (امریکہ) اس سازشی منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر غاصب اسرائیلی حکومت کے لئے دیگر ممالک پر بھی حملہ آور ہونے کے لئے راہ ہموار کرے اور اس وقت تک اس سازشی منصوبے کو قدرے عملی جامہ پہنایا بھی جا چکا ہے اور اب یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک کو غاصب اسرائیلی حکومت اس طریقے سے اپنی زد میں لے کہ اس کے بعد مشرق وسطیٰ کے علاقہ میں کوئی ملک بھی غاصب صیہونی حکومت اسرائیل اور عالمی دہشت گرد امریکہ کے خلاف مقاومت کی ہمت نہ کر سکے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں اس سازشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا مقصد... اقدس پر غاصب صیہونی حکومت کی گرفت کو اسی حد تک مضبوط کروانا ہے کہ پھر تمام ملت مسلمہ بھی اس کی تاب مقابلہ نہ رکھ سکے۔ اور ترقی پذیر ممالک اس صورت حال سے دوچار ہو جائیں کہ وہ امپریل ازم کے توسیع پسندانہ عزائم کے خلاف آواز بلند کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں بلکہ عالمی سامراجیت کے تسلط کو خاموشی سے قبول کر لیں اور اگر کوئی ترقی پذیر ملک اس کے برعکس کرے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو فلسطین اور لبنان کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جو راہ.. اختیار کی گئی ہے اس کی چند اہم منزلوں کے بارے میں ہم اختصار کے ساتھ اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ اُردن

ابھی تک بارہا القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت اور اُردن کے درمیان صلح اور مفاہمت کے سلسلے میں خبریں پھیلائی جاچکی ہیں جن کا مقصد اس سیاسی چال کے بارے میں عوام کی ذہنی کیفیت کو جاننا ہے تاکہ جب مناسب موقع سمجھا جائے تو وہ مفاہمت جو دونوں ممالک کے درمیان کافی عرصہ سے ہوچکی ہے اس کے بارے میں سرکاری طور پر اعلان کیا جاسکے نیز شاہ حسین کو موجودہ مذاکرات میں شمولیت اختیار کرنے کی جو مہلت دی گئی ہے وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۲۔ اردن اور فلسطین کی متحدہ ریاست کا قیام

لبنان سے فلسطینی مجاہدین اور عوام کے انخلاء کے بعد جو نکتہ خاص باقی رہجاتا ہے وہ یہ ہے کہ ان فلسطینی مجاہدین اور عوام کو عرب ممالک خاص طور پر اردن میں اس طرح نے ضم کردیا جائے جس کے بعد وہ فلسطینی باقی نہ رہیں تاکہ کسی دن اپنے حقوق کی واپسی کے لئے صیہونیت کے خلاف میدان مبارزہ میں نکل کر نہ آسکیں۔

اس وقت یاسر عرفات اور اردن کے شاہ حسین کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ تنظیم آزادی فلسطین کی مجلس عاملہ کے چیرمین کا اسلامی اور عرب ممالک کا یکے بعد دیگرے دورہ کرنا اور یہ خبریں کہ شاہ حسین کو فلسطینیوں کی طرف سے نمائندگی کا حق حاصل ہونا چاہیئے اور اس مقصد کے لئے کی جانے والی کوششیں..... درحقیقت اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت کے ساتھ صلح کرانے اور اس سے بڑھ کر اس غاصب حکومت کو قانونی حیثیت دلانے کے لیے کی جانے والی کوششوں کے تحت ہیں۔

۳۔ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کو وسیع اور عام کرنا

مصر کے سابق صدر سادات نے جب اپنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہدائے اسلام کے پاک اجساد پر پاؤں رکھے اور اسرائیل کا دورہ کیا تھا تو اسی دورہ کے نتیجہ میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ معرض وجود میں آیا تھا جس کے بعد تمام عرب حکومتوں نے

اس کی مخالفت کی اور مصر کی حکومت سب سے کٹ کر الگ ایک تنہا حکومت رہ گئی اس کے بعد سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق جو حوادث و واقعات رونما ہوئے وہ سب اس ناپاک منصوبے کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں ہی تھے۔ پھر جب انقلاب اسلامی اپنی فتح و کامرانی کی منزل سے ہمکنار ہوا تو اس انقلاب کے ردِ عمل کے پیش نظر اس انقلاب سے مقابلہ کرنے کے لئے اس سازشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی رفتار تیز کردی گئی۔ جس کے نتیجہ میں سعودی عرب کے شاہ فہد کی طرف سے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے شایہ ایک منصوبہ (فارمولا) پیش کیا گیا۔

لیکن اس موقع پر اسلامی جمہوریہ ایران نے اس سازش کو ناکام بنادیا اور پہلی فیض کانفرنس کو مکمل طور پر شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

مگر القدس پر قابض غاصب اسرائیلی حکومت کی طرف سے لبنان پر مسلح حملہ نے دوسری فیض کانفرنس کے لئے راستہ ہموار کردیا اور یہ کانفرنس (دوسری فیض کانفرنس) اس بات کا سبب بن گئی کہ عرب رجعت پسند حکومتیں جلد از جلد اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت کو ایک باقاعدہ حکومت کے عنوان سے تسلیم کرسکیں جس کے نتیجہ میں القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کے ساتھ صلح کے لئے اقدامات کئے جاسکیں۔

۴: سوریہ (شام) | مسلمان ملک سوریہ جو ابھی تک صیہونیت کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مدِ مقابل بن کر کھڑا ہے اور اپنے موقف پر سختی سے کاربند ہے اسے ہر لمحہ امریکی ایجنٹوں کی طرف سے یہ دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ اسے (سوریہ کو) وہ اپنے حملہ کا شکار بنائیں گے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سوریہ پر حملہ اس سامراجی منصوبے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جس کا ایک پہلو مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک کو بھی اسرائیلی غاصب صیہونی حکومت کے حملوں کا شکار بنانا ہے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے دوسرے مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کام کے لئے کئی راستوں کا ہموار ہونا ضروری ہے اور ہمارے خیال کے مطابق

ابھی وہ راستے ہموار نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ حملہ ایک ایسے وقت میں کیا جائے گا جب صیہونیت اور سامراجیت امریکہ اور مشرق وسطیٰ کی رجعت پسند حکومتوں کے تعاون سے سیاسی اور فوجی اعتبار سے اپنے لئے راہ ہموار کرے گی۔

اس وقت سوریہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں جو دی جارہی ہیں اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ سوریہ کی حکومت کو ہراساں کیا جاسکے تاکہ وہ (سوریہ) اس حملہ کے سدباب کے لئے کوششوں میں مصروف ہو کر القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کی پالیسی کے خلاف کھل کر سامنے نہ آسکے یا علی الاعلان اپنے موقف میں احتیاط کا رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

ج: اسلامی تحریک پر یورش اور حملہ

مذکورہ بالا اس سامراجی سازشی منصوبے کا تیسرا مرحلہ جسے آخری مرحلہ بھی کہا جاسکتا ہے وہ اس علاقے یعنی مشرق وسطیٰ میں بڑھتی ہوئی اسلامی تحریک پر یورش اور حملہ کر کے اسے پوری طرح کچلنا ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لئے سامراجیت باقی دو مراحل کے مقابلے میں نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے قدم آگے بڑھا رہی ہے چنانچہ یہ کہنا زیادہ بجا ہوگا کہ عالمی سامراجیت کے اس ناپاک سازشی منصوبے کا آخری اور اصل ہدف بھی یہی ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں ابھرنے والی اسلامی تحریک کی مکمل طور پر سرکوبی کر سکے اور اس سازش کے ذریعے انقلاب اسلامی کے مرکز یعنی ملک ایران ہی کو عالمی سامراجیت نے نے اپنا محور و مرکز یورش قرار دے رکھا ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر سامراجی امریکہ کی خواہش یہی ہے کہ وہ اپنے تمام تر اقتصادی و فوجی امکانات و وسائل کے ذریعے تمام اسلامی ممالک سے بھرپور استفادہ حاصل کر سکے اور ان علاقوں میں عوام کی طرف سے جو بھی اسلامی تحریک سر ابھارنے کی کوشش کرے اس کی فوری طور پر سرکوبی کر سکے۔ چنانچہ القدس پر قابض غاصب صیہونی حکومت کے حکام کا لبنان میں یکے بعد دیگرے آمد و رفت کا سلسلہ بھی صرف اسی وجہ سے ہے کہ امریکی سازشی

منصوبے کے دوسرے مرحلے کے ذریعے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے دامن کو مزید پھیلایا جائے اور اردن کے توسط سے فلسطینی اور اردنی متحدہ ریاست کے قیام کے ذریعے فلسطینی تحریک مزاحمت کو سازش کا شکار بنا کر ہمیشہ کے لئے نابود کر دیا جائے تاکہ مشرق وسطی میں سامراجیت کے خلاف اُبھرنے والی مزاحمتی قوتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں اسرائیلی غاصب حکومت کو اس علاقے میں استحکام حاصل ہو جائے جس کے بعد امپریل ازم اپنی کٹھ پتلی حکومتوں کے تعاون اور امداد سے اسلامی جمہوریہ ایران پر کاری ضرب لگانے کے لئے اسرائیلی غاصب حکومت کو راہ فراہم کر سکے لیکن عالمی سامراجیت اس امر سے غافل ہے کہ ارشاد خداوندی ہے۔

مکروا و مکر اللہ و اللہ خیر الماکرین

سامراجی امریکہ نے مسلمانوں کی طرف سے اُبھرنے والی تحریکیوں کو نابود کرنے کے لئے انقلاب اسلامی کے مرکز ایران کو سرفہرست اس لئے قرار دے رکھا ہے کیونکہ اسے اس امر کا پوری طرح احساس ہے کہ اسلامی ملک ایران انقلاب اسلامی کو جس عظیم الشان فتح و ظفر اور کامیابی و کامرانی کا سامنا ہے اس کی وجہ سے

"دنیا بھر کے مسلمانوں اور مستضعفین کے لئے ایک ایسی راہ کشادہ ہو گئی ہے جس پر گامزن رہ کر امت مسلمہ اور مستضعفین عالم کفر و شرک اور سامراجیت و استحصال پسند عناصر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔"

اگرچہ اس ضمن میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس انقلاب اسلامی کے کھل کر سامنے آنے سے قبل عالمی امپریلزم اور صیہونیت کے خلاف مسلمانوں اور مستضعفین عالم کی جدوجہد کا وجود نہیں تھا لیکن پھر بھی ہم اس حقیقت کو واضح کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ انقلاب اسلامی کے معرض وجود میں آنے سے قبل امپریلزم اور صیہونیت کے خلاف مستضعفین عالم جس جدوجہد اور مزاحمت کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ پوری طرح

صحیح خطوط پر استوار نہ تھی۔ لہٰذا اس جد و جہد اور مزاحمت کے ذریعے قطعی اور یقینی کامیابی و کامرانی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی، اس کا سبب یہ بھی تھا کہ انقلاب اسلامی کے رونما ہونے سے قبل عالمی امپیریلزم اور صیہونیت کے خلاف مزاحمتی عمل کا سرچشمہ قومی مفادات کی حدود تھا۔ اور یہ مزاحمت ایسی ہمہ گیر نہیں تھی، کہ تمام دنیا کے مستضعفین کو ایک جگہ اکٹھا کر سکے۔

لیکن انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی اور کامرانی کے بعد عالمی سامراجیت صیہونیت، اور استحصالی قوتوں کے خلاف دنیا کے مستضعفین کی یہ جد و جہد اور مزاحمت ہمہ گیر صورت اختیار کرنے لگی ہے کیونکہ اُمت مسلمہ اور مستضعفین عالم کو اس امر کا یقین ہو گیا ہے کہ وہ چیز جس کا انہیں ایک عرصۂ دراز سے انتظار تھا وہ اب انقلاب اسلامی ایران کی شکل و صورت میں ان کے سامنے ظاہر ہو چکی ہے۔ اور اس صورتحال کا اصل سبب ایران کی سرزمین سے اُبھرنے والی اسلامی تحریک کے وہ اصول و افکار ہیں جنہوں نے اس اسلامی تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دلوں کو تسخیر کر لیا اور مسلمان اسے خداوند عز و جل کی خاطر اپنے خدا ہی کی امداد و نصرت سے آگے بڑھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بہر حال مذکورہ بالا تفصیلی گفتگو کے ذریعے سامراجی امریکہ نے جو سازشی منصوبہ تیار کیا ہے اور جس کے ذریعہ..... مشرق وسطیٰ کے علاقے میں اپنی چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں ہے، اس کے اہم اساسی اور بنیادی تینوں مراحل کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے چنانچہ ہم اس سازشی منصوبے کے بنیادی تین مراحل کے بارے میں اپنی گفتگو کو ختم کرنے کے بعد اب اپنی گفتگو کا آغاز اس سازشی منصوبے کے مذکورہ بالا تین مراحل کے مطابق اس کے مقابلہ میں مشرق وسطیٰ کے علاقہ کے مسلمانوں اور حکومتوں کے ردعمل کے بارے میں کرتے ہیں یعنی سامراجی امریکہ نے اس سازشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جب اس کے تین مراحل کو طے کرنا شروع کیا، تو اس پر کون سا ردعمل رونما ہوا۔

لبنان کو ہڑپ کرنے کے مرحلے میں

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عالمی امپیریلزم اور صیہونیت کے تمام تر ذرائع ابلاغ نے اس مرحلے سے گزرنے کے دوران اپنے جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے اقوام عالم پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی تھی کہ لبنان سے فلسطینی مجاہدین اور عوام کے انخلاء کے مسئلہ کی تکمیل کے بعد لبنان میں صیہونیت کے خلاف مزاحمت کا عمل مکمل طور پر نابود ہو چکا ہے نیز لبنانی باشندے خود اس امر کے متقاضی اور خواہش مند تھے کہ فلسطینیوں کو ان کے ملک سے نکال دیا جائے اور صیہونی ان کے ملک لبنان میں وارد ہوں۔ اور یہی وہ پروپیگنڈہ تھا جس کے پیش نظر صیہونیت اس امر کی کوشش کرتی رہی کہ لبنان میں اس کے خلاف مزاحمت کی قوت زور نہ پکڑ سکے۔ اگرچہ یہ دوسری بات ہے کہ بعد کے حالات و واقعات نے اس امر کی نشاندہی کر دی کہ سامراجیت اور صیہونیت کی طرف سے جو پروپیگنڈہ کیا گیا تھا وہ حقیقت سے قطعی دور تھا اور نہایت زہریلا اور بے بنیاد تھا۔

لبنان سے فلسطینیوں کے انخلاء کے باوجود لبنانی مسلمانوں کی طرف سے القدس پر قابض صیہونی حکومت کی افواج پر مسلسل حملوں کا سلسلہ اس امر کا ثبوت ہے، کہ اگرچہ فلسطینیوں کو لبنان کی سرزمین سے نکالا جا چکا ہے لیکن پھر بھی لبنان کے مسلمان صیہونیت اور سامراجیت کا مقابلہ ماضی کی طرح بھرپور جد و جہد کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اور صیہونیت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تحریک مزاحمت جاری اور باقی ہے اس ضمن میں ہم اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ جب تک غاصب صیہونی حکومت لبنان کی سرزمین پر اپنا ناجائز تسلط اور قبضہ باقی رکھنے کی کوشش کرے گی اس وقت تک غاصب صیہونیت کو لبنان کی طرف سے داخلی طور پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جب غاصب حکومت لبنان سے اپنا ناجائز تسلط ختم بھی کر دے گی۔ تب بھی کیونکہ لبنان کے مسلمان القدس پر قابض صیہونی حکومت کے توسیع پسندانہ عزائم اور مکر و فریب کی پالیسیوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں اس لئے لبنان

کی مسلمان عوام صیہونیت کے خلاف اپنی جد وجہد اور تحریک مزاحمت کو جاری رکھیں گی

ب: لبنان میں اسلامی خطوط کے مطابق تحریک مزاحمت

وہ چیز جسے اساسی اور بنیادی لحاظ سے بیحد اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ لبنان میں صیہونیت اور سامراجیت کے خلاف ایک ایسی نئی تحریک مزاحمت کھل کر سامنے آگئی ہے جو ماضی میں نمایاں طور پر سامنے نہیں آسکی تھی اور یہ نئی تحریک مزاحمت جو صحیح معنی میں اسلامی خطوط پر استوار ہے اس کے ذریعے لبنان کے مسلمان القدس پر قابض صیہونی حکومت کے خلاف پوری طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ نیز یہ ایسی تحریک مزاحمت ہے جس سے وابستہ مسلمان نہ صرف یہ کہ کسی بھی صورت میں صیہونیت سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی آرزو یہ ہے کہ

ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم اسرائیل کے دشمن ہیں۔ اور اگر ہمیں اس دشمنی کی وجہ سے زندانوں کی سختیاں بھی برداشت کرنی پڑیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم اسلام کی سربلندی کے اور اپنے ملک کی آزادی کی راہ میں مصروف مبارزہ ہیں۔

(یاد رہے کہ یہ الفاظ عبد الامیر قبلان مفتی کے ہیں جن کا تعلق لبنان سے ہے) اس امر کا ثبوت کہ تحریک مزاحمت اپنی جد وجہد کو اسلامی خطوط کے مطابق آگے بڑھا رہی ہے یہ ہے کہ اس تحریک کی صف اول میں لبنان کے علماء اور روحانیین ہیں، جن کے پیچھے لبنان کے مسلمان لوگ سر بکف چل رہے ہیں اور ان لبنانی علمائے اعلام کی قیادت نے ہی اس تحریک مزاحمت کو ایک حیات نو عطا کی ہے۔ اس تحریک کے قائد علمائے اعلام کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں اسرائیلی غاصب حکومت سے تعاون یا اسرائیلی اشیاء کی خرید وفروخت کو مکمل طور پر حرام قرار دے دیا گیا ہے اور یہی وہ طرز عمل ہے جو اس تحریک مزاحمت کی خصوصیات

کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس مقام پر اس مسئلے کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہوگا کہ لبنان کے امام جمعہ جناب شیخ راغب حرب کو صیہونیوں نے ہی قید کیا تھا جناب شیخ راغب حرب ان مایۂ ناز علمائے اعلام میں سے ہیں جنہوں نے اس اسلامی تحریکِ مزاحمت کی رہبری اور قیادت میں بھر پور کردار ادا کیا۔ موصوف نے حال ہی میں اسلامی جمہوریۂ ایران کا دورہ بھی کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ صیہونیوں نے انھیں قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا ہے۔ لیکن ان کی گرفتاری کی وجہ سے لبنان کے مسلمانوں کا جوش و ولولہ بڑھ گیا ہے اور یہی وہ جوش اور ولولہ ہے جس کی وجہ سے لبنان کی مسلمان ملت نے جب صیہونیت کے خلاف اجتماعی طور پر ایسے مظاہرات کیے جو اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئے تھے تو صیہونی مجبور ہو گئے کہ شیخ راغب حرب اور ان کے ساتھیوں کو زندان سے آزاد کر دیں۔ اس اسلامی تحریک مزاحمت نے لبنان میں جو کردار ادا کیا ہے وہ اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اسلامی تحریک کو دوام دے کر ہی بڑے سے بڑے مقاصد و اہداف کا حصول سہل ہو سکتا ہے شیخ محمد الامین قاضی جعفری جن کا تعلق شہر صیدا سے ہے کہتے ہیں۔

ہم شیخ راغب حرب اور بعض دیگر افراد کے آزاد ہونے پر ہی اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اپنے ملک کی مکمل آزادی تک اپنی اس تحریک مزاحمت کو بھر پور طریقہ سے جاری رکھیں گے۔

ج:۔ سازش کے ذریعے صیہونیوں کے ساتھ صلح کے مسئلے کو رد کرنا

لبنان کے مسلمانوں کی اس تحریک مزاحمت نے صیہونیوں کے ساتھ کسی قسم کے صلح یا سمجھوتہ کے امکان کو پوری طرح رد کر دیا ہے۔ کیونکہ انہیں احساس ہے کہ زبردستی ٹھونسی گئی صلح کو قبول کر لینا ان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے اور خود یہ صیہونیت اور سامراجیت

کے تسلّط کو مزید فروغ دینے کے مترادف ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ کیا فلسطین کی مجاہد ملّت ان لوگوں کے ساتھ صلح کرنے کا تصور بھی کر سکتی ہے جنہوں نے اب تک ان کے (فلسطینوں) کے خلاف ہر قسم کی بربریت اور ظلم وستم کو روا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔؟

یہ ایک فطری امر ہے کہ مشرق وسطیٰ کی مسلمان اقوام خود پر زبردستی ٹھونسی جانے والی صلح کے خلاف ہر صورت میں صدائے احتجاج بلند کریں گے اور اس ناپاک سازش کو نابود کرنے کے لیے ہر قسم کے ممکنہ اقدام سے گریز نہیں کریں گے کیونکہ سب سے پہلی صلح یا سمجھوتہ جو مصر کی حکومت اور غاصب صیہونی حکومت کے درمیان ہوا تھا۔ اُس کے ثمرات ونتائج اس علاقے کے مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ نیز مصر کے سابق خائن صدر سادات کے مقدر کا بھی وہ عینی طور پر مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب وہ لوگ جو اس راہ میں قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں انھیں بھی اس امر کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ ان کا سرانجام وہی ہوگا جو سادات کا ہوا تھا۔ اسلیئے اگر وہ اس سرانجام کو پہنچنا چاہتے ہیں تو اپنے عمل کو جاری رکھتے ہوئے ذلت کا انتظار کریں۔

یہاں اس امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ سامراجیت کی طرف سے مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر جس زبردستی صلح کو ٹھونسنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کی حقیقت اور اصلیت کو اسلامی ملک ایران کے خلاف عراقی بعثی حکومت نے جو زبردستی جنگ ٹھونس رکھی ہے۔ اس کے ذریعہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت صیہونی ایجنٹ صدام کی بھی یہی کوشش ہے کہ وہ ایک خفت آمیز صلح کو ایران پر مسلط کر سکے۔ چنانچہ صدام کی یہ کوشش بھی اس کی صیہونیت کے ساتھ مشابہت کا نشان دیتی ہے۔ لیکن صدام اپنی اس مذموم کوشش میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ایران کی انقلابی اور مسلمان ملّت صدامیوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ کر اپنے

احقوق سے دفاع کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کر چکی ہے۔

۶۔ اسرائیل کا نابود ہو جانا ہمیں یقین کامل ہے کہ آخر کار اس علاقہ یعنی مشرق وسطیٰ کے علاقے میں اپنے ایک اساسی اور بنیادی ہدف کو حاصل کرنے میں انقلاب اسلامی کامیاب ہو کر رہے گا نیز اس وقت انقلاب اسلامی کو اس مقصد میں کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہو چکی ہے وہ ہدف یہ ہے کہ انقلاب اسلامی نے اس علاقے کے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر کے پوری طرح بیدار کر دیا ہے کہ وہ غاصب حکومت جس نے فلسطین کی اسلامی سرزمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے وہ ایک غاصب حکومت ہے چنانچہ اس کا (اسرائیلی صیہونی حکومت کا) مکمل طور پر نابود ہونا اشد ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے علاقے کے مسلمانوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق صیہونیت کا مقابلہ کرنا چاہئے چنانچہ اگرچہ طویل مدت کے بعد ہی سہی لیکن پھر بھی یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر دنیا کے مسلمان آپس میں متحد ہو جائیں۔ آپس میں ایسا اتفاق و اتحاد پیدا کر لیں جسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت گزند نہ پہنچا سکے تو اسرائیل کی موت کا دن ضرور آئے گا۔ اور ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں ہے جس روز انقلاب اسلامی تمام تر سامراجی سازشوں کے ہوتے ہوئے بھی اس پورے علاقے کو مقدس اسلامی تحریک کے نور سے ضوفشاں کر دے گا جس کے نتیجہ میں وہ دن قریب آ جائے گا جب دنیا کے تمام مسلمان مکمل اتحاد و اتفاق اور یگانگت کے ذریعے عالمی سامراجیت اور صیہونیت کی تمام تر سازشوں کو کچل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسرائیل جو کہ ایک کفر و الحاد کا جرثومہ ہے اسے مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں گے۔ اور یہ وہی دن ہو گا جس دن آدھا ہے گی۔

جاء الحق و زهق الباطل إن الباطل كان زهوقاً

والسلام

حضرت امام خمینی کے اقوال | رہبر انقلاب اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینی کے چند انقلابی اور حیات افروز

اقوال

سروش - تہران۔

۱۳۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کو چاہیئے کہ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں اٹھ کھڑے ہوں اور خدا و اسلام کے جھنڈے تلے اپنے اصلی حقوق کا دفاع کریں اور ظالموں کے ہاتھوں کو خاص طور سے مغرب و مشرق کی عالمی طاقتوں کے ہاتھ قطع کریں، اور ڈیموکریسی کے مدعی ڈکٹیٹروں کو نیچا دکھا دیں، ہم اس وقت ایک عظیم جشن منائیں گے جب مستکبرین پر مستضعف غلبہ حاصل کریں اور ان کو ہمیشہ کے لئے گوشہ گزیں کر دیں اور مسلمان پورے اتحاد کے ساتھ توحید کے جھنڈے تلے ان ظالموں کے اثر و رسوخ کو اپنے ملک سے ختم کر دیں ———

ہم اسلام عظیم کی پیروی میں تمام مستضعفین کی حمایت کر رہے ہیں ———

دو مسلمانوں کے درمیان جو دو مختلف زبانیں بولتے ہیں جُدائی نہیں ہے ———

امریکا عدل و انصاف کا مخالف ہے۔ انسانی حقوق کا مخالف ہے ———

ہم سب دینی بھائی ایک صف میں، برادران اسلامی اور برادران ایمانی ایک ساتھ اسلام عظیم کے لئے کوشش کریں اور بڑھتے رہیں ———

آپ خداوند تعالیٰ اور قرآن پاک پر بھروسہ کر کے قدم آگے بڑھایئے تاکہ کامیابی حاصل کر سکیں ———

اسلام ایسا دین ہے جس میں احکام الٰہی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

اے مسلمانو! اور دنیا کے مستضعفین! متحد ہو جاؤ، خداوند تعالیٰ کی طرف اپنا رُخ کرو اور اسلام کے زیر سایہ مستکبرینِ عالم کو جنھوں نے مستضعفین کے حقوق غصب کئے ہیں شکست فاش دو ۔۔۔۔۔۔

جان لو کہ اختلاف اور تفرقہ تمام بد نصیبی اور اسیری کا سرچشمہ ہے ۔۔۔۔۔۔

غیروں پر بھروسہ کرنے سے پرہیز کرو، اور ہر لحاظ سے اپنے استقلال کا بیمہ کرو۔

مغرب زدہ لوگوں کے شور و غل سے نہ ڈرو، خداوند عالم تمہارے ساتھ ہے۔

طلاب علوم دینی اور یونیورسٹیوں کے طلبا۔ معاشرے کے دو اہم اور متفکر طبقے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں طبقے انسان ساز ہیں، ان دونوں کے درمیان جدائی ڈالنے کی دوسرے کوشش کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔

معزز بھائیو اور بہنو! جس ملک سے بھی آپ کا تعلق ہے آپکو وہاں اپنی اسلامی اور قومی حیثیت کا دفاع کرنا چاہیئے۔ آپ اپنے دشمن یعنی امریکہ، بین الاقوامی صیہونیت اور مغرب کی بڑی طاقتوں کی پرواہ کئے بغیر اسلامی ملکوں کا دفاع کریں، اور اسلام کے دشمنوں کے مظالم کو برملا کریں ۔۔۔۔۔۔

میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! آپ آگاہ ہیں کہ ہمارے تمام مادی اور معنوی مفادات سے مشرق و مغرب کی بڑی طاقتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں اور ہمیں فقر میں مبتلا کر کے، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور فوجی لحاظ سے اپنا محتاج بنا رکھا ہے

خانہ خدا کے چاروں طرف طواف کرنا اس بات کی علامت ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور اور کا طواف مت کرو۔ ۔۔۔۔۔۔

خدا نے فرمایا ہے "اِنْ تَقُومُوْ" جس کا مقصد یہ ہے کہ بیدار ہو جاؤ، بیدار ہونا بھی قیام کی ایک قسم ہے۔ دنیا میں جتنی تحریکیں چلائی جاتی ہیں قیام ہیں۔ یعنی خواب بیداری کے بعد قیام ۔۔۔۔۔۔

ہم دنیا کے حریت پسند مجاہدوں، فلسطین، لبنان، فلپائن، عراق، افغانستان کے اور تمام مسلمانوں نیز عام طور سے تیسری دنیا کے مستضعفین سے گرم جوشی کے ساتھ برادری کا ہاتھ ملاتے ہیں

مجھے اسلامی دنیا پر حیرت ہے، اتنی ثروت، اور امکانات رکھنے کے باوجود یہ جانتے ہیں کہ اگر ایک روز تیل بند ہو گیا تو امریکہ اور یورپ میں افراتفری پھیل جائے گی، اس کے باوجود تیل کے ذخیروں کو وہ لوگ لئے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیس لاکھ یہودیوں کے مقابلے میں ایک ارب مسلمانوں کو منہ کی کھانی پڑ رہی ہے

وہ زمانہ گیا جب امریکہ اپنی فوج اور ہتھیاروں کے زور سے دوسرے ملکوں پر قبضہ کر لیتا تھا۔

اے انسانوں کے بیکراں سمندر! اٹھو اور اپنی اسلامی اور قومی فطرت کا دفاع کرو

اے دنیا کے مسلمانوں، آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم وہی تھے جنہوں نے صدر اسلام میں کم ہونے کے باوجود بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کر کے انھیں شکست دی تھی۔ اور ایک بڑی اسلامی امت قائم کی۔ آج تمہاری تعداد ایک ارب ہے اور تمہارے پاس گراں بہا قدرتی خزانے ہیں جو تمہارے لئے زبردست حربہ ہیں۔ اس کے باوجود تم دشمن کے مقابلے میں اس قدر کمزور ہو۔

اب ایران کی آزاد قوم تمام عالم کے مستضعفوں کی پوری طور پر حمایت کرتی ہے جو ظالموں اور ٹینکوں اور سنگینوں کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے ہیں ہم دنیا کی ہر اس تنظیم آزادی کی حمایت کرتے ہیں جو خدا کی راہ میں حق و آزادی کی خاطر جد و جہد میں مشغول ہیں

ہم کو چاہیئے کہ متحد ہو جائیں اور اپنی ایمانی طاقت سے اسرائیل کو جو فساد کی جڑ ہے صفحہ ہستی سے نابود کر دیں۔

اے تمام دنیا کی مستضعف قومو! اٹھ کھڑی ہو، اپنے حق کو پہچانو۔ طاقتوروں کے متانہ تعروں سے نہ ڈرو کیونکہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ یہ زمین تمہارا ورثہ ہے اور خدائے تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اے دنیا کے مظلوم لوگو! تم خواہ کسی ملک سے ہو، اپنے ہوش و حواس قائم رکھو۔ امریکہ اور روس کے احمق جارحیت پسندوں سے ہرگز نہ ڈرو، دنیا میں ان کا قافیہ اس طرح تنگ کردو کہ کہیں ان کا ٹھکانہ نہ ہو، اور مکوں کے ذریعے ان سے اپنا حق وصول کرو۔

اے مسلمانو! تم کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو یا کسی بھی فرقے سے، دشمن کو اپنے سے دور کردو اور قرآن کریم کے اس فرمان کی جان و دل سے اطاعت کرو

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

ہم تمام زیر تسلط ملکوں کی آزادی اور استقلال کے حصول کی مکمل حمایت کرتے ہیں اور ان سے واضح طور پر کہتے ہیں کہ حق وصول کرنے کی چیز ہے۔ قیام کیجئے اور بڑی طاقتوں کو تاریخ اور روزگار کے صفحات سے ہٹا ڈالئے۔

امریکہ اور بڑی طاقتوں کے ہاتھ کہنیوں تک ہمارے جوانوں اور دنیا کے مظلوم اور مجاہد عوام کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے خون کے آخری قطرہ تک ان سے مقابلہ کریں گے کیونکہ ہم مرد میدان ہیں۔

جب تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ تمام دنیا میں نہ گونجے، مقابلہ موجود ہے اور جب تک دنیا کے کسی گوشے میں بھی متکبروں کے خلاف مقابلہ ہے، ہم موجود ہیں۔

ہم اسرائیل کے مقابلے میں لبنان اور فلسطین کے بے یار و مددگار عوام کا دفاع کرتے ہیں، فساد کا کیڑا اسرائیل ہمیشہ امریکہ کا اڈا رہا ہے۔

ہم سب کو قیام کرنا چاہیئے تاکہ اسرائیل کو نابود کردیں اور فلسطین کی بہادر قوم کو اس کا جانشین بنائیں۔

مجھے امید ہے کہ پندرہویں صدی ہجری عظیم بتوں کو توڑنے اور شرک و زندقہ کے

بجائے اسلام و توحید کی جانشینی ستمگری اور بے انصافی کے بجائے عدلِ اسلامی اور انصاف کی برقراری، اور بد تہذیب آدم خوروں کے بجائے تہذیب انسانوں کی صدی ہو گی

اے دنیا کے غیرتمند مسلمانو! غفلت کی نیند سے اٹھو، اسلام اور اسلامی ممالک کو استعمار کرنے والوں اور اُن سے وابستہ لوگوں سے نجات دلاؤ ——

ہمارے لیے جارح مشرق اور مجرم مغرب میں کوئی فرق نہیں ——

ہم جنگ کریں گے اور چونکہ حق کی جیت ہے۔ ہم فاتح ہوں گے ——

میرے عزیز دوستو! جان لو کہ کمیونسٹ طاقتوں کا خطرہ امریکہ سے کم نہیں اور امریکہ کا خطرہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر ذرا سی بھی غفلت سے کام لیا تو نابود ہو جاؤ گے ——

ہمیں چاہیئے کہ اپنے انقلاب کو دنیا میں پھیلانے کے لئے کوشش کریں اور اس خیال کو چھوڑ دو کہ ہم اپنے انقلاب کو برآمد نہیں کریں گے کیونکہ اسلام، مسلمان ملکوں کے درمیان کسی فرق کا قائل نہیں ہے اور دنیا کے تمام غریبوں کا حامی ہے ——

ہمارا فرض ہے کہ ظالموں کے خلاف جہاد کریں اگر انھیں شکست دے سکیں تو کیا بہتر اور اگر نہ دے سکیں تو ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا ——

میرے عزیز بھائیو! میری امیدیں آپ لوگوں ہی سے وابستہ ہیں۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں اسلحہ اٹھائے اور اپنی عزت و شرافت کا اس طرح دفاع کرو کہ انھیں آپکے خلاف سوچنے کی طاقت بھی نہ رہے ——

آپ یہ جان لیں کہ شہید ہوئے تو کامیاب اور دشمن پر فتح پائی تو بھی کامیاب یہ صدرِ اسلام کی کامیابی کا راز ہے ——

مسلمانوں کی ثقافت غنی ترین ثقافت تھی اور ہے تاہم افسوس ہے کہ مسلمان اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ بیدار ہو جائیں۔ میں حکومتوں کو نہیں کہتا کیونکہ میں ان میں اکثر سے مایوس ہوں۔ لیکن قوموں کو چاہیئے کہ بیدار ہوں اور سب ہی اسلام کے جھنڈے

کے نیچے اور قرآن کے زیر سایہ جمع ہو جائیں ۔

وہی جو کمیونسٹ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں خود سب سے زیادہ ظالم اور سب سے بڑھ کر ڈکٹیٹر ہیں اور اپنی قوموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان ملکوں میں کسی کو آزادی میسر نہیں ہے ۔

مستضعفین قریب قریب بیدار ہو چکے ہیں اور مکمل اکثریت اُن کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد ظلم کی بساط الٹ دی جائے گی ۔

اب اے ملت اسلام اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ پر ہے کہ ہمارے امام دو عظیم حسین بن علی السلام کی پیروی کریں اور جاں بازی کے ساتھ اسلامی انقلاب کی پاسداری کریں۔

شیعہ اور سنی بھائیوں کو چاہیئے کہ ہر طرح کے اختلافات سے بچیں آج ہم میں اختلاف صرف ان کے فائدے میں ہے کہ نہ شیعہ مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی حنفی مذہب پر یا دوسرے فرقوں پر ۔

اگر مسلمان باہم اتفاق پیدا کریں اور اتحاد کر لیں تو قدس کا مسئلہ پیش آئے نہ افغانستان کا اور نہ ہی کسی دوسری جگہ مسلمانوں کے لیے مسائل پیش آئیں ۔

وگر اسلامی حکومتیں سعی کریں اور اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کریں، اسلام کو اپنا ہدف بنالیں، قومی نظریے کو چھوڑ دیں، عربیت کی بات نہ کریں اور فقط اسلامی نقطۂ نظر رہے۔ ترکیت کو چھوڑ دیں اور اسلام کی راہ پر گامزن ہوں تو ہماری تمام مشکلات حل ہو جائیں ۔

ہمیں چاہیئے کہ اپنا انقلاب، اپنا ثقافتی انقلاب، اپنا اسلامی انقلاب، ہر ملک میں پھیلائیں، اور جب انقلاب پھیل گیا تو جہاں بھی یہ انقلاب جائے گا، مشکلات حل ہوتی چلی جائیں گی ۔

انقلاب اسلامی ایران پر ہمارا تبصرہ | مذکورہ بالا اقتباسات پیش کرنے کے بعد اب ہم انقلاب اسلامی ایران پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں :-

امام خمینی کے اقوال و افکار ادارۂ اتحاد امّت کے بنیادی اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ ہیں جیسی طرح ہم مسلمانوں کے مشترکہ دشمنوں سے اسلام کا دفاع کرنے کے لیے مسلمانانِ عالم کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں. اسی طرح امام خمینی بھی دشمنانِ اسلام کے خلاف عالم اسلام کو متحد کرنا چاہتے رہیں. ان کی مساعئ جمیلہ محض تحریری اور تقریری بیانات تک ہی محدود نہیں ہیں. بلکہ گزشتہ چار سال کے دوران ایرانی مسلمانوں نے ان کی قیادت میں اُن افکار کو عملی جامہ بھی پہنایا ہے. خصوصاً یہودیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بیروت میں اپنی افواج کو بھیج کر انھوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے عرب بھائیوں کے دوش بدوش مسلمانوں کے سب سے زیادہ خطرناک مشترکہ دشمن یعنی یہودیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہے اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں. یہ اقدام دشمنانِ اسلام کے اُس گمراہ کن پروپیگنڈے کی بھی نفی کر دیتا ہے جو انھوں نے یہودیوں سے اسلحہ حاصل کرنے کا بے بنیاد الزام لگا کر ایران کے خلاف کیا تھا. تا کہ مسلمانانِ عالم ایرانیوں سے بدظن ہو جائیں.

اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہودیوں نے امریکہ کی سرپرستی اور پشت پناہی کے بل بوتے پر عربوں کو ناقابلِ تلافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے اور اب بھی پہنچا رہے ہیں. اُن کے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کیا اور بیروت کے بے گناہ عربوں پر جن میں بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں وہ انسانیت سوز مظالم ڈھائے جن کو سُن کر ہلاکو اور چنگیز خان کے مظالم کی یاد تازہ ہو گئی لہٰذا اسلامی اخوت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تمام عرب ممالک اُن ظالموں کے خلاف صف آرا ہو جاتے لیکن جو کام عربوں کو کرنا چاہیئے تھا وہ ایرانیوں نے انجام دیا اور اپنے اس عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ عربوں کے حقیقی دوست اور یہودیوں

کے جانی دشمن ہیں۔ اگر ایران نے یہودیوں سے اسلحہ لیا ہوتا یا اُن کا دوست ہوتا تو یہ عملی قدم ہرگز نہ اٹھاتا۔ اور بہانگ دہل بار بار یہ اعلان نہ کرتا کہ یہودیوں اور اُن کے سرپرستوں کے خلاف تمام مسلمانانِ عالم کو متحد ہو کر جہاد کرنا چاہیئے۔ اس حقیقت کے پیش نظر بھی اگر کوئی ایرانیوں کو عربوں کا دوست نہ سمجھے اور عرب و عجم کی دیرینہ تفریق کو ہوا دیکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری خطبے کی خلاف ورزی کرے تو کیا آپ اس کو درست تسلیم کرلیں گے؟

اس منزل پر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ایران عربوں کا دوست ہے تو وہ عراق ایران جنگ بند کیوں نہیں کر دیتا جب کہ عراق جنگ بندی کے لئے تیار ہے تو اس سلسلے میں ایران کا مؤقف یہ ہے کہ وہ بھی جنگ بندی کے لئے تیار ہے بشرطیکہ (۱) عراق غیر مشروط طور پر ایران کے مقبوضہ علاقوں کو خالی کر دے (۲) جنگ کا تاوان ادا کرے اور (۳) جارح کو اس کے جرائم کی سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی طالع آزما کو دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بن کر کسی اسلامی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔

یہ تینوں شرائط حق بجانب ہیں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمکو حسب ذیل تاریخی واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

(ا) جنگ عظیم دوم کے بعد نازی پارٹی کے لیڈروں پر مقدمات چلائے گئے اور ان کو سزائے موت دی گئی۔ کیونکہ وہ جارح تھے۔ اور اُن کی وجہ سے ان گنت انسانوں کا خون بہا اور اُن کی املاک کو نقصان عظیم ہوا۔

(ب) ۱۹۷۹ء میں جبکہ راقم الحروف بھی پہلی محرم کو فجر کی نماز ادا کر رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے بعد نماز فجر خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا مائیکروفون

پر تقریباً آدھا گھنٹہ انھوں نے جو اعلانات نشر کئے وہ میرے ایک ساتھی نے اردو ترجمہ کرکے مجھے بتائے ہیں مناسب نہیں سمجھتا کہ ان کی تفصیل یہاں بیان کردوں۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں قاری کو یہ یاد دلاؤں کہ اُن لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا بلکہ سزائے موت دی گئی۔

(ج) عراق کے موجودہ حکمرانوں نے خود بھی عراقی عالم سید محمد باقر الصدرؒ ان کی ہمشیرہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو معاف نہیں کیا بلکہ سزائے موت دی۔ اُن کا قصور کیا تھا؟ اس سلسلے میں ہم ذیل میں سید محمد باقر الصدر کا ایک پیغام نقل کرتے ہیں جو جماعت "مجاہدین عراق" نے "شہید کی باتیں" کے زیرِ عنوان شائع کیا ہے۔ جس میں سید محمد باقر الصدر عراقی عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ساری تعریفیں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ درود و سلام ہو حضرت محمدؐ اور ان کے آل پاک اور اصحاب میامین پر۔

میرے عزیز عراقی عوام!

تمہاری جہاد سے پُر زندگی کے ایک نازک مرحلے پر تم سے مخاطب ہوں میرا یہ خطاب ہر طبقۂ فکر اور ہر قوم سے ہے۔ چاہے کُرد ہوں یا عرب ہوں۔ سنی ہوں یا شیعہ ہوں اس لئے کہ مشکلات کا تعلق کسی ایک قوم یا مذہب سے نہیں بلکہ یہ مشکلات تمام عراقی عوام کی ہیں۔ اس صورت میں میدان جہاد میں آنے اور بہادری سے مقابلہ کرنے کا فریضہ سب پہ عائد ہوتا ہے جب سے میں نے اس ملت کے درمیان اپنی مسئولیت کو جانا ہے۔ اپنے وجود کو سب کے لئے وقف کردیا ہے۔ چاہے عرب ہوں یا کرد ہوں یا سنی ہوں یا شیعہ ہوں

اس طرح ہم نے رسالت کا دفاع کیا جس پر ہم سب کا ایمان ہے۔ اس عقیدے کا دفاع کیا جو ہم سب رکھتے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد اور ہماری فکر کا سرچشمہ صرف اور صرف اسلام ہے جو آزادی کا راستہ اور ہم تمام کا مقصد ہے۔

اے میرے سنی بھائی! میں تمہارے ساتھ اتنا ہی ہوں جتنا میں شیعوں کے ساتھ ہوں۔ تم دونوں اسلام سے جس قدر قریب ہو میں تمہارے ساتھ اسی قدر ہوں۔ تم دونوں اس عظیم مشعل کو ہاتھ میں رکھو تاکہ عراق کی سرزمین ظلم واستبداد کے پنجے سے رہائی پائے بیشک یہ طاغوتی طاقتیں اور اس کے چیلے چاہتے ہیں کہ اسلام کے فرزندوں کے کان میں یہ بات ڈال دیں کہ یہ شیعہ اور سنی کی لڑائی ہے تاکہ اس حق وباطل کے معرکے اور شیعہ وسنی کے مشترک دشمن سے مقابلے کے دوران اہل سنت بھائیوں کو الگ رکھیں۔

اے ابوبکرؓ و عمرؓ کے فرزندو! اے علیؑ و حسینؑ کے فرزندو! میں چاہتا ہوں کہ تم پر واضح کر دوں کہ یہ شیعہ اور سنی کی لڑائی نہیں ہے۔ سنی حکومت وہ ہوتی ہے جو خلفائے راشدین کی حکومت کے نقش قدم پر چلے اور جو اسلام اور عدل کی بنیادوں پر قائم ہو۔ اہل ردہ کی جنگوں میں خلیفہ اول کے جھنڈے تلے ہم سب مل کر اسلام کے جھنڈے تلے اس کی تحفظ کے لئے لڑ رہے تھے۔

سنی حکومت وہ ہے جو اسلام کے پرچم کو بلند کرے اس کی بقا کے لئے جہاد کرنے کے لئے نصف صدی پہلے علمائے شیعہ نے فتویٰ دیا ہے ہزاروں شیعہ اس فتوے پر اٹھ کھڑے ہوئے اسلام کی خاطر اپنا خون بہایا اور اس سنی حکومت کی خاطر خون بہایا جو اس وقت تھی اور اسلام کا علم بلند کیا ہوا تھا مگر آج کی حکومت سنی حکومت نہیں۔ اگرچہ یہ گروہ جو مسلط

ہے۔ تاریخی اعتبار سے سنی سے منسوب ہے مگر واضح رہے کہ حکومت سُنّی سے مراد کسی ایک فرد جو سنی باپ سے پیدا ہوا ہے نہیں ہے۔ بلکہ سنی حکومت سے مراد ایسی حکومت ہے جو ابوبکرؓ و عمرؓ کے احکام کو چلائے مگر آج کے ان سرکش حکمرانوں نے ان کے احکام کو قدموں تلے روند کر مسلمانوں کو چیلنج کیا ہے اپنے ہر ہر قدم پر مجرمانہ افعال انجام دے کر اسلام کی ہتک حرمت کر کے علیؓ و عمرؓ دونوں کی ہتک وحرمت کی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے تمام دینی شعائر کو ختم کیا جس کی بقا کے لئے علیؓ و عمرؓ زندگی بھر دفاع کرتے رہے کیا آپ نہیں دیکھتے تمام ملک کو شراب اور سور سے بھر دیا ہے جسے ختم کرنے کے لئے علیؓ و عمرؓ نے زندگی بھر مقابلہ کیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس طرح ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے ان کی دشمنی اور کینہ توزی میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ عوام کی عزت سے کھیل رہے ہیں اور روز بروز ان سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اپنے محلات جو جدید وسائل سے عز سانی سے لیس ہیں میں بیٹھ کر عوام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ جبکہ علیؓ و عمرؓ کی سیرت تو یہ تھی کہ عوام کے درمیان رہتے تھے اور عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس ٹولے نے اقتدار کی خاطر کس طرح عوام کا استحصال کیا ہے۔ یہ استحصال بھی قوم قبیلہ کی بنیاد پر اور اہلی مبحث کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔ دیگر عوامی جماعتوں کے سامنے ابھرنے اور ترقی کی راہیں بند کر دی ہیں۔ یہ راستہ صرف ان کے لئے کھلا ہے جنھوں نے اپنے لئے ذلت اور رسوائی پسند کی۔ ان کو فروخت کیا اللہ کی بندگی سے نکل کر لوگوں کی غلامی میں جانا گوارا کیا کہ وہ ایسی کشش پیدا کرے اور لوگ خود اپنی مرضی سے ان کی حزب کو قبول کر لینے کے بجائے ان سے جبر وتشدد سے کام لیا۔

دراصل یہ ٹولہ ایک خوف میں مبتلا ہے یہانتک خوف میں مبتلا ہیں

کہ وہ اپنی پارٹی سے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ اگر ان کی حزب بھی دنیا کی احزاب کی طرح کچھ قوانین اور ضوابط کی پابند ہوں تو ان کے اقتدار کو خطرہ ہوتا ہے اس لئے انھوں نے اصول و ضوابط کو چھوڑ کر جبر و تشدد کو اپنایا۔

اے میرے عزیز بھائیو!

موصل، بصرہ، بغداد اور کربلا کے رہنے والو، اے عراقی فرزندو! تم جہاں کہیں بھی ہو میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ میری زندگی تم سب کے لئے ہے آج بھی اور کل بھی تم میرا مقصد رہو گے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو۔ تاکہ اسلام کے پرچم تلے سب جمع ہو سکو اور سرزمین عراق کو اس مسلط شدہ ٹولے سے نجات دلا سکو تاکہ یہاں ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جس کی قیادت اسلام کرے جس میں انسانیت کا احترام ہو جس میں تمام اہل وطن مختلف قوموں اور مذاہب سے ہوتے ہوئے بھائی بھائی بن کر رہیں اپنے وطن کی فلاح و بہبودی کے لئے کام کریں۔ اور اسلامی اقدار قائم ہوں اور یہیں سے ہماری عظیم تاریخ کی فجر طلوع ہو"۔

والسلام

محمد باقر الصدر

جب ان لوگوں کو معاف نہیں کیا گیا تو ایران سے یہ توقع کیوں کی جاتی ہے کہ وہ اس ٹولے کو معاف کر دے جس نے جارحیت کا ارتکاب کر کے ایران میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور جب کہ ایرانیوں کو یہ یقین کامل ہے کہ اگر اُن کو مہلت مل گئی تو وہ دشمنانِ اسلام سے مزید امداد حاصل کر کے اُن کے ناپاک عزائم کو مشرقِ وسطیٰ میں کامیاب بنانے کی ہر امکانی کوشش کریں گے۔ لہٰذا ان عناصر کا

خاتمہ کرنا نہ صرف ایران بلکہ مشرق وسطیٰ کے تمام اسلامی ممالک کی سلامتی اور بقار کے لئے اشد ضروری ہے۔ اب ایران اپنے اس موقف میں کس حد تک حق بجانب ہے اس کا فیصلہ ہم قاری کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔

ایران نے امریکہ کے اثر اور فوجی اڈوں کو اپنے ملک سے پاک وصاف کرنے کے لئے جس جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ دورِ حاضر میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایک سپر پاور طاقت کو انھوں نے نہ صرف چیلنج کیا، بلکہ امریکی سفارت کاروں کو یرغمالی بنا کر امریکہ جیسی سپر پاور کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ امریکہ کے کمانڈز نے یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے جو کوشش کی قدرت نے اسکو ناکام بنا کر یہ واضح کر دیا کہ جو قوم حق پر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد کرتا ہے اور یہ مدد ایرانیوں کو طوفانی غبار آلود ہواؤں کی صورت میں حاصل ہوئی جس نے امریکہ کے فوجی مداخلت اور جارحیت کو ناکام بنا دیا۔

جب امریکہ کو اس کارروائی میں ناکامی ہوئی اور سارے عالم کے سامنے اس کو خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے اپنی اس ناکامی کا انتقام لینے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کئے۔ لہٰذا اس واقعہ کے بعد ہی عراق کا ایران پر حملہ کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ یہودیوں نے جب عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کیا تو اس نے اسرائیل پر حملہ نہیں کیا؟ اگر ان دونوں باتوں پر غور کیا جائے تو یہ ایک منصف مزاج انسان اس نتیجے پر پہنچنے میں حق بجانب ہوگا کہ عراق نے جو ایران پر حملہ کیا ہے اس کے پس منظر میں امریکی اور اسرائیلی سازش کارفرما ہے اور عراق کا حکمران ٹولہ ان دونوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔

یہ بات کو کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ ایران نے جنگ کی ابتدا نہیں

کی بلکہ عراق نے اس پر حملہ کیا ہے اور یہ حملہ ایسے وقت کیا گیا جب کہ ایران اپنی اندرونی پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا اور اس کے ملک کے اندر انقلاب دشمن طاقتیں مسلح بغاوت کر رہی تھیں۔ ابتداء میں عراق کو ایران دشمن طاقتوں کی مالی اور فوجی امداد کے باعث نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ عراق نے خرم شہر اور دیگر ایرانی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور خرم شہر میں اپنی پوزیشن کو دفاعی اعتبار سے اتنا مستحکم کر لیا کہ عراق کے نزدیک اس کو دوبارہ آزاد کروانا ایران کے لیے ناممکن نظر آتا تھا۔ عراق نے ایران کے ایک شہر پر میزائل سے حملہ کر کے وہاں کے بے گناہ شہریوں کو جن میں بچے، عورتیں، اور بوڑھے سب ہی شامل تھے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایرانی تیل کی تنصیبات کو تباہ کیا جس کے نتیجہ میں خلیج فارس کی سطح پر ایران کا سیال سونا پانی کی طرح بہہ گیا۔ غرض اس دو سال کی مسلط کردہ جنگ میں ایران کو اتنا بھاری نقصان اٹھانا پڑا کہ اگر اس کی تفصیلات یہاں درج کی جائیں تو ایک علیحدہ کتابچہ مرتب ہو جائے گا۔ کیا آپ کے نزدیک اُن ہزاروں اور لاکھوں بے گناہوں کے خون کا بدلہ نہ لینے اور اُن مالی نقصانات کا تاوان طلب نہ کرنے کے لئے ایران کو مجبور کرنا حق بجانب ہو گا؟

آخر کار ۲۰ ماہ کے بعد، اُس جذبے کی بدولت جو امام خمینی نے ایرانیوں میں بیدار کر دیا تھا، انھوں نے نہ صرف اندرونی بغاوت کا قلع قمع کیا۔ بلکہ اُس "میگنو لائن" کو توڑ کر جو عراق نے خرم شہر کے ارد گرد بنائی تھی خرم شہر کو آزاد کروا لیا۔ اور اس طرح دشمنانِ اسلام کی اس سازش کو بھی ناکام بنا دیا۔ تو اب اُن پر یہ زور دیا جانے لگا کہ ایران جنگ بند کر دے عجیب بات یہ ہے کہ جب ایران ہار رہا تھا تو اس کے خلاف جہاد کے فتاویٰ صادر ہو رہے تھے اور جب اُس نے جیتنا شروع کیا تو جہاد کے فتاویٰ دریا برد ہو گئے اور اب اسلام کے نام پر ایران سے جنگ بند کرنے

کی اپیل کی جارہی ہے تاکہ وہ جارح عناصر باقی رہیں جو وقت مل جانے کی وجہ سے دوبارہ تیاری کر کے ایران پر ایسی ضرب کاری لگا سکیں کہ ایران کا وجود ہی مٹ جائے۔

ایران متعدد بار اعلان کر چکا ہے کہ عراق کے عرب مسلمانوں کے ساتھ اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہے وہ انکو اور عراقی سپاہیوں کو قطعی مورد الزام قرار نہیں دیتا بلکہ اس جارحیت کی تمام تر ذمہ داری ایک ایسے ٹولے پر عائد کرتا ہے جس نے امریکہ اور اسرائیل کے مفاد کی خاطر بے قصور ایرانیوں کا خون بہایا ہے اور ان کی املاک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

ایران صرف امریکہ ہی کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنے ملک سے اشتراکیت کی جڑیں بھی اکھاڑ کر پھینک دی ہیں۔ تودہ پارٹی جو کمیونسٹ نظریات کی حامل تھی اور ایران میں کافی اثر و رسوخ پیدا کر چکی تھی اس کے اثر و رسوخ کا خاتمہ کر کے ایران کے نظریاتی میدان سے بھی اشتراکیت کو باہر نکال دیا اور "نہ مشرق نہ مغرب" کا نعرہ بلند کر کے دونوں سپر پاورز کے خلاف نبرد آزما ہو گیا۔ کیا دور حاضر میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ کسی ملک نے ان دونوں سپر پاورز کو اس طریقہ سے چیلنج کیا ہو جیسے ایران نے کیا ہے؟

گو کہ ایران نے روس کے اثرات و مفادات کو بھی اپنے ملک سے خارج کر دیا لیکن روس نے امریکہ کی طرح ایران کے خلاف کوئی براہ راست کارروائی نہیں کی جبکہ اس کی سرحد ایران سے ملی ہوئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے خیال سے اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ روس نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ ایران کا بچہ بچہ جہاد کے جذبے سے سرشار ہو چکا ہے اور اس کو ایران کو سرنگوں کرنے کے لئے ساڑھے تین کروڑ ایرانیوں کی لاشوں پر سے گزرنا ہوگا۔ اور

دوسری وجہ امام خمینی کی اسلامی خارجہ پالیسی ہے۔ کیونکہ جہاں روس اس بات سے ناراض ہوا کہ امام خمینی نے کمیونزم کو معہ روس کے اٹھارہ سفارت کاروں کے ایران سے نکال دیا وہاں وہ اس بات سے بھی مطمئین ہے کہ اس کے سب سے زیادہ خطرناک حریف امریکہ کا اثر اور اس کے فوجی اڈے ایران سے یکسر ختم ہو گئے۔ اور جو وہ چاہتا تھا ایران نے از خود تن تنہا اس کام کو انجام دے دیا۔ لہٰذا اس نے ایران کے خلاف کھل کر کوئی قدم اٹھانے سے گریز کیا۔ اس طرح امام خمینی کی یہ اسلامی خارجہ پالیسی کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی جرأتمندانہ خارجہ پالیسی وہی قوم اختیار کر سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور غیر متزلزل ایمان ہو اور وہ بخوبی سمجھ گئی ہو کہ دنیا میں کوئی سپر پاور نہیں ہے بجز اللہ تعالیٰ کے اور جو اللہ پر بھروسہ کرلیے اس کا دنیا کی کوئی سپر پاور کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ چنانچہ اس پالیسی پر عمل کرنا ایرانیوں کے جذبۂ ایمانی کی دلیل ہے جس کا سہرا امام خمینی کے سر ہے۔ آج ایرانی مسلمان جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں اور یہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ باطل کے مقابلہ میں اگر وہ کامیاب ہوئے تو غازی بنکر قوم کی خوشحالی اور ترقی کا باعث بنے گی اور اگر مر گئے تو شہید کا درجہ حاصل کر کے زندہ جاوید ہو جائیں گے۔ اور جب مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انکو مغلوب نہیں کر سکتی خواہ وہ ایٹمی ہتھیاروں سے ہی لیس کیوں نہ ہو۔

امام خمینی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے ایرانیوں میں جہاد کے جذبہ کو بیدار کر دیا ہے لہٰذا امریکہ اور روس جیسی سپر پاورز بھی بشمول اسرائیل اُن سے خائف ہیں اور ان کی ہر امکانی کوشش یہ ہے اس جذبہ جہاد اور اسلامی انقلاب کی لہر کو دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچنے سے روک دیا جائے کیونکہ اگر یہ اسلامی انقلاب مشرق وسطیٰ میں بھی پھیل

گیا تو ان کی ناجائز اولاد اسرائیل جو مشرق وسطیٰ میں ان کے مفادات کی نگراں ہے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی اور مسلمان پھر ایک ایسی قوت بنکر ابھریں گے کہ انکی اپنی بقا بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہٰذا یہ دونوں طاقتیں ایران کے خلاف اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر یہ کوشش کر رہی ہیں کہ اول تو ایران کا اسلامی انقلاب وہیں دم توڑ دے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ دیگر اسلامی ممالک تک نہ پہنچ سکے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے اُن کا سب سے بڑا حربہ اس علاقے میں نسلی تعصبات کو بھڑکا کر عربوں اور ایرانیوں میں جنگ کروانا ہے۔

عرب ممالک کو دشمنان اسلام کی اس سازش سے باخبر ہو جانا چاہیئے اور ایران کے اس اسلامی انقلاب سے قطعی خائف نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اگر تمام اسلامی ممالک کے سربراہان مملکت اپنے اپنے ملکوں میں ایسا ہی اسلامی انقلاب بپا کر دیں، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کریں اور خلفاء راشدین کے دور کے سربراہ مملکت بنجائیں جو شرعاً ان پر واجب ہے تو ان کی سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا اور قوم ان کے ماضی کو فراموش کر دے گی۔ کیونکہ اگر صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ انہیں یہ نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیئے کہ "ملوکیت اور آمریت کی رات اب ختم ہو چکی ہے اور اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔" اگر وہ اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے تو وہ دن دور نہیں کہ ان کا بھی وہی حشر ہو گا جو شہنشاہِ ایران کا ہوا ہے کہ سونے، چاندی، ہیرے، جواہرات کے انبار اور امریکہ کی مکمل حمایت بھی اس کے کسی کام نہ آ سکی۔

لہٰذا اب تمام اسلامی ممالک کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اسلامی انقلاب بپا کریں اور اس مقصد کے لئے سب متحد ہو کر شانہ بشانہ جدو جہد کریں، ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر مسلمانوں کے مستقبل کا خیال کریں اور اسلام

دشمن طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ جب ایران تن تنہا سپر پاورز کا مقابلہ کر سکتا ہے تو پھر تمام اسلامی ممالک مل کر ان کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟

اگر آج تمام عرب ممالک دشمنانِ اسلام کو تیل دینا بند کر دیں اور اپنا اپنا سرمایہ یہودی اور یہودی نواز بینکوں سے نکال کر اسلامی بینکوں میں منتقل کر دیں جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام آئے تو دشمنانِ اسلام کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ عربوں کا وہ سرمایہ عربوں ہی کے خلاف استعمال ہو رہا ہے اور ان کو اس کا قطعی احساس نہیں ہوتا؟۔ وہ اپنے ذاتی اور عارضی مفادات کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی کر رہے ہیں جو سورۂ مائدہ کی آیت ۵۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔"

اگر برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمان قائداعظم محمد علی جناحؒ جو اثنا عشری خوجہ تھے کی قیادت کو دل و جان سے قبول کر کے پاکستان بنا سکتے ہیں تو مسلمانانِ عالم امام خمینی کی قائدانہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر امتِ واحدہ کے قرآنی تصوّر کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنا سکتے ہیں؟ حال ہی میں مسلمان اسکالرز کی جو کانفرنس کولمبو میں ہوئی اس میں متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ اسوقت دنیائے اسلام کی رہنمائی کے قابل صرف امام خمینی ہیں۔ لہٰذا ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے کیونکہ:-

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

یہودیوں کے عزائم

اللہ تعالیٰ سورۂ المائدہ کی آیت ۸۲ میں ارشاد فرماتا ہے :۔

"تو پاوے گا سب لوگوں میں زیادہ دشمنی مسلمانوں سے یہود کو اور شرک والوں کو"

اس سلسلے میں ہم ذیل میں بشکریہ "اردو ڈائجسٹ" جناب مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کا ایک انٹرویو جو رسالۂ مذکورہ کے مدیر، ادیب شہیر جناب الطاف حسن قریشی صاحب نے تحریر فرمایا اور ماہ نومبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں شائع کیا ہے پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ خطرناک مشترک دشمن کے عزائم اور منصوبوں سے ہمیں آگاہ کرتا ہے۔

"کیا آپ نے کوئی سوالنامہ مرتب کیا ہے" انصاری صاحب نے شریف لہجے میں پوچھا۔ "جی نہیں"۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "اچھا تو بے ربط ہی سوال کیجیے"۔

پس منظر

بہر حال میں نے پہلا سوال کیا۔ "کیا آپ عالم اسلام کے مسائل کا صحیح پس منظر پیش کر سکتے ہیں"۔

انہوں نے سر سے ٹوپی اُتار کر سامنے والی میز پر رکھ دی اور ایک دو لمحوں کے لیے آنکھیں جھپکائیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولے "آپ نے عالم اسلام کے "مسائل" اور ان کے صحیح پس منظر کے تجزیے کے عنوان سے جو "مختصر سا" سوال کیا ہے۔ ذرا اس کی پہنائیوں کا بھی اندازہ کیجیے۔ عالم اسلام کی وسعتوں، اس کے مسائل کا تنوع اور پھر ان کے پس منظر میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں یا اس وقت میں ان کا تجزیہ کیسی

ضخیم اور محققانہ کتاب یا سلسلۂ مضامین یا پھر سلسلۂ تقاریر کا موضوع تو بن سکتا ہے مگر ایک نشست میں اس پر بلکہ اس کے کسی ایک پہلو پر بھی سیر حاصل گفتگو محال سی معلوم ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو پہلو مجھے زیادہ اہم نظر آئے۔ اس پر اظہارِ خیال شروع کروں اور جو دلائل و شواہد میرے موقف کی وضاحت کے لئے سردست ذہن میں آئیں اُن کا سرسری انداز میں ذکر کروں۔ ویسے مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ میرے تجزیئے میں ممکن ہے بہت سی باتیں آپ کو نامانوس معلوم ہوں۔ اور میں خاطر خواہ اس وقت سارے براہین و دلائل نہ فراہم کر سکوں تو بات تشنہ رہ جائے گی، بہرحال اگر آپ اسی عنوان پر گفتگو چاہتے ہیں تو مختصراً اپنے خیالات پیش کئے دیتا ہوں۔

سیاسی جدوجہد اس صدی کے ربع اول کے ختم ہوتے ہوتے مسلمانوں کا ضعف و انحطاط تقریباً آخری منزل تک پہنچ گیا تھا اور مسلمان بحیثیت ایک عالمی قوت بے اثر ہو چکے تھے۔ چند بچے کھچے علاقے ان کے پاس رہ گئے تھے۔ جہاں براہِ راست اُن کا اپنا اقتدار ہو۔ باقی ہر جگہ محکوم و مجبور ہو کر مستعمرین کے جبر و تشدد کا شکار تھے۔ اس کے بعد اب اس وقت تک چالیس سالہ دور سیاسی آزادی کی جدوجہد اور بیشتر مسلم علاقوں کے سیاسی آزادی کے حصول کا دور کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اب جو علاقے کمیونسٹوں کے زیر اقتدار آ چکے ہیں اُن کو چھوڑ کر نسبتاً تھوڑے ہی علاقے رہ گئے ہیں جو بعض پرانے بعض نئے مستعمرین مثلاً فرانس، برطانیہ اور بھارت کے زیر اقتدار ہیں۔

سیاسی آزادی، ثقافتی غلامی گزشتہ بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال کے دور میں

دو چیزیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔ پہلی تو مسلم ممالک کی سیاسی آزادی کی جانب خاصی کامیاب پیش قدمی۔ دوسری ثقافتی اور تہذیبی غلامی کی جانب بہت تیز رفتار اقدام۔ خیر و شر کے یہ دونوں پہلو اس دور کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اس کا تجزیہ کہ سیاسی استقلال کی جد و جہد میں اس مختصر مدت میں اتنی کامیابی کا باعث کیا عوامل تھے؟ یا اس کا تجزیہ کہ سیاسی آزادی کے بعد سے ثقافتی غلامی کی جانب عالمِ اسلام کیوں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے، خاصی طویل گفتگو چاہتا ہے۔ بہر حال اس کی اہمیت اس کی مقتضی ہے کہ ادھر خاطر خواہ توجہ دی جائے کیونکہ یہ صورتِ حال ملتِ مسلمہ کے اجتماعی اَنا کے شدید ضعف اور اضمحلال کا موجب ہو رہی ہے۔ اور اگر ادھر پوری توجہ نہ دی گئی تو جتنی کچھ بھی سیاسی آزادی حاصل ہوئی ہے وہ محلِ نظر رہے گی۔ ثقافتی اور تہذیبی استقلال کے بغیر سیاسی استقلال دیرپا ہونا مشکل ہے۔ میں اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اُس پہلو کی طرف آنا چاہتا ہوں کہ آج دنیا اتنی مختصر ہو گئی ہے کہ کوئی ملک، کوئی قوم، کوئی انسانی گروہ ایسا نہیں ہے جس کے مسائل صرف اس ملک، اُس قوم یا اُس گروہ تک نظریں محدود رکھ کر سمجھے جا سکیں۔ لہٰذا عالمِ اسلام کے مسائل کا اندازہ بھی دورِ حاضر کی عالمی سیاست کی بساط، اس کے اہم مُہروں اور ان کی چالوں اور منصوبوں کے پیشِ نظر ہی لگایا جا سکتا ہے۔

قومِ یہود جہاں تک میں نے غور و فکر کیا ہے، عالمی سیاست کے میدان میں سب سے اہم، سب سے زیادہ منظم، سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ مؤثر عنصر یہودی قوم ہے۔ عام

طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دنیا اس وقت دو بلاکوں میں منقسم ہے، ایک اشتراکی بلاک جس کا قائد روس سمجھا جاتا ہے، اور دوسرا سرمایہ دار نام نہاد جمہوریت پسند ممالک کا بلاک جس کی باگ امریکہ کے ہاتھ میں متصور ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہ تقسیم بالکل مصنوعی ہے۔ میرے نزدیک روسی اور امریکی حکومت دونوں کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہے۔ دونوں کی ڈور ایک ہی چالاک یکدست کھلاڑی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہے یہودی قوم، برطانیہ، فرانس اور خاص طور سے امریکہ کا یہودیوں کے زیر اثر، بلکہ ان کے ہاتھ میں کھلونا ہونا تو ہر شخص پر روشن ہے۔ البتہ روس کے متعلق کم لوگ سمجھتے ہیں کہ آج کا روس خالص یہودی فکر و عمل کی پیداوار ہے اور اس کی باگ ڈور پوری طرح یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔"

"انصاری صاحب، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ روس کا اشتراکی انقلاب، امریکہ کی سرمایہ داری کے خلاف برپا ہوا تھا اور یہ دونوں ملک ایک دوسرے کے دشمن تصور کئے جاتے ہیں۔ بھلا اشتراکیت اور یہودیت ایک ساتھ کیسے چل سکتی ہیں؟ اشتراکی نظام میں تو یہودی سرمایہ داری کی موت ہے۔ آپ کے تجزیہ کو ہم کیونکر درست مان لیں۔"

میرے یہ تمام فقرے حیرت اور تعجب کی پیداوار تھے۔ انصاری صاحب کی باتوں سے ایسا دھچکا سا لگا کہ ذہن تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ ایک دو لمحوں کے لئے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تھا لیکن انصاری صاحب کے الفاظ بالکل نستعلیق اور واضح تھے۔

وہ میرے چہرے کے اُتار چڑھاؤ بڑے سکون سے دیکھتے رہے

پھر اُن کی آنکھوں میں علمی وجاہت کی ایک چمک پیدا ہوئی اور اس کے بعد متانت آمیز انداز سے بولے۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ میری باتیں تمہیں پریشان کردیں گی۔ یہ ہر اس شخص کے لئے دھماکا ثابت ہوں گی جو واقعات کی صرف ظاہری سطح پر نظر رکھتا ہے۔ میرے پاس یہودی صحافیوں، اہلِ قلم اور قائدین کی تحریریں اور بیانات موجود ہیں جن میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ روسی انقلاب صیہونیت کے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ تھا۔ میں چند واقعات، شواہد اور تحریریں پیش کرتا ہوں۔

۱- یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ اشتراکی نظام کے ذہنی قائدین یہودی تھے انھوں نے اپنے نام بدل لئے تھے۔ کارل مارکس دونوں طرف سے یہودی تھا۔ ٹراٹسکی اور لینن خالصتاً یہودی نژاد تھے۔ لینن اور اسٹالن کی مائیں اور بیویاں یہودی تھیں۔

۲- روسی انقلاب سے ذرا پہلے یہودی غیر معمولی طور پر سرگرم تھے پہلی جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد ایک بند ٹرین میں بٹھا کر لینن اور اس کے تقریباً دو سو رفقا کو جرمنی سے روس کی سرحد میں دھکیل دیا گیا۔ ۱۶۵ ساتھیوں کے نام ملتے ہیں، ان میں سے ۱۲۸ یہودی تھے۔ لینن کے روس میں داخل ہوتے ہی ٹراٹسکی امریکہ سے تین سو یہودیوں کو لیکر وہاں پہنچ گیا۔ پھر ان یہودیوں نے مل کر انقلاب کی تیاریاں کیں۔

۳- بالشویک انقلاب کے بعد یہودیوں نے حکومت کی مشنری پر قبضہ کرلیا۔ نئی حکومت کی ۵۵۶ کلیدی آسامیوں میں سے ۴۵۷ یہودیوں کے ہاتھ آئیں۔

۴۔ روسی انقلاب کے بارے میں یہودی مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ انقلاب ان کی امنگوں اور آرزوؤں کا آئینہ دار ہے۔ طوالت کے خوف سے میں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ الیگزینڈر بٹل مین ALEXANDER BITTLEMAN نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "یہودی جنگ کے بعد کی دنیا کا سامنا کرتے ہیں" THE JEWISH PEOPLE FACE THE POST-WAR اس میں روسی انقلاب کو اس انداز میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

"اگر سرخ فوج نہ ہوتی، تو آج یورپ میں، فلسطین میں، افریقہ میں کہیں کوئی یہودی زندہ نہ ملتا اور امریکہ میں ہمارے وجود کی مدت چند دنوں میں ختم ہو جاتی یہ سویت یونین اسٹیٹ تھی جس نے یہودیوں کو (مٹ جانے سے) بچا لیا۔ اس لئے امریکہ کے یہودیوں کو اپنا وہ تاریخی قرض بھولنا نہیں دینا چاہیے۔ جو یہودی قوم کے نجات دہندہ سویت یونین کو ادا کرنا ہے۔"

ان حقائق و شواہد کی روشنی میں کیا میرا یہ تجزیہ غلط ہے کہ روس اور امریکہ پر یہودیوں کا قبضہ ہے؟ یہ دونوں طاقتیں اور دوسرے معاملات میں اختلاف کرتی رہتی ہیں (یہ اختلاف بھی فریب سے کم نہیں) لیکن یہودیوں کے مفادات کے تحفظ و فروغ میں دونوں یکساں سرگرم عمل ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور اہم تاریخی واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ تو ایک یقین حقیقت ہے کہ اسرائیل نے امریکہ کی آغوش میں جنم لیا۔ آپ کو معلوم ہے اسرائیل کو سب سے پہلے کس حکومت نے تسلیم کیا؟ آپ کی اطلاع

کے لئے عرض کردوں! روس نے۔ آخر کیوں؟ اگر روس اور امریکہ کی بنیادی حکمت عملی مختلف ہے تو یہ حیرت انگیز اتحاد کیوں؟ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ روس اور امریکہ کہاں ایک پالیسی اختیار کرتے ہیں اور کہاں اُن کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔"

ہم تو اب تک تمام عالمی مسائل کو روس اور امریکہ کے زاویوں سے دیکھتے آئے تھے۔ آج معلوم ہوا کہ یہ ساری کشمکش یہودیوں اور غیر یہودیوں کے درمیان جاری ہے۔

"انصاری صاحب آپ نے صیہونیت کی جو تصویر کھینچ دی ہے، وہ تو حد درجہ بھیانک ہے۔"

"ابھی تو میں نے آپ کو ابتدائی باتیں بتائی ہیں! ابھی سے پریشان ہوگئے؟ پوری تصویر واقعی بہت بھیانک ہے، وہ تصویر ہمیں ضرور دیکھنی چاہیے۔"

"ذرا پوری تصویر بھی دکھا دیجیے۔" میں نے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"الطاف صاحب یہ کام بہت روح فرسا ہے۔ یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہودی ایک مدت سے تمام غیر یہودیوں کو غلام بنا کر پوری دنیا پر حکمرانی کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان منصوبوں کا صرف ایک رُخ دکھانا چاہتا ہوں۔

۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیانی عرصے میں یہودیوں کے سربرآوردہ مفکرین خفیہ طور پر کئی بار جمع ہوئے اور انہوں نے پوری دنیا میں انقلاب بپا کرنے کے نکات اور اصول مرتب کئے وہ نکات

کیا ہیں، ان کا تفصیلی خاکہ کسی طرح کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ مگر دستیاب مشکل سے ہوتا ہے۔ برٹش میوزیم لائبریری میں ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ایک نسخہ موجود ہے۔ اس دستاویز کی ایک نقل کسی طرح اس صدی کے ابتدائی دنوں میں حاصل ہو گئی تھی اور پروفیسر نائلس نے اسے شائع بھی کر دیا تھا۔ اس میں روسی انقلاب کا پورا نقشہ موجود ہے اس امر کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روس اور اس کی زیر اثر نوآبادیوں میں اس شخص کو موت کی سزا دی جاتی ہے جس کے قبضے سے یہ کتاب برآمد ہو۔ آخر یہ کیوں؟ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ دستاویز منظرِ عام پر آ جائے تو یہودیت اور اشتراکیت کا پول کھل جاتا ہے۔ میں نے اس کا ایک قدیم اور ناقص عربی ترجمہ دیکھا ہے۔ اس کے بعد عربی کا ایک کامل نسخہ نظر سے گزرا۔ پھر انگریزی ترجمہ کا ایڈیشن نمبر ۸۳ دیکھا۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ شائع ہوتے ہی چند دنوں میں ناپید ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب ویسے تو میوزیم کی لائبریری میں ۱۹۰۵ء میں موجود تھی۔ مگر جب بالشویک انقلاب آیا اور ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگے تو اس زمانے میں کسی نے اس کتاب کی طرف توجہ دلائی کہ اس میں تو اس انقلاب کا اور اس کے بعد کے متعدد انقلابات کا پورا ذکر ملتا ہے۔ اسی کتاب میں ترکی سے خلافت ختم کرانے اور اسرائیل کے قیام کا منصوبہ بھی مذکور ہے۔ ان پروٹوکال میں پورے کرۂ ارض پر قابض ہونے کا تفصیلی نقشہ موجود ہے۔ اقوام متحدہ کی تشکیل اسی نقشے کے مطابق عمل میں آئی ہے یہ اقوام متحدہ جس سے آپ ان گنت امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ اصل میں یہودیوں کے مقاصد کو پایۂ تکمیل

تک پہنچانے والا ایک عالمی ادارہ ہے اس ادارے کی تقریباً تمام ایجنسیاں صیہونیت کی آلہ کار ہیں یہودی قوم اسی عالمی ادارے کے ذریعے اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینا چاہتی ہے۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، یہودی اکابرین نے اپنی تحریروں میں اس حقیقت کی طرف کئی بار اشارے کئے ہیں۔

نیویارک کے ایک مشہور یہودی قانون پیشہ ہنری کلین نے ۱۹۴۸ء میں "صیہون دنیا پر حکمران ہیں" ZIONS RULE THE WORLD کے زیرِ عنوان جو کچھ لکھا تھا۔ اس میں سے ایک مختصر سا اقتباس آپ کو سناتا ہوں۔

"اقوام متحدہ صیہونیت ہے۔ یہ وہی بالادست حکومت ہے جس کا ذکر کئی بار جلیل القدر صیہونی اکابرین کے پرتوکال میں آیا ہے جو ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان مرتب کئے گئے تھے۔"

اس عالمی ادارے کے علاوہ اور بے شمار خفیہ تنظیمیں صیہونیت کیلئے کام کر رہی ہیں۔ اور ان کے کام کرنے کا انداز اتنا ماڈرن اور سائنٹیفک ہے کہ ہر ملک کے دماغ ان میں شریک ہو جاتے ہیں۔ فری میسن خفیہ تحریک ہی کو لیجیے یہ تحریک سو فی صد یہودی دماغ کی پیداوار ہے اور اس کے تمام اراکین شعوری یا غیر شعوری طور پر یہودیوں کی عالمی حکمرانی کیلئے کام کر رہے ہیں۔ جین ایزولیٹ (JEAN IZOULET) جیوش اسرالائٹ الائنس یونی ورسیلے JEWISH ISRAELITE ALLIANCE UNIVERSALE کے مستقل رکن ہیں انہوں نے ۱۹۳۱ء میں پیرس کے ایک جریدے PARISLA CAPITALACE DES RELGIONS

میں یہ سطریں لکھیں جو اہلِ نظر کو دعوتِ فکر دیتی ہیں:۔

"پچھلی صدی کی تاریخ کا لب لباب یہ ہے کہ آج تین سو یہودی سرمایہ دار جو سب کے سب فری میسن لاج کے اعلیٰ عہدے دار ہیں پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں"

اس طرح کے کتنے اقتباسات خود یہودی اکابرین کی تحریروں سے پیش کئے جا سکتے ہیں مگر یہ مختصر سی نشست اس کی کہاں متحمل ہو سکے گی تاہم کسی قدر تفصیلات اس لئے دے رہا ہوں کہ عالمی سیاست کا پس منظر اور پیش منظر واضح طور پر سامنے آجائے۔ اس کے بغیر عالم اسلام کے مسائل سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے۔

"انصاری صاحب، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عالم اسلام کے مسائل یہودی سیاست گری کے پیدا کردہ ہیں"۔

"جی ہاں آپ نے صحیح سمجھا مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ تنہا یہی ایک عامل ہے البتہ یہودی سازش سب سے قوی عامل ضرور ہے۔ میرا تجزیہ ہے کہ یہودی شعبدہ باز ساری دنیا (بشمول عالم اسلام) میں سرگرم عمل ہیں۔ اور وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی تکنیک اتنی گہری اور چھپی ہوئی ہے کہ اکثر اہلِ نظر بھی اس کو دیکھ نہیں پاتے۔"

"آپ کے پاس اس کا کیا تاریخی ثبوت ہے کہ یہودیت کے عزائم عالم اسلام کے بارے میں خطرناک ہیں؟"

"تاریخ میں ان گنت شہادتیں موجود ہیں لیکن ہماری نظر ان تک نہیں جاتی سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہودیوں کے عالمی غلبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ

عالمِ اسلام ہے۔ یہ تو آپ شروع ہی میں دیکھ چکے ہیں کہ امریکہ اور روس یہودیوں کے غلام ہیں۔ بھارت بھی اسرائیل کے در پہ ماتھا رگڑ رہا ہے۔ بس ایک اسلام کی قوت ایسی ہے جو پیہم ضربیں کھانے کے باوجود اب بھی اسرائیل کے وجود سے اپنے ذہن کو ہم آہنگ نہیں کر سکی۔ تمام یہودی نواز قوتیں مسلمانوں کے درپے ہیں۔ یہودی اکابرین جانتے ہیں کہ جس روز (خدانخواستہ) عالمِ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اُسی دن پوری دنیا میں اُن کی سیادت کا سکہ جاری ہو جائیگا۔

مسلمانوں اور یہودیوں کی کشمکش یوں تو بہت پرانی ہے لیکن اس کا آغاز نئے انداز میں انیسویں صدی کے آخر سے ہوا۔ غالباً ۱۸۹۷ء میں جب یہودی اکابرین خفیہ طور پر جمع ہوئے انہوں نے طے کیا کہ چونکہ ان کے عزائم کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ عالمِ اسلام کی مرکزیت ہے۔ اس لئے سب سے پہلے روس میں انقلاب برپا کر کے اس پر قبضہ کیا جائے اور پھر خلافت پر ضربِ کاری لگائی جائے چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق سلطان عبدالحمید کی خدمت میں ایک عیارانہ درخواست پیش کی گئی جس میں لکھا تھا کہ ہمیں فلسطین میں ایک خطۂ زمین دے دیا جائے ہم اس کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لئے تیار ہیں۔ زیرک سلطان نے یہودیوں کے عزائم بھانپ لئے اور ان کی درخواست مسترد کر دی۔ اس پر انہوں نے سلطان کے خلاف ملک کے اندر اور ملک سے باہر زہریلے پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دی مقصد یہی تھا کہ خلافت پارہ پارہ ہو جائے۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں پہلے ہی سے خار کھائے بیٹھی تھیں۔ ان کی فوجی قوت اور یہودیوں کی خفیہ سازشیں دونوں کے گٹھ جوڑ نے مسلمانوں کی مرکزیت بظاہر ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ ترکی کے اندر ایک تنظیم قائم ہوئی جس کا نام "انجمن اتحاد ترکی" رکھا گیا۔ زیادہ تر اس میں بھولے بھالے سادہ لوح ترک نوجوان تھے۔ اس انجمن کے اجتماعات کے لئے فری میسن لاج تھے۔ ان نوجوانوں کو جذباتی نعروں کے گرمایا گیا اور

ان میں عربوں کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دی کہ آگے چل کر یہ نفرت ایک کوہِ آتش فشاں ثابت ہوئی۔ اس تنظیم کے ہاتھوں خلافت کی ردا تار تار ہوئی اور پھر عالمِ اسلام ایک ایسے انتشار کا شکار ہو گیا کہ اتحاد کی تمام تحریکیں بے اثر ثابت ہوئیں۔

یہ یہودیت کا عالمِ اسلام پر پہلا بھرپور وار تھا۔ اپنے پہلے مقصد میں کامیاب ہو جانے کے بعد صیہونیت کی تحریک اور زیادہ فعال ہو گئی اور صرف ۲۶ برس بعد فلسطین کے ایک حصے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئی لیکن فلسطین میں یہودی حکومت آسانی سے قائم نہیں ہوئی تھی مسلمانوں نے شدید مزاحمت کی تھی۔ یہودی دماغوں نے محسوس کر لیا کہ انھیں سب سے زیادہ زک اخوان المسلمین کے ہاتھوں اٹھانی پڑی، اخوان جس بے جگری سے لڑی تھی اس سے یہودی بری طرح خائف تھے۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ جب تک اخوان موجود ہیں فلسطین میں یہودیوں کے قدم کبھی جمنے نہ پائیں گے اس صورتِ حال میں یہودیوں کیلئے دو قوتیں ہی خطرہ بن سکتی تھیں۔ مسلم حکومتوں اور بالخصوص گرد و پیش کی عرب حکومتوں کا اتحاد اور اخوان المسلمین کی تحریک، یہودیوں نے ان دونوں قوتوں سے عہدہ برآ ہونے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔

تخریبی عناصر! یہ قوتیں اچھی طرح جانتی ہیں کہ مسلمان عوام کا ملی تشخص اور قومی آنا اب بھی صحیح و سالم ہے اور اگر انھیں اپنی مرضی نافذ کرنے کا موقع مل گیا تو وہ عالمِ اسلام کو متحد اور اسلام کو ایک فعال قوت بنانے کے لئے سب کچھ کر گذریں گے۔ چنانچہ ان کے آنا اور ارادے کو بے اثر بنانے کے لئے آمروں سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کوشش میں مصروف ہیں کہ نظامِ تعلیم، لٹریچر، فلموں اور خوش آہنگ نعروں کے ذریعے سوادِ اعظم کو اسلامی اقدار سے اتنا دور کر دیا جائے کہ اگر

کبھی اجتماعی قوت بروئے کار آئے تو وہ اسلام کے حق میں نہ ہو۔

پریس! یہودیوں اور عیسائیوں کا دنیا کے بڑے بڑے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں پر قبضہ ہے۔ وہ ان کے ذریعے خبروں کو ایک ایسا رنگ دیتے ہیں جس سے اسلامی ملکوں میں نئے نئے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، پہلے کسی مسلمان ملک کے بارے میں ایک فیصلہ کرتے ہیں اور پھر اس فیصلے کے لئے خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعے راستہ ہموار کرتے ہیں اور بالآخر وہ فیصلہ نافذ کر دیا جاتا ہے وہ مختلف ملکوں میں مختلف تحریکیں اور نعرے چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر خبریں مسلسل اس انداز کی دی جاتی ہیں جن سے ان نعروں کو تقویت ملتی ہے۔ یہ سارا کام اتنی ہوشیاری سے ہوتا ہے کہ اکثر سادہ لوح پڑھے لکھے مسلمان ان نعروں کا شکار ہو جاتے ہیں جب تک صورتِ حال یہی رہتی ہے اسلامی اتحاد کی آرزو پوری کیسے ہو سکتی ہے؟

فکر و عمل "آپ کے نزدیک یہ صورتِ حال بہتر کیسے ہو سکتی ہے؟"

"میرے نزدیک سب سے اہم کام یہ ہے کہ مسلم ممالک، ذہین طلبہ اور اہلِ تحقیق کی ایک ایسی تنظیم قائم کریں جو بروقت تجزیہ کرتی رہے کہ اسلام دشمن قوتیں کون کون سی ہیں اور وہ کیا پروگرام رکھتی ہیں۔ یہ تنظیم یہودی مصنفین کی تحریروں سے ان میں چھپے ہوئے عزائم کا کھوج لگائے۔ یہ تنظیم تحقیق کے ذریعے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کی فہرست تیار کرے جو اسلام دشمن قوتوں کے لئے کام کر رہی ہیں یہ تنظیم اس بات پر نظر رکھے کہ عیسائی مشنریاں کن مقاصد کے لئے کن حربوں سے کام لے رہی ہیں۔ تنظیم اس کا جائزہ لے کہ دیگر اسلام دشمن طاقتیں

اور نومولود استعماری قوتیں کیا عزائم رکھتی ہیں۔ روس اور امریکہ میں منصوبہ بندی کے نام پر مسلمانوں کو مٹانے کے لئے جو کام ہو رہے ہیں اس تنظیم کا ان سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ ان جائزوں کے علاوہ اس تنظیم کا یہ کام بھی ہونا چاہیئے کہ وہ ہر اسلامی ملک کے مسائل کا تفصیلی جائزہ لے۔ تمام اسلامی ممالک کا یہ تفصیلی جائزہ آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے بنیاد کا کام دے گا۔ ان جائزوں کے ذریعے ہر اسلامی ملک باقی اسلامی ممالک کے مسائل سے پوری طرح باخبر ہو جائے گا اور یہ باخبری اتحاد کی صحیح اور سیدھی راہیں متعین کرے گی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے سینکڑوں گوشوں سے کام کی ضرورت ہے جن کے لئے مختلف استعداد مختلف ذوق اور مختلف وسائل کے افراد درکار ہیں۔ یہیں بہت سی تعمیری انجمنوں کی ضرورت ہے۔ تعلیم کے میدان میں، تحقیق کے میدان میں معاشرتی اصلاح کے میدان میں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم ثقافتی استعمار کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کریں۔ دراصل اسلامی ملکوں میں اسلام دشمن قوتیں ثقافت کے روپ میں سرگرم عمل ہیں۔ محکم عقائد پر ضرب لگانے کا یہ کام ثقافت کے نام پر ہو رہا ہے، اسلام سے بیزاری، نوجوانوں میں بے اعتقادی، گمرہی، اخلاقی بے راہ روی، نئے نئے نعروں کی گرم بازاری، یہ سب کچھ ثقافت کے انجکشنوں کے اثرات ہیں، ہماری نوجوان نسل ثقافت کے سیلاب میں از خود اس لئے بہہ رہی ہے کہ اسے نتائج کا اندازہ نہیں ثقافت کا نفوذ غیر شعوری طور پر بڑھتا جا رہا ہے۔ اور یہ اس وقت تک بڑھتا رہے گا جب تک ہم شعوری عمل کو بیدار نہیں کریں گے۔"

اب ہم ذیل میں رسالہ "ہمارا دشمن کون"؟ تصنیف کردہ جناب محمد انور رضا قریشی سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو ہر اسلامی فرقہ، مسلک اور جماعت کے لوگوں کے لئے نہایت اہم اور قابلِ توجہ ہے۔

"صیہونیت اور ہندو | یہ دو قومیں اسلامی دنیا کے لئے دائمی خطرہ ہیں۔ تقریباً تمام اسلامی ممالک اسرائیل اور ہندوستان کے درمیان یا قرب میں واقع ہیں...... ان دونوں کا آپس میں اسلام کے خلاف درپردہ سیاسی و فوجی الحاق ہے۔ اسرائیل دو بار عرب ممالک سے جنگ کر چکا ہے۔ اس نے عرب ممالک کے بہت سے علاقوں کو غصب کیا ہوا ہے۔ لاکھوں فلسطینیوں کو ملک بدر کر کے مہاجر بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ہندوستان نے کشمیر کو غصب کیا۔ پاکستان پر دو دفعہ حملہ کیا ہے اور پاکستان کے دو ٹکڑے کر کے مشرقی پاکستان کو "بنگلہ دیش" بنوا دیا ہے۔

اسرائیل اور ہندوستان مسلمانوں کے خلاف اپنے مذموم منصوبوں میں ایک ساتھ سرگرم ہیں۔ اسرائیل اگر ننگی تلوار ہے تو ہندوستان میٹھی چھری ہے۔ گذشتہ ۳۲ سال میں ہندو نے دس کروڑ مسلمانوں پر ہزاروں بار جبر و تشدد اور قتل و غارت کیا، مسلمان آبادیوں کو نذرِ آتش کیا اور ان سے زر خرید غلاموں سے بدتر سلوک روا رکھا ہے۔ ان پر روزگار کے تمام ذرائع تنگ کر دیئے ہیں تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو کر اُن کے ہم مذہب بن جائیں۔ ہندوستان میں قتل و غارت میں مسلک کی کوئی تشخیص نہیں ہے اور ہر کلمہ گو مسلمان کے ساتھ وحشتناک مجرمانہ سلوک ہوتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت جب مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تو ہندو کانگریس کے مسلمان ارکان اور مسلم لیگی مسلمان میں کوئی فرق روا نہ رکھا گیا اور ہر کلمہ گو کو خواہ وہ شیعہ تھا یا سنی، حنفی تھا یا شافعی، بریلوی تھا یا دیوبندی جو بھی ہتھے چڑھا بے دریغ قتل کر دیا گیا۔"

دشمن کا پرانا حربہ

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرنے کا حربہ دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ استعمال کیا ہے اور ۱۹۳۹ء میں شاہ ولی اللہ مدح صحابہؓ کا جھگڑا بھی مسلمانوں کے اتحاد کو درہم برہم کرنے کے لیے کانگریس کی ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس جھگڑے کے دونوں لیڈر کٹر کانگریسی اور بقول قائدِ اعظمؒ[۱] مسلم لیگ کے سخت ترین مخالف اور دشمن تھے۔

اس دور میں بھی دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے وہی حربہ استعمال کر رہے ہیں جو ماضی میں استعمال کرتے آئے ہیں۔ ایران اور عراق کی جنگ بھی دشمنانِ اسلام کی اسی سازش کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اُن واقعات سے ہم کو سبق لینا چاہیئے اور دشمنانِ اسلام کی ان سازشوں کو اپنے اتحاد سے ناکام بنا دینا چاہیئے۔

فرقوں سے نہ شیرازہ پریشان کرو | اُمت پہ خدارا یہی احسان کرو
ہے سہل مسلمان کو کافر کہنا | ہمت ہے تو کافر کو مسلمان کرو

(سعید بن وحید)

اب ہم چند اقتباسات کتاب "وحدتِ اُمت" تصنیف کردہ جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے پیش کر رہے ہیں جو مسئلہ زیرِ بحث کے سلسلہ میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور تمام علمائے اُمت کے لئے لائقِ توجہ ہیں۔

اقتباس از کتاب "وحدتِ اُمت"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک صبح نمازِ فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے کہا ہاں ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا حضرت

---

[۱] "جناح اصفہانی کاریسپانڈینس" صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰

آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گزری ہے اگر آپ کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

حضرت نے فرمایا ہماری عمر کا۔ ہماری تقریروں کا۔ ہماری ساری کد وکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں۔ کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو "صواب محتمل الخطاء" ثابت کریں۔ یعنی درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے اور دوسرے مسلک کو "خطا محتمل الصواب" کہیں یعنی غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا۔ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا بلکہ قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجہر حق تھی۔ یا بالسر حق تھی۔ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ امام ابو حنیفہؒ کو نہ امام مالکؒ کو اور نہ امام احمد بن حنبلؒ کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے معلوم کرے کہ امام ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعیؒ نے یہ نہیں ہوگا۔

تو جس کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے۔ نہ برزخ میں۔ نہ محشر میں۔ اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی۔ اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی۔ مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک

اہم نہیں۔ جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی ہے وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج وہی منکرات پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بدعت پرستی چل رہی ہے، حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں، ان فرعی اور فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا اس لئے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

خلفاء راشدین اور صحابہ اکرام کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے جن کا ذکر قرآن و حدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا تو صحابہ و تابعین کو قرآن و سنت کے نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔

پھر صحابہ کرامؓ کے شاگرد حضرات کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی ہے اور دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی لیکن اس پورے خیر القرون میں کہیں ایک واقعہ بھی ایسا سننے میں نہیں آیا کہ دوسرے گروہ کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرنے سے رو کیں۔ ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل۔ سب و شتم۔ توہین استہزاء یا فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ ہوا۔

شیخ الاسلام مولانا محمود الحسن صاحبؒ اسیر مالٹا نے رہائی کے بعد

علماء سے فرمایا۔ "میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دنیا اسلام دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہی ہے تو اس کے ۲ دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑنا دوسرے آپس میں اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے عزم لے کر آیا ہوں کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور اس پر عمل کو عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

علمائے حق نے ہمیشہ مسلمانوں کو آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی سے روکا ہے لیکن اس کے برعکس علماء سو نے ہمیشہ مسلمانوں کو لڑوانے اُن کو بھڑکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

"کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آسودہ اور فارغ بیٹھا ہے۔ اور گمراہ کرنے اور بھڑکانے سے ہاتھ کوتاہ کئے ہوئے ہے۔ اُس نے اس کا سبب پوچھا۔ لعین نے کہا اس وقت بُرے علماء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہ کرنے اور بھڑکانے کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔"

(مکتوب نمبر ۲۱۴۔ مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ص ۳۵)

لہٰذا ہم کو ایسے علماء سے ہوشیار رہنا چاہیئے اور اُن کے بھڑکانے میں نہ آنا چاہیئے۔ علماء حق کی نمایاں پہچان یہ ہے کہ وہ پابند شریعت ہوتے ہیں۔ آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مخلوقِ خدا سے محبت کرتے ہیں اور ان کا مشرب محبت ہوتا ہے۔

اب ہم ذیل میں بشکریہ روزنامہ جنگ حافظ بشیر احمد صاحب غازی آبادی کا ایک بصیرت افروز مضمون جو موصوف نے "اسلامی اخوت اور وحدتِ ملّی" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا ہے پیش کرتے ہیں۔

اسلامی اخوت اور وحدتِ ملّی

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر چلو۔ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت خالص اسلام پر ہونا چاہیئے۔ اور اللہ کی رسی کو سب لوگ مل کر مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا۔ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور یاد کرو جب تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تم پر اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت کو پا لو۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی بھی رہے جو نیک کام کی طرف بلاتی ہے اور اچھے کاموں کا حکم دیتی ہے اور برائی سے منع کرتی ہے۔ اور وہی لوگ فلاح و کامرانی پانے والے ہیں۔ (سورۂ آلِ عمران)

اس آیت میں مخاطب فرزندانِ توحید کو کیا گیا ہے۔ صرف سیاستدانوں دولت مندوں اور وابستگان کو نہیں، علمائے کرام اور مشائخینِ عظام سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ہو سکتا ہے کہ دین کی تبلیغ اور قومی یکجہتی کے لئے ان سے زیادہ موزوں کوئی دوسری جماعت نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں خدا جانے کیوں یہ طبقہ خاموش ہے اپنا فرض نہیں پہچان رہا ہے اور وہ حق ادا نہیں کر رہا ہے جو دینِ فطرت کا اس پر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی ذاتی عبادتوں میں مشغول اور علمِ تفسیر اور تحقیق کے

دریا بہا رہا ہو لیکن اس کے گرد انتشار پسندوں کے منحوس کردار کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ اور جو مسموم ہوائیں اور آندھیاں چل رہی ہیں اگر اس کے خلاف اس کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار نہیں ہوتی اور اس کے دل پر چوٹ بھی نہیں لگتی۔ تو سمجھئے کہ نہ تو معاشرے کی خیر ہے نہ تمدن کی۔

جو لوگ شیرازۂ ملّت کو منتشر کر رہے ہیں۔ فرزندان توحید میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ قومی یکجہتی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ ننگِ ملّت ہیں۔ ننگِ دین ہیں۔ ننگِ وطن ہیں۔ علمائے کرام اور مشائخین عظام کا فرض ہے کہ ان ننگِ انسانیت لوگوں سے معاشرہ کو بچائیں۔ مملکت پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً ۳۶ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن جن مقاصد کے لئے اس کو حاصل کیا گیا تھا ان کا ہنوز روزِ اوّل ہے جبکہ اس کے حصول کے لئے ہزاروں سہاگ لٹے۔ بچے یتیم اور مائیں بیوہ ہوئیں۔ مگر کسی دکھ اور تکلیف کی پرواہ کئے بغیر ہر مسلمان ایک نئے جذبہ سے سرشار اور اسی دھن میں مگن تھا کہ ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہونی چاہیئے۔ جس میں اسلام کا بول بالا اور اسلامی اقدار کی بالادستی ہو۔

ہر مسلمان اپنی معیشت، معاشرت اور مذہب غرض ہر لحاظ سے کسی کا دستِ نگر نہ ہو۔ چنانچہ ہر مکتبہ فکر کے مسلمان کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" خدا نے قائد اعظمؒ کی قیادت میں کامیابی بخشی۔ ہمیں آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اقوام عالم میں ہمیں باعزت مقام حاصل ہوا۔ اقتصادی لحاظ سے بھی ہم بہت سنبھلے۔ ارباب دین

ودانش کا اس پر اتفاق ہے کہ جو لوگ ماضی سے سبق حاصل نہیں کرتے ان کا حال پراگندہ اور مستقبل مایوس کن ہوتا ہے ماضی دانش کا منبع ہے اور علم کی کوکھ ہے۔ اس سے ہر اس فرد کو فائدہ حاصل کرنا چاہئے جو بہتر مستقبل کا خواہش مند ہے جو لوگ ماضی کو اگلے وقتوں کی لوگوں کی کہانیاں سمجھتے ہیں وہ بہتر مستقبل حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے

ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ پاکستان کے نوجوان افراد کو جب تک تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد کی غرض و غایت سے آگاہ نہیں کیا جائے گا وہ معاشرہ جس میں ہوشمندی اور حقیقت پسندی کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں، وطن عزیز میں پیدا نہیں ہوگا۔ پاکستان کے لئے قائدِ اعظمؒ اور اُن کے رفقائے کار نے اس لئے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں کہ اس خطۂ پاک سے دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام بہترین معلّم انسانیت ہیں۔ حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام زنجیروں کو کاٹ کر پھینک دیا جن میں خدا کی مخلوق جکڑی ہوئی تھی۔

رہبانیت کے طوق، قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت کش بندشیں، تقسیم انسانیت کے انسان سوز لسانی و نسلی اور وطنی معیار سب ایک ایک کرکے ٹوٹتے چلے گئے اور اسیرِ دام طائر لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں اذن بال کشائی عطا ہوا یہی وجہ تھی کہ نوعِ انسانی کے اس محسنِ عظیمؐ کی تشریف آوری پر جور و استبداد کے خدایانِ کہن نمرود طغیانی کے آقایانِ زمن کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے ہاتھوں سے تمام قوتیں چھین کر قوتوں کے اصل مالک خدائے ارض و سما کے ہاتھوں میں لوٹا دیں اور یوں اس زمین پر خدا کی حاکمیت کا تختِ اجلال بچھا دیا۔

ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب، کالے اور گورے، عربی و عجمی کے امتیازات

باطل مٹ گئے اور انسان ایک مرتبہ پھر خدا کی سرزمین پر سر اونچا کرکے چلنے کے قابل ہوگیا۔ اس نے اس خاک آلودہ کو مقام عبدہٗ سے آگاہ کرکے دنیا بھر کی غلامی اور عبودیت سے آزاد کردیا اور انسان نے محسوس کرلیا کہ وہ اس ایک دروازہ کا محتاج ہو کر کس طرح دنیا بھر کی دہلیزوں سے بے نیاز ہوگیا۔

اسلام کی تعلیم ہے حسن عمل جس کا مطلب ہے صحتِ عمل، اور صحتِ عمل ممکن نہیں جب تک از روئے حقائق ہم اس کا راستہ متعین نہیں کرلیتے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس قوم کے اپنے نظریات نہ ہوں. وہ ہجوم مردماں ہے قوم ہرگز نہیں ہے. قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور اسلام کو تمہارے لئے بحیثیت دین پسند کیا۔ (المائدہ) حضرت علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح سے کامل اور مکمل کردیا۔ تمہیں اس دین کے سوا اب کسی اور دین کی ضرورت نہیں۔

نہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اب کسی اور نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے۔ خدا نے تمہارے نبی کو خاتم النبیینؐ بنایا انھیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا۔ فرزندانِ توحید کیسے خوش قسمت ہیں کہ وہ اس اللہ کے محبوب کی اُمّت ہیں جو عزت و ذلت کا مالک ہے. قطرے کو چاہے دریا بنادے۔ صحرا کو چاہے ذرہ بنادے۔ پرچم توحید و رسالت بلند کرنے کی ذمہ داری امتِ محمدیہ کے سپرد کی۔ خفتہ بختی کی یہ انتہا ہے کہ ہم اس نعمت کی قدر نہ کریں۔ اسلام کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ نفسِ انسانی کی اصلاح و تربیت اس انداز پہ کی جائے کہ وہ اپنے رب

سے رشتۂ عبدیت قائم کر سکے۔

یہ محض اظہارِ عقیدت نہیں بلکہ حقیقت کا بیان ہے کہ قائدِ اعظمؒ نے برِ صغیر کے مسلمانوں کو حق خود اعتمادی اور خود مختاری کے جو محاسن سمجھائے تھے۔ انہی پر عمل کرنے کا نتیجہ قیامِ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس سے پورے عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ قائدِ اعظمؒ مسلمانوں کے وہ عظیم لیڈر تھے جنھوں نے قوم کے اخلاق و کردار میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے معاشرت اور سیاست پر چند مخصوص نظریات پیش کیے ہیں۔ وہ ملّتِ اسلامیہ کو جادۂ حق پر دیکھنا چاہتے تھے۔ عروجِ ملّتِ بیضا ان کی زندگی کا نصب العین تھا لہٰذا بلا کسی شبہ کے وہ گروہ بابائے قوم کی تعلیمات کا باغی ہے، جو امّتِ مسلمہ میں انتشار پھیلاتا ہے۔ فرزندانِ توحید میں فساد پھیلانے والے کوئی بھی ہوں، کسی ہوشمند انسان کی تائید کے مستحق نہیں ہیں۔

ملک کی موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر تمام فرزندانِ توحید خصوصاً قرآن و سنت کی تبلیغ و اشاعت کرنے والی مذہبی اور دینی جماعتوں کے رہنماؤں کو اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف ملک میں مکمل اسلامی نظام کی خاطر متحد و منظم ہونا چاہیے۔ اسلام دشمن عناصر اسلامی نظام سے لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی تذلیل، تضحیک اور تفریق بھی شامل ہے۔ علمائے حق اس شیطانی گورکھ دھندے کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اسلامی اخوّت کا چراغ روشن رہے گا۔

ضرورت صرف اس کی ہے کہ امّتِ مسلمہ کی وحدت کے لیے اسلامی فکر و نظر اور عمل پیدا کیا جائے۔ اور ملّتِ مسلمہ اسلام دشمنوں کے

مقابلہ میں متحد ہو جائیے۔ باہمی اخوت و محبت سے دشمنوں کے عزائم کو ناکام بنا دیا جائے۔ یہ حقیقت ہرگز محتاج وضاحت نہیں ہے کہ قرآن حکیم کا علم دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے۔ بابائے امت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ غور کرو لیکن جس وقت کوئی فیصلہ ہو جائے تو اس پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ جاؤ۔ کامیابی اور فتح آپ کے قدم چومے گی۔ اگر ہم نے سنجیدگی سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی نظام قائم کرنا ہے تو اس راہ میں جتنے بھی سنگ گراں آئیں ان سے خائف نہیں ہونا چاہیئے۔

علمائے کرام اور مشائخین عظام کا فرض ہے کہ اس طرح سے دین کو پیش کریں کہ جسے عوام آسانی سے سمجھ لیں جن مسائل میں فقہی اختلاف ہے ان پر غیر ضروری اصرار وقت کا تقاضا نہیں ہے پہلا کام اسلامی اخوت قائم کرنا ہے۔ بھائی چارہ کو فروغ دینا ہے آج مسلمانوں میں اتحاد کی جتنی ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی غیر اسلامی نظریات کے حامی اور ملت اسلامیہ کے دشمن مسلمانوں کو لڑانا چاہتے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء اتحاد اور اخوت اسلامی کے لئے کام کریں۔ علمائے اسلام و مشائخین عظام کی کوتاہ عملی موجودہ حالت میں خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے جذبۂ اخوت اسلامی کو استحکام بخشے۔ بلاشک ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۳ اپریل ۱۹۸۳ء)

مسلکِ اعتدال

اب ہم ذیل میں جناب حضرت مولانا حکیم انیس احمد صدیقی مدظلہٗ کی تصنیف "مسلکِ اعتدال" سے مزید چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو موضوع زیر بحث کے سلسلہ میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

عام مسلمانوں کا آپس میں اختلاف اور اس کے آداب

مسلمانوں میں جو روحانی اخوت کا رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم فرمادیا ہے کہ تمام مومن آپس میں بھائی ہیں اور دوسری آیات میں مومن کی صفات ہیں کہ آپس میں مہربان ہیں۔ نیز دوسری آیات میں اور احادیث میں جو ہدایات ملتی ہیں۔ مثلاً مسلمان وہ ہے جس کی زبان (تحریر یا تقریر) یا ہاتھ سے (بلاواسطہ یا بالواسطہ) مسلمان محفوظ رہیں۔ اور تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے دو مسلمان بھائیوں میں اختلاف وافتراق ہوجائے تو مصالحت کے لئے کچھ جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ مثلاً ایک کی طرف سے دوسرے کو کہا جائے، اس کا خیال آپ کے لئے بہت اچھا ہے۔ وہ دل سے آپ کی قدر ومنزلت کرتا ہے۔ یا اسی طرح

کوئی اور بات جو صلح میں کارآمد ہو، وہ کرنے کی اجازت ہے۔ ایسی بات کے بارے حکم ہے کہ وہ جھوٹ نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان کسی مسلمان بھائی سے تین روز سے زیادہ ترک کلام نہ کرے اور جو شخص کلام و سلام میں پہل کرے گا وہ اللہ سے بخشش اور انعام کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

اگر دو مسلمان بھائیوں میں کسی وجہ سے ناراضگی پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت کرانا ایک حدیث کے مطابق نماز روزہ اور صدقے وغیرہ سے افضل قرار دیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز روزہ وغیرہ عبادت سے فرد کی روحانی ترقی ہوتی ہے اور صدقے سے کسی ضرورت مند کی حاجت پوری ہوتی ہے جو ایک مادی اعانت ہے لیکن دو مسلمان ناراض بھائیوں کی صلح و اصلاح ذات البین اسلام کے معاشرہ کی روح ہے اور عبادات و اخلاق کا مدار ہے۔ دو مسلمانوں کے آپس میں ناراض ہونے کی وجہ سے دو افراد کا خُلق خراب ہو جاتا ہے اور ان کی صلح کے باعث ان کا خُلق بھی درست ہو جاتا ہے اور صلح کرانے والے کو اپنے اخلاق کے مظاہرہ کا موقع ملتا ہے اور اخلاق کی اسلام میں جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا۔ انک لعلی خلق عظیم ؀ آپ نہایت بلند اخلاق ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میری بعثت اس لئے ہوئی تاکہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کردوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا اور اس نے وہاں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس پر سختی کرنے

لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اس کے پیشاب پہ ایک ڈول پانی بہا دو۔ تحقیق تم لوگ سہولت پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ دشواریاں پیدا کرنے کے لیے (ریاض الصالحین ص ۳۰۷)

آپ ذرا سوچیے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ کا ہے۔ آج ہم اس زمانہ میں موجود ہیں کہ اہل السنت والجماعت کی مسجد میں کوئی اہل حدیث اتفاق سے آجائے اور رفع یدین کرے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ مکھیاں اڑانے والا کہاں سے آگیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم حنفیوں کے یہاں رفع یدین نہیں ہے لیکن حضرت پیران پیر غوث اعظم سید عبد القادر جیلانیؒ کے مسلک حنابلہ میں رفع یدین مسنون ہے۔ صرف اس بات پر مسئلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ بعض ائمہ مسجد کو دھونے کا حکم دیتے ہیں۔ اگر مسجد میں کافر یا مشرک بھی آئے تو مسجد کو دھونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ۔ (مومنون ۹۶) بری بات کو بہتر اور اچھے طریقے سے دور کرو۔ یہ نہیں کہ تم بھی وہی غلط اور برا طریقہ اختیار کر لو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔ ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے اور یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں۔ اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔ (القرآن ۳۵،۳۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ادفع بالتی ھی احسن کے حکم میں نہایت اہم اور ضروری ہدایت فرمائی ہے کہ ناپسندیدہ بات کا بہترین اور اچھے طریقے سے جواب دیا کرو۔ اگر سختی سے جواب دو گے تو اس سے کوئی فائدہ نہ مخاطب کو ہوگا نہ تم کو۔ بلکہ دونوں کو نقصان ہی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نبیوں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو ہدایت فرمائی وقولا لہ قولا لینا آپ دونوں اس (فرعون) سے نرمی کے ساتھ بات کریں۔ یہ آیت ہمارے لئے کیا سبق دیتی ہے ہم تو ان پیغمبروں کی خاکِ پا بھی نہیں ہیں اور ہمارا مخاطب خواہ کافر ہو یا مشرک لیکن فرعون سے تو کمتر ہے۔

تمیم داریؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین خیر خواہی ہے۔ یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کے لئے آپ نے فرمایا۔ (اول) اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے کے لئے (دوسرے) مسلمانوں کے ائمہ کے لئے (خواہ وہ بصورت حاکم عادل ہوں یا دین کے ائمہ) (تیسرے) عام مسلمانوں کے لئے (مسلم)

یہ حدیث بہت مشہور ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بزرگوں کا احترام نہ کرے۔

آپ کا جس کسی سے واسطہ پڑے گا وہ بڑا ہوگا یا چھوٹا ہوگا۔ اگر آپ اس سے چھوٹے ہیں تو اس کا ادب کریں، آپ بڑے ہیں تو اس پر شفقت کریں۔ اگر کوئی آپ سے بڑا ہے تو آپ سمجھیں اسکی نیکیاں زیادہ ہیں۔ اس کو خیر القرون کا نسبتاً قرب حاصل ہے اس لئے احترام کا مستحق ہے اگر چھوٹا ہے تو گناہوں سے محفوظ ہے۔ دنیا کی ہوا ابھی زیادہ نہیں لگی۔ اس لئے اس کی قدر منزلت کریں۔ اور ہمیشہ اپنے عیوب پر نظر رکھیں۔

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب پایا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ اس کی توہین و تحقیر کرتا ہے۔

اور مسلمان پر مسلمان کا خون اور مال اور اس کی عزت حرام ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسلمان جو اپنے بھائی مسلمان کی بے عزتی اور رسوائی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس مسلمان کا حق ہوتا ہے کہ اس کو دوزخ کی آگ سے بچائے اور پھر آیت تلاوت کی وکان حقا علینا نصر المومنین (شرح السنۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فلاں شخص بڑا نمازی، روزے دار اور صدقہ خیرات کرنے والا ہے لیکن اپنے محلے کے لوگوں کو زبان سے تکلیف دیتا ہے آپ نے فرمایا وہ دوزخی ہے۔ دوسرا شخص نماز روزہ صدقات میں کچھ کم ہے لیکن زبان سے کسی کو اذیت نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا جنتی ہے (مسند احمد وبیہقی)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن بندۂ مومن کے میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی عمل حسنِ اخلاق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بدخلق اور بدگو انسان کو پسند نہیں کرتے (ریاض الصالحین)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو نرمی سے محروم ہوا وہ ہر بھلائی سے محروم ہوا (ریاض الصالحین)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا خشمگیں مت ہوا کر یعنی غصہ نہ کیا کر۔ اس نے کئی بار پوچھا، آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ (ریاض الصالحین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو سنوار دیتی ہے اور جو چیز نرمی سے خالی ہو وہ عیب دار اور ناقص ہو جاتی ہے (ریاض الصالحین)

اللہ تعالیٰ نرم ہیں نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو کسی اور چیز پر عطا نہیں کیا جاتا۔ (ریاض الصالحین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم کو اپنے اعمال واقوال اپنی باتوں اور کاموں کا بغور محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اعتراض کرنا سب سے آسان کام ہے۔ اور نفس کو اس میں حظ اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے معائب پر نظر کریں تو یہ جہاد اکبر ہے۔

اگر آپ کسی سے دوستی یا تعلق کرنا چاہیں تو مدتوں میں دوستی یا تعلق قائم ہوتا ہے۔ لیکن دوستی کو عداوت میں بہت جلدی بدلا جا سکتا ہے۔ دوست کو گالی دیں برا کہیں، دشمنی ہو گئی۔ تعمیر کا کام مشکل ہے، اس میں وقت اور ہمت صرف ہوتی ہے لیکن تخریب اس کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔ اس لئے ہم کو اپنے مسلمان بھائیوں سے خصوصاً اور دوسرے انسانوں سے عموماً حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔ اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو کسی عالم دین سے دریافت کر کے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اپنی خواہش نفس پر عمل کرنا گناہ ہے۔ آپ کی محبت اور عداوت اللہ کے لئے ہونی چاہیئے لیکن ہوش کے ساتھ جوش کے ساتھ نہیں۔ یہ نہیں کہ شیطان آپ کو معصیت میں لگا دے اور آپ سمجھتے رہیں کہ یہ دین کا کام ہے شیطان اور نفس کے مکر اور فریب بھی بہت گہرے ہیں۔ اس باب میں اس آیت کو بڑی اہمیت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم	اے ایمان والو مذاق نہ اڑاؤ۔ ایک جماعت، دوسری جماعت کا۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے بہتر ہو اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کا مذاق کرے، ممکن ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ

الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون ۔ (حجرات ۔ ۱۰)

نام بڑا الو چڑانے کو فاسقانہ نام ایمان لانے کے بعد برے ہیں اور جو توبہ نہ کرے گا وہ ہی ظالموں میں سے ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انصار مہاجرین کا مذاق نہ اڑائیں۔ مہاجرین انصار کا مذاق نہ اڑائیں۔ آپس میں ایک خاندان والے دوسرے خاندان کا مذاق نہ کریں۔ نیز اس ہی آیت کے تحت ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا ایک خاندان دوسرے خاندان کا۔ ایک مسلک رکھنے والے حنفی شوافع کا۔ شوافع حنفیوں کا۔ مالکی، حنابلہ کا، حنبلی، مالکیوں کا، اور اسی طرح کوئی جماعت دوسری جماعت کا، روحانی سلسلوں میں چشتی نقشبندیوں کا، قادری سہروردیوں کا یا اس کے برعکس ایک دوسرے کا یا کسی بھی صورت میں ایک جماعت دوسری جماعت کا تمسخر نہ کرے لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم کسی ایک نظریئے والے دوسرے لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور صریح طور پر حکم ربانی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ممکن ہے کہ وہ جن کا مذاق اڑا رہے ہیں، مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم حنفی مسلک رکھنے والے اہل حدیث حضرات کا کئی بار مذاق اڑاتے ہیں، لیکن اہل حدیث میں اتباع سنت اور شریعت کی پابندی زیادہ دیکھنے میں آئی ہے جو یقیناً قابل تعریف ہے۔

اسی طرح اس آیت میں صاف حکم ہے کہ کسی کو برے نام سے مت پکارو، چڑانے والا نام مت لو۔ لیکن ہم مسلمانوں میں ایک دوسرے کو بدعتی، قبر پرست، وہابی، بزرگوں کا منکر اور خدا جانے کیا کیا کہہ دیتے ہیں اگر ہم کو کسی سے اختلاف ہو تو اس کو اختلاف کی حد تک رکھنا چاہیئے۔ بہرصورت کسی کو ایسے نام سے پکارنا جو اس کو ناپسند ہو قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے

صریح منع ہے۔ فاسقانہ نام اہل ایمان کے لئے بُرا ہے۔ مسلمانوں کو قبر پرست کہنا یا مشرک کہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

یہ احکام الٰہی جماعت کے اعتبار سے بھی ہیں اور انفرادی طور پر بھی ہیں چنانچہ۔ قوم کے بعد، ایک عورت دوسری عورت کو۔ اسی طرح ایک مرد دوسرے مرد کو۔ عورت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ عورتوں کا مزاج اور ان کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتی ہیں جس طرح آیت بیعت میں ذکر عورتوں کا ہے۔ اور اس میں مرد بھی شامل ہیں۔ اسی طرح یہ آیت بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے واجب العمل ہے۔ نیز اس آیت میں ہے کہ جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ یعنی ہم نے اگر کسی کا مذاق اڑایا ہے یا تمسخر واستہزا کیا ہے۔ ایسی اخلاق سوز حرکات سے ہم کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اور آئندہ احتیاط اور احتراز کرنا چاہیئے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عوام اہل اسلام کے علاوہ اہل علم حضرات کے لئے بھی اس طرح واجب العمل ہے جس طرح عام مسلمانوں کے لئے ہے بلکہ اہل علم اپنے علم کی وجہ سے اس پر زیادہ پابندی سے عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی چیز دیکھیں تو اس کو منع نہ کیا جائے۔ لیکن اس کے لئے بھی شریعت کی پابندی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ادع الی سبیل ربك بالحکمة الموعظة:۔ اپنے رب کے راستے کی طرف نصیحت اور حکمت کے ساتھ بلاؤ (نحل ۱۲۵)

نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مشہور ہے کہ ایک بڑے میاں کو غلط طریقے سے وضو کرتے دیکھا تو اس کو ٹوکا نہیں بلکہ ان سے کہا کہ میں نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے وہ میں آپ کے سامنے کر کے دکھاتا ہوں۔ اگر کوئی غلطی ہو تو اصلاح کر دیتا۔ حضرت حسینؓ نے سنت کے مطابق وضو کیا تو بڑے میاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور حضرت حسینؓ کی حکمت اور دانائی کا اعتراف کیا۔ ہر صورت میں ہمارا مقصد اصلاح ہے نزاع نہیں۔ ہمارا نصب العین تعمیر ہے تخریب نہیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب و سنت کے مطابق شریعت کے احکام کی پیروی کرنا ہمارا فرض ہے۔

حضرت علامہ سید جمال الدین افغانیؒ

اسلامی وحدت کے موضوع پر فرماتے ہیں :-

(علامہ سید جمال الدین افغانیؒ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔ ہمارے زمانے میں کسی شخص نے روح اسلام میں اس قدر تڑپ نہیں پیدا کی جس قدر انہوں نے پیدا کی تھی۔ افغانی کی شخصیت کچھ اور ہی تھی۔ قدرت کے طریقے بھی عجیب و غریب ہیں مذہبی فکر و عمل کے لحاظ سے ہمارے زمانے کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ مسلمان افغانستان میں پیدا ہوا۔

"اسلام کی حکومت عرض میں مغرب بعید کے انتہائی نقطہ تس کنی TASCNY واقع اطالیہ سے لے کر چین کی سرحد تک اور طول میں بسمت شمال قازان سے لے کر جنوب میں خط استوا کے نیچے لنکا تک پھیلی ہوئی تھی اس کے تمام ممالک ایک دوسرے سے متصل اور مربوط تھے۔ ان کی کوئی مصنوعی سرحدیں نہ تھیں ان میں آمد و رفت کی کوئی پابندی نہ تھی۔ یہاں مسلمان ہی آباد تھے اور وہی حکمران تھے۔ ان پر کسی کا دباؤ نہ تھا بہت کم ایسا ہوا کہ ہزیمت سے واسطہ

پڑا ہو ورنہ ان کا جھنڈا بلند ہوتا ہی رہا۔ اور ان کا حکم تسلیم ہی کیا جاتا رہا مسلمانوں سے بحریہ کی قوت کا یہ عالم تھا کہ بحیرہ ابیض و احمر اور بحر ہند میں اس کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔"

"آج بھی مسلمان ان ہی ملکوں میں آباد ہیں۔ جہاں ان کے باپ دادا رہتے تھے۔ ان کی تعداد بھی تینتیس کروڑ (یہ تعداد ایک صدی قبل لکھی ہے) سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں لیکن مسلمانوں کی غفلت اور افتراق سے قوت ضعف سے بدل گئی۔ نظام درہم برہم ہوگیا۔ فکر کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ مادی قوت ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپس کی دشمنی کے باعث انہوں نے ایسے اجنبیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا جو خود ان کے دشمن تھے" اس کی مثال مشرقی پاکستان بھی ہے۔ (مؤلف)

"ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پس پشت ڈالا۔ تمام فرائض میں سب سے بڑے فرض کو بجالانے سے انکار کر دیا۔ دشمن ان کے دروازوں پر کھڑا تھا اور یہ اختلاف کی آگ میں جل رہے تھے۔ درآں حالیکہ ان کا فرض تھا کہ وہ کسی ایک بات پہ متحد ہو جاتے۔"

"اگر مسلمان اپنے عقائد کی پناہ اور اپنے باعمل عالموں کی نگرانی میں اپنے ہی حال پہ رہتے تو ان کی فکریں متحد اور ان کے افراد آپس میں ایک دوسرے سے پیوست رہتے مگر افسوس کہ ان مفسدہ پردازوں نے مسلمانوں میں اختلاف و افتراق کی آگ بھڑکائی کیونکہ ان کو سب سے زیادہ اپنی بھلائی نظر آتی تھی۔ اس کے بعد اس مضمون میں اور تاسے پشاور تک مسلمانوں کو متحد ہونے کی دعوت دی ہے۔ اور پھر تمام عالم اسلام کو ایک مرکز پہ جمع ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ ایک آدمی کا حکم چلے۔ بلکہ سب پہ قرآن کی حکومت ہو اور اتحاد کا ذریعہ دین ہو۔"

"اتفاق کا وقت آگیا ہے۔ یہی وقت اتفاق کا ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔

زمانہ تم کو مہلت دے کر ہمدردی کر رہا ہے اس مہلت کو غنیمت سمجھو۔ اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو، رونے سے مردہ زندہ نہیں ہوتا۔ کفِ افسوس ملنے سے متاعِ گم گشتہ نہیں ملتی۔ غم کھانے سے مصیبت دور نہیں ہوتی۔ عمل ہی گنج نجات کی کنجی ہے۔" (مقالات افغانی، ترجمہ عربی ۱۹۲، ۱۹۴)

محبت

وہ سارے ادارے ہیں جائے فساد
جسے بغضِ ذاتی ہو، شیطان ہے
وہ مومن نہیں جس میں چاہت نہیں
نہیں جس میں حُبِّ خدا و رسولؐ
خدا و نبیؐ اور اُمّت کی اُلفت
اہم ہے ہر اِک یوں تو حکمِ شریعت
ادا ہو اگر دردِ اُمّت کی سُنّت
جو شمعِ رسالت کا پروانہ ہے
یہ فرقوں کے جھگڑوں کو چھوڑو خدارا
محبت ہی دیں ہے محبت ہی ایماں
یہی ہے حقیقت میں راہِ نجات
اسی کے توسّل سے ہوگا وفاق
محبت اگر دِل میں بیدار ہوگی
یقیناً وہ پائے گا خالق کی رحمت
حصولِ محبت ہی مقصودِ دیں ہے
دُعا ہے یہ خورشید کی میرے مولا

جو پیدا کریں دِل میں بُغض و عناد
نہ دِیں اُس کا باقی نہ ایمان ہے
رسولؐ اور اُمّت کی اُلفت نہیں
نہ ہوگی کبھی اُس کی طاعت قبول
ہے ملزوم و لازم یہ تینوں کی چاہت
مگر اُن میں افضل تریں دردِ اُمّت
تو ثابت ہو اپنی نبیؐ سے محبت
وہ اُمّت کا بھی اُن کی دیوانہ ہے
یہ نفرت کے ایوان توڑو خدارا
یہی روحِ سُنّت، یہی روحِ قرآں
یہی مردِ مومن کی ہے کائنات
اِسی سے چھٹے گا غبارِ نفاق،
تو تسخیرِ عالم نہ دشوار ہوگی
جسے ہوگی خلقِ خُدا سے محبت
جو خالی ہے اُلفت سے، ناجی نہیں ہے
محبت کی نعمت عطا کر خدایا

حسد اور کینے کو دِل سے مِٹا دے
محبت سے ٹوٹے دِلوں کو مِلا دے

◎

پاکستان میں سائنس کا مستقبل

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہمارے منشور کا ایک اہم جزو ہے۔ اور اس سلسلہ میں پروفیسر عبدالسلام صاحب کا یہ انٹرویو نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کو ہم بشکریہ "ڈان" کراچی اور بشکریہ ماہنامہ "تنظیم الاسلام" لاہور کتاب ہذا میں شامل کر رہے ہیں۔

ہم کو پروفیسر عبدالسلام صاحب کی رائے سے اتفاق ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک اس اہم شعبہ کی طرف خصوصی توجہ دیں ورنہ ہمارا تحفظ ذاتی اور تحفظ دین کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا

پاکستان کے نوبل انعام یافتہ اور ممتاز سائنس دان پروفیسر عبدالسلام کا انٹرویو شعبہ طبعیات کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ایم رفیع نے حال ہی میں ٹریسٹے (اٹلی) میں لیا تھا۔ قارئین کے اضافۂ معلومات کے لئے اس انٹرویو کا آزاد ترجمہ پیش خدمت ہے۔

ایم رفیع — آپ جنوری میں انڈیا جانے سے قبل پاکستان تشریف لائے تھے اس سے پہلے آپ دسمبر ۱۹۷۹ء میں پاکستان آئے تھے جب آپ کے اعزاز میں نوبل انعام کی تقریبات منعقد ہوئی تھیں۔ پاکستان میں سائنس کے مستقبل کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

پروفیسر عبدالسلام — دسمبر ۱۹۷۹ء کے دورے کے بعد میرا تاثر یہ تھا کہ شاید پاکستانی قوم میں سائنس اور اس کا علمی شعور فروغ پا رہا ہے لیکن شومئ قسمت کہ ایسا نہیں ہوا۔ مجھے توقع تھی کہ سائنسی علوم کی تحصیل کے مواقع فراہم کئے جائیں گے

جس سے قوم کے نوجوانوں میں سائنس پڑھنے کا رجحان بڑھے گا لیکن شاید میرا یہ قیاس بھی غیر معمولی رجائیت پسندی پر مبنی تھا۔ البتہ اس سال ڈاکٹر ظفر حسن نے (جو ایک صنعت کار ہیں) صنعت کاروں کی طرف سے بنیادی سائنس کا ایک مرکز قائم کرنے کی ابتدا کی ہے۔ میں نے امسال جنوری میں اس اقدام سے متعلق میٹنگ میں شرکت کی تھی لیکن اسے پروان چڑھنے کے لئے وقت درکار ہے۔"

ایجو رفیم — "سینٹیر پیٹرک مونیہن نے انڈیا میں سائنس اور ٹیکنیکی علوم کے بارے میں ایک دفعہ کہا تھا کہ انڈیا ۲۰۰۰ء تک سُپر پاور بن جائے گا۔ انڈیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے معائنہ کے بعد آپ کیا پیش خبری کرتے ہیں؟"

پروفیسر عبدالسلام "انڈیا کے دورے میں مجھے یہ سب کچھ نہایت فخر سے دکھایا گیا۔ "بھابھا ریسرچ سنٹر" "نیوکلیئر فیول پلانٹ حیدرآباد" اور "سٹیلائٹ مینوفیکچرنگ اسٹیشن بنگلور" ان میں سب سے مؤثر اغلباً سٹیلائٹ ٹاؤن مرکز تھا جہاں بقول ان کے بیس سالہ جاپانی تجربات کا چھ سالوں میں مشاہدہ کر لیا گیا ہے۔ انھوں نے مشاہدات بعید اور مواصلات کے چار سٹیلائٹ پہلے بنا تیار کر لئے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ اس مرکز میں چھ صد سائنسدان کام کرتے ہیں اور اس کا سالانہ بجٹ چودہ کروڑ روپیہ ہے جو کچھ انھوں نے مجھے دکھایا وہ بلند اعلیٰ پایہ کی ٹیکنیکی کامیابی تھی جس کا بیشتر میٹریل انڈیا ہی کا پیدا کردہ تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ انڈیا کے ان مخصوص اداروں میں مسلمان سائنسدان ڈائرکٹروں اور اونچے درجے کے ریسرچروں کے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان مراکز میں کام کرنے والے کل مسلمان سائنسدان اپنی آبادی کے تناسب سے ایک چوتھائی سے پانچویں اکائی تک ہیں ان کی کارکردگی بہترین ہے۔ لیکن تعداد نہ ہونے کے برابر۔ ہاں انڈیا میں میں نے اس نوع کے فخریہ بیانات سنے کہ سائنسی کمیونٹی میں اب انڈیا کا نمبر تیسرا ہے ان حقائق کے پیش نظر مجھے انڈیا کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی سے متعلق سینٹیر پیٹرک مونیہن کی

پیش خبری حقیقت سے بعید معلوم نہیں ہوتی۔

ایم رفیع ـــ "آپ کے خیال میں وہ کونسے اسباب و عوامل ہیں جو انڈیا کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس مقام تک لے آئے ہیں۔"؟

پروفیسر عبدالسلام ـــ "جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے ہندوستان کے اس مقام تک پہونچنے کی سب سے بڑی وجہ اپنے آپ پر اعتماد ہے۔ پنڈت نہرو کے زمانہ ہی سے جب بھی کبھی مقامی اور درآمدی صناعی کا سوال پیدا ہوا تو حکومت کا جھکاؤ اپنے آپ پر انحصار ہی کی طرف رہا۔ پاکستان کی طرح انڈیا میں بھی مقامی تجارتی برادری اور بیرونی صنعت کاروں کا دباؤ رہا لیکن وہ سختی سے اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ ان درآمدات کی ہرگز اجازت نہ دیجائے جو اندرون ملک پیدا کی جاسکتی ہیں تاکہ مقامی ٹیکنیکی مہارت کی حوصلہ افزائی ہو اور اُسے فروغ حاصل ہو، مثال کے طور پر انڈیا نے مقامی طور پر تیار ہونے والی اپنی ایمبیسڈر کار پر اکتفا کیا اور وہاں درآمدی کاروں، ٹیپ ریکارڈوں کی کوئی کھپت نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چین کی طرح انڈیا نے بھی یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ اشیاء خود بنائے گا یا ان کے بغیر ہی گذارہ کرے گا ان کے اس اصول کا کمپیوٹروں سے لے کر کوکا کولا تک ہوتا ہے ـــ اس ترقی کی دوسری وجہ جو میں نے محسوس کی وہاں سائنس دانوں کی عزت و توقیر ہے۔ ڈاکٹر سوامی ناتھن ہی کی مثال لیجیے ـــ وہ رائل سوسائٹی کے فیلو ہیں اور ملک کے نہایت ہی ممتاز زرعی سائنس داں ہیں انھوں نے "رنگ" پر تحقیق کی جو برصغیر کے موسمی اثرات کے باعث میکسیکن گندم کو متاثر کرتا ہے۔ وہ اب انڈیا کے پلاننگ کمیشن کے رکن ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ بس یہی واحد مثال ہے ـــ جہاں تک مجھے معلوم ہے ابتدا ہی سے انڈیا میں پلاننگ کمیشن میں ایک سائنس دان رکن رہا ہے۔ پھر وہاں سائنس کے لئے معقول سرمایہ مہیا کیا جاتا ہے۔ انڈیا کے بجٹ کا ۳/۴ فیصد تحقیقات کے لئے مختص کیا جاتا ہے جسے قومی لیبارٹریوں

ہیں مقصدی انداز سے صرف کیا جاتا ہے ـــ اس سلسلہ میں انڈیا اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں یہ فرق ہے کہ جب بھی حکومت کسی ایسے پراجیکٹ کی جانچ پڑتال کے لئے (جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا دخل ہو) کوئی پارٹی تشکیل دیتی ہے اس میں تحقیقی مراکز یا یونیورسٹیوں سے منسلک سائنس دان اور ٹیکنیکی ماہروں کو ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ یہ طریق کار دوسرے ترقی پذیر ممالک میں نہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہاں سائنس دانوں کی جماعت فروغ نہیں پاتی حالانکہ بیوروکریسی کے طریق کار میں معمولی سے ردّ و بدل سے ایسا کرنا ممکن ہے اور اگر ایسا ممکن ہو جائے تو سائنس دانوں کے حوصلے بلند ہو سکتے ہیں۔"

تقابل

ایم رفیع ـــ "میں اس سلسلہ میں اب آپ سے اپنے اس سوال کا جواب چاہوں گا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں انڈیا کے مقابلہ میں پاکستان کا کیا مقام ہے"

پروفیسر عبدالسلام ـــ "ممکن ہے میرا جواب تلخ ہو۔ لیکن ہمیں بہر حال حقائق کا سامنا کرنا ہی چاہیے۔ آپ تقابل چاہتے ہیں تو انڈیا کے دورے کے بعد میرا تاثر یہ ہے کہ سائنس کے نقشہ پر جو مقام انڈیا کا ہے پاکستان اس مقام پر نہیں، پاکستان میں ہم پرانی نسل کے ان کاموں پر بے جا طور پر مفتخر ہیں جو جلد ختم ہو جائیں گے۔ اور پاکستان کی نئی نسل سائنس کے میدان میں داخل ہی نہیں ہو رہی۔ میں آپ کو کچھ اعداد و شمار بتاتا ہوں۔ انہی سے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا مقام کیا ہے۔

۱۹۷۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ۱۴۰۰ طلباء نے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا ۱۹۷۸ء میں یہ تعداد گھٹ کر ۵۵۰ رہ گئی۔ ۱۹۸۰ء میں ورلڈ بنک نے جو اعداد و شمار جاری کئے ان کے مطابق ترقی پذیر ممالک اپنی باری کے چھ سے

گیارہ سال کے بچوں میں سے ۴۶ فیصد کو۔ اور ۱۲ سے ۱۷ سال والوں میں سے ۳۸ فیصد کو اور ۱۸ سے ۲۳ سال کی عمر والوں میں سے ۸،۷ فیصد کو تعلیم دلوا رہے ہیں یہ اعداد و شمار ہر قسم کی تعلیم کے ہیں صرف سائنس کے نہیں پاکستان میں مقابلۃً یہ تناسب ۶۴ فیصد کی بجائے ۳۱ فیصد۔ اور ۸،۷ فیصد کے بجائے ۳ فیصد ہے گویا ہم اس معاملہ میں ترقی پذیر ممالک کی عام اوسط کو بھی نہیں پہونچ پائے۔ چینی، عرب، افریقی اور لاطینی امریکہ والے ہم سے کہیں بہتر ہیں دراصل ہم ہی ترقی پذیر ممالک کی عام اوسط کو کم کر رہے ہیں۔ محض تقابل کے نقطۂ نظر سے ترقی یافتہ ممالک کا تناسب بالترتیب ۹۴ فیصد اور ۸۶ اور ۳۸ فیصد ہے، انڈیا کی نسبت ۴۶ فیصد ۲۷ فیصد اور ۶ فیصد ہے گو انڈیا کے اعداد و شمار بھی بہتر نہیں، لیکن ۱۲ سال اور اس سے زائد عمر کے بچوں کی نسبت پاکستان سے دوگنی ہے یہی وہ عمر ہے جب ایک طالب کو اپنے کیریر کا تعین کرنا ہے۔

طبیعات کے "پی، ایچ، ڈی"

دوسری مثال لیجیے۔ پاکستان بھر میں طبیعات کے ایک سو سے کم۔ پی ایچ ڈی ہیں جبکہ انڈیا میں سات ہزار کے قریب ہیں۔ انڈیا عالمی سائنس کلب میں شامل ہے جبکہ پاکستان میں اس سلسلہ میں جذبہ یکسر مختلف ہے۔ میں سفارش کروں گا کہ پاکستانی سائنسدانوں کا ایک وفد سائنس کے ایڈمنسٹریٹروں کی معیت میں انڈیا جائے اور دیکھے کہ وہ کیا اور کیسے کر رہے ہیں وہاں وہ بہت کچھ کر سکیں گے۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سائنس کی تعلیم کا اہتمام و انصرام صرف حکومت ہی کا فریضہ نہیں بلکہ یہ تمام قوم اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے انسان دوستوں اور والدین کی ذمہ داری ہے۔ ہم سے ہر ایک کو (جس قدر بھی ممکن ہو) مقامی سکولوں اور کالجوں کی امداد کرنی چاہیئے۔

ایم رفیع —— "پاکستان میں ہماری ایک مصیبت یہ ہے کہ ہمارے طلبہ اور سائنس دان بیرونی ملکوں میں جاکر اعلیٰ ڈگریاں اور تربیت حاصل تو کرتے ہیں لیکن پاکستان واپس نہیں آتے۔ نہ صرف یہی بلکہ ہمارے وہ کوالیفائڈ لوگ بھی

(جو یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں) مڈل ایسٹ چلے جانے کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ اسی سے ہمارے مسائل و مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اپنے ملک کی تعمیر کرنا ہے۔ باہر سے تو کوئی ہمارے لئے کام کرنے کو آنے سے رہا۔"

پروفیسر عبدالسلام ـــــ فرض کیجئے پاکستان ۱۳ سے ۱۷ سال تک کی افرادی قوت کو ۱۳ فیصد کی بجائے دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح ۳۸ فیصد کو تعلیم مہیا کرتا ہے تو ۵۰ فیصد تعلیم یافتہ افراد کو باہر تعلیم کے لئے بھیجکر بھی ملکی ضرورت پوری ہو سکتی ہے اور اگر یہ ترقی یافتہ ممالک کی طرح (جن میں اتفاق سے جنوبی کوریا بھی شامل ہے) ۸۴ فیصد افراد کو تعلیم مہیا کرتا ہے تو پھر کوئی کمی محسوس ہی نہیں سکتی ہم تو بہت ہی کم لوگوں کو تعلیم مہیا کر رہے ہیں جو ہماری آبادی کے تناسب کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے۔ تکلیف دہ امر تو یہ ہے کہ جنھیں ہم پاکستان میں پڑھاتے ہیں اور سکھلاتے ہیں اور وہ رہتے بھی یہاں ہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہم ان کی خدمات سے بھی کوئی استفادہ نہیں کرتے انہیں بھی کام نہیں کرنے دیا جاتا۔ اب چونکہ بات چل پڑی ہے تو کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ طبیعات کو تحقیق کے لئے کتنی گرانٹ ملتی ہے؟ میں جانتا ہوں کہ یہ اس قدر کم ہے کہ اس کا ذکر کرنے سے بھی ندامت ہوتی ہے۔ کراچی کے متمول طبقے نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے؟"

ایم رفیع ـــــ "ایک بار پھر آپ کے انڈیا کے دورہ کی طرف لوٹتے ہوئے میں آپ سے یہ دریافت کروں گا کہ مجملاً آپ اپنے اس دورے کا ماحصل کیونکر بیان فرمائیں گے؟"

پروفیسر عبدالسلام! اس طرح کہ:

اول: کہ وہاں ہر مذہب کے طلبا اور سائنسدانوں کے چہروں پر تعلیم کے لئے ایک بے ساختہ قسم کی توقیر نمایاں تھی سائنس کے لئے ایک اونچی قسم کی

لگن تھی اور بر صغیر میں اپنے کارناموں پر فخر کا احساس تھا ــــ میں نے ہر جگہ سیاسی زعماء سے یہ سوال کیا کہ آخر یہ فخر و مباہات کیوں؟ اس مباحات کی مسائل کے سیاسی حل سے تو بہر حال تائید نہیں ہوتی۔ میرے لئے یہ بات دلچسپی کا باعث تھی کہ بہت سے سیاسی زعمائے اس نفرت کے بیج بونے کا ذمہ دار ــــ غیر ذمہ دارانہ صحافت کو قرار دیا۔

دوم: میں خیال کرتا ہوں کہ میں وہاں کے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے میں کامیاب ہوا ہوں میں نے انھیں یاد دلایا کہ سائنس ان کا ورثہ ہے جسے دوبارہ اپنانے کے لئے اُنہیں مستعدی سے کام کرنا چاہیئے۔ میرے اس دورے کے دوران ایک ایسی میٹنگ بھی منعقد ہوئی جس کی صدارت ہمارے حکیم سعید کے بڑے بھائی "ہمدرد" کے حکیم عبدالمجید صاحب نے کی تاکہ "سرسید سائنٹیفک سوسائٹی" کا احیاء ہو یہ بھی کوشش کی گئی کہ شمالی انڈیا کے بیس۲۰ شہروں کے مسلمان طلباء کے لئے (جو سائنس کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں) دس ملین کی رقم جمع کی جائے مجھے توقع ہے اور میں دست بدعا ہوں کہ کاش پاکستان میں بھی ایسا ہو۔

المختصر میں اس قابل ہوا۔ کہ میں انڈین سائنس کو جانچوں اور ان کی ترقی کو دیکھوں تاکہ یہ مشاہدہ میرے ملک کے کام آئے ــــ یہ نہیں کہ ان کی سائنس میں کمزوریاں اور جھول نہیں ہیں مثلاً یہی کہ یونیورسٹی سے منسلکہ تحقیقی شعبہ جات نسبتاً کمزور ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ٹریسٹے کے مرکز نے ان کی امداد پاکستان اور بنگلہ دیش ہی کی طرح کی ہے۔"

ایم رفیع ــــ "نوبل انعام ملنے کے فوراً بعد آپ کی پاکستان میں آمد مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کیا آپ اس پر کوئی تبصرہ کرنا پسند فرمائیں گے؟"

پروفیسر عبدالسلام ــــ "پاکستان میں پبلک یا طلباء کی طرف سے منعقدہ تقاریب کے علاوہ ایسی کوئی تقریب نہ تھی جسے میں یاد رکھ سکوں۔ صرف

تین ہی ایسی تقاریب ہوئیں جو قابل ذکر ہیں ان میں سے دو کراچی میں ہوئیں۔ ایک جو آپ کے شعبہ کی طرف سے کراچی یونیورسٹی اور انجنیرنگ کالج کے زیر اہتمام منعقد ہوئی اور دوسری جس کا اہتمام پاکستانی ڈاکٹروں نے کیا اور تیسری جو میرے جائے پیدائش جھنگ میں ہوئی ــــ صدر پاکستان نے مجھے سب سے اعلیٰ تمغہ "نشانِ امتیاز" عطا فرمایا۔ اسلام آباد یونیورسٹی نے اپنی دو شاندار تقاریب میں مجھے ڈگری سے سرفراز کیا یہ بہت بڑا اعزاز تھا لیکن بدقسمتی سے میں سائنس کے طلبہ میں گھل مل نہ سکا (جیسا کہ آپ جانتے ہیں بعض اشخاص کی طرف سے قانون شکنی کا خطرہ تھا) میرے خیال میں لوگوں کے جذبات کا غلط اندازہ لگایا گیا اس فخر کا اظہار واضح طور پر اس وقت ہوا تھا جب کراچی میں طلبہ مجھے ملنے آئے تھے اور ایسے طلبہ کا جو وظائف حاصل کرنا اور سیکھنا چاہتے ہیں طریق اظہار افتخار ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ پھر صدر جنرل ضیاء الحق نے میرے استاد علامہ بشیر افضل جعفری کو ایک سرکاری تقریب منعقدہ اسلام آباد میں مدعو کیا ــــ ذاتی یادداشت کے طور پر میں یہ بھی بیان کر دوں کہ پروفیسر گنگولی نے ۴۶-۱۹۴۵ء میں لاہور میں مجھے حساب پڑھایا تھا۔ جب کلکتہ یونیورسٹی نے میری یہ شرط فوراً منظور کر لی ۸۰ سالہ السر کے مریض پروفیسر گنگولی کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اس تقریب میں خود شریک ہو سکیں۔ چنانچہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر آر۔ کے پوڈر میرے ساتھ گئے اور پروفیسر صاحب کی اقامت گاہ پر توصیفی سند کے علاوہ ان کی خدمت میں ان کی تدریسی لگن کے اعتراف کے طور پر تیس ہزار روپے کا چیک پیش کیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس قسم کے انعامات پاکستان میں بھی دیئے جانے چاہئیں"

ایم رفیع ــــ "کیا آپ پاکستان کے سائنسدانوں اور ماہرین تعلیم کو کوئی پیغام دینا پسند فرمائیں گے ؟"

پروفیسر عبد السلام ــــ میرا پیغام یہ ہے کہ ایک ترقی پذیر ملک کے لئے بہترین مصرف تعلیم کے میدان میں خرچ کرنا ہے۔ پاکستان تا حال سائنسدانوں کی

قوت اور سائنسی اور ٹیکنیکی ادارے پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا موجودہ صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو اس کے شایان شان مقام تک پہنچانے کے لئے محکم۔ متواتر اور ذمہ دارانہ اقدامات کئے جائیں۔ دوسرے موجودہ سائنسدانوں کی خدمات سے استفادہ کیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ سائنسدانوں، منصوبہ گروں اور ایڈمنسٹریٹروں میں ایک دوسرے کی عزت و توقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذاکرات ہوتے رہیں تاکہ ہم درآمدی مصنوعات پر انحصار کم کر سکیں اور مقامی صنعت کو فروغ دیں اور اس کے ساتھ ہی درآمدی اشیاء کا متبادل بھی تلاش کر سکیں یہ دونوں ایسے عوامل ہیں جن کا تعلق حکومت سے ہے۔ اور تیسرا عمل وہ ہے جس کا تعلق ساری قوم سے ہے یہ کہ والدین طلبہ بلکہ ہر شخص یہ ذہن نشین کر لے کہ اگر ہمیں ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو ہمیں سائنسی اور ٹیکنیکی علوم پر دسترس و مہارت کی اشد ضرورت ہے۔ درآمدات پر مشرق وسطیٰ سے حاصل کردہ سرمایہ عارضی ہے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے سکولوں سے ایک سائنسی معاشرہ پیدا کریں سائنسی احباب کو سخت کوشش بنائیں اور سائنس کے تحقیقی مرکز قائم کریں سائنس فاؤنڈیشن قائم کریں جو سائنسی علوم اور تحقیق میں مدد دیں ان مقاصد کے حصول کے لئے پوری قوم کو قربانیاں دینی ہوگی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اسلام اس بات کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو "تفکر" (سائنس) اور قدرت کی طاقتوں کو تسخیر (ٹیکنالوجی) میں مصروف رکھے۔ میری ناچیز رائے میں اسلام کے اس درس کی اہمیت دور حاضر میں اسلامی دنیا اور پاکستان کے لئے بہت زیادہ ہے۔ ہمیں کھوئے ہوئے وقت پر افسوس کرنے کا سلسلہ بند کر دینا چاہیئے۔ ہم یہ مہم آج بھی شروع کر سکتے ہیں۔ اگر حکومت اور قوم عزم صمیم سے اس راہ پر قدم مارنے کا تہیہ کر لیں تو پھر اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ہماری کوششوں کو ضرور ثمر دار کرے گا۔ وہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔

(بشکریہ "ڈان" کراچی)

جوہری توانائی کا حصول

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء کی آیت ۷۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! پہلے اپنا تحفظ کرو اور پھر نکلو جماعتوں میں یا سب مل کر"

اسی سورہ مبارکہ کی آیت ۱۰۲ میں ارشاد ہوا۔

"کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تا کہ وہ حملہ کر کے تم پر ٹوٹ پڑیں۔"

ان آیات کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے اپنا تحفظ کرنا اور موجودہ دور کے ہتھیاروں اور دیگر اسباب دفاع کا حصول بھی ناگزیر ہے لہٰذا تمام مسلمانان عالم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل کو مجتمع کر کے جس میں سیال سونا بھی شامل ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی کر لیں کہ موجودہ دور کے تمام ہتھیاروں اور اسباب دفاع کو خود تیار کر سکیں اور اپنے تحفظ کے لئے بوقت ضرورت استعمال کر سکیں دفاعی اور اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جہاں سائنس کے دیگر شعبوں میں ترقی ضروری ہے وہاں جوہری توانائی کا حصول بھی ناگزیر ہے دنیا میں توانائی کے ذرائع تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ لہٰذا پاکستان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ جوہری توانائی حاصل کرے اور یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر پاکستان معاشی اور دفاعی تحفظ حاصل کر سکتا ہے بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک کو متحد ہو کر اور اپنے تمام وسائل کو کام میں لا کر جوہری ترقی میں برابر کا شریک ہونا چاہیئے تا کہ تمام اسلامی ممالک دشمنان اسلام سے محفوظ ہو جائیں۔

"حال ہی میں صدرِ مملکت نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ جوہری ترقی میں تخفیف کے لئے ہم پر جو بھی امتیازی دباؤ ڈالا جائے گا پاکستان اس کا مقابلہ کرے گا۔ اس عزم سے پاکستان میں کوئی بھی اختلاف نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے صیہونی منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ یہ بھی ہے کہ کوئی اسلامی ملک جوہری توانائی حاصل نہ کر سکے۔ لہٰذا اسی منصوبے کے تحت اس نے بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کیا اور اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک خاموش تماشائی بنے رہے اور دورِ حاضر کے اس ہوائی قزاق کے خلاف بجز زبانی ہمدردیوں کے اور کچھ نہ کر سکے۔ اب یہ ہوائی قزاق پاکستان کے خلاف بھی اس قسم کی کارروائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں روزنامہ جنگ میں مورخہ ۵ اگست ۱۹۸۲ء کو پہلے صفحہ پر جو خبر شائع ہوئی ہے وہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک کے لئے قابلِ غور ہے۔

"اسرائیل نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے لئے جدید امریکی طیارے طلب کر لئے سی ۱۳۰۔ نامی طیارے اسرائیل سے اڑ کر پاکستان کی ایٹمی تنصیبات تک پہنچ سکتے ہیں۔ سوویت خبر ایجنسی کا انکشاف۔

ماسکو۔ اسرائیل نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ اسے جدید ترین کے سی ۱۳۰ طیارے فراہم کئے جائیں جو حملے کی غرض سے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سوویت خبر ایجنسی نے پی این نے مصری روزنامے السیاسہ کے حوالے سے کہا ہے کہ اس بات کے تمام شواہد موجود ہیں کہ اسرائیلی قیادت نے اس منصوبے پر عملدرآمد کا آغاز کر دیا ہے جس کے بارے میں اخبارات نے ایک سال قبل خبریں شائع کی تھیں جن میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی طیارے مبینہ اسلامی بم کے سدِ باب کے لئے پاکستانی ایٹمی تحقیقاتی مرکز پر حملہ کر سکتے ہیں اسرائیل کا یہ

انسدادی منصوبہ مسلمانوں کی جانب اس کی پالیسی کی عکاسی کرتا ہے صیہونی اسرائیل گزشتہ کئی برسوں سے فلسطینیوں کے خلاف دہشت گردی کرتا رہا ہے۔ اور پاکستان فلسطینی ریاست کے قیام کی راہیں مسدود کرتا رہا ہے اسرائیل مشرق وسطیٰ کے ممالک کے داخلی معاملات میں مداخلت بھی کرتا رہتا ہے اور علاقے کے متنازعہ مسائل کے پرامن تصفیئے کو روکنے کے لئے بڑے پیمانے پر مسلح جارحیت کا ارتکاب بھی کرتا رہتا ہے۔"

یہ خبر تمام عالم اسلام کے لئے خصوصی توجہ کی متقضی ہے اور یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آپس کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے سب سے زیادہ خطرناک اور دائمی مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہو جائیں۔ ورنہ وہ دن دور نہیں ہے کہ صیہونیت یکے بعد دیگرے تمام اسلامی ممالک کو تباہ و برباد کر دے گی یا ان کو اپنا غلام بنا کر وہ مظالم ڈھائے گی جس کے سامنے فلسطین اور بیروت کے مظالم بھی ماند پڑ جائیں گے۔

اے مسلمانو! تمہیں کب ہوش آئے گا کیا اس وقت جب پانی تمہارے سروں سے اونچا ہو چکا ہو گا؟ کیا اس نازک دور میں بھی تم آپس کے اختلافات اور خانہ جنگیوں کو ختم کر کے اپنے اپنے مسلک اور اسلام کی بقاء کے لئے متحد نہیں ہو گے؟ آخر کب تک تم اغیار کے جھوٹے وعدوں اور طفل تسلیوں پر تکیہ کرو گے جو بظاہر تمہارے دوست اور در پردہ تمہارے دشمن ہیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بھلا دیا ہے کہ "کفار اور مشرکین تمہارے کبھی دوست نہیں ہو سکتے"۔ خدا را اب تو اس خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ اقتدار کی ہوس، سیم و زر کی طمع اور آخرت سے غفلت تم کو کہیں کا نہ رکھے گی۔ کیا تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو کہ عیش و عشرت کی زندگی قوموں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ آج فلسطین، بیروت، اور افغانستان کے مسلمانوں پر قیامت نازل ہوئی ہے تو کل تمہاری باری ہے یاد رکھو! صیہونیت یکے بعد دیگرے

تمام اسلامی ممالک کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اور دیگر اسلام دشمن قوتیں انکی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ اور حقیقت میں دورِ حاضر کے اس ہوائی قزاق کو اسی لئے کھلی چھٹی دی گئی ہے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ کی تمام اسلامی حکومتوں کو اپنا غلام بنا کر سب سے پہلے تیل کے مراکز پر قبضہ کرے خواہ وہ عرب میں ہوں یا ایران میں۔ اے سیال سونے کے مالکوں! عرصۂ دراز سے تمہارے ان خداداد خزانوں پر لٹیروں اور قزاقوں کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ اگر تم متحد نہ ہوئے تو یہ خزانے جس پر تمہاری خوشحالی اور بقا کا دارومدار ہے بہت جلد تمہارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔

اگر کوئی اسلامی ملک یہ سمجھتا ہے کہ جن طاقتوں نے اسرائیل کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے وہ اس کے خلاف ان کی مدد کریں گے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے اور اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ تمام اسلام دشمن قوتوں کی پشت پناہی اسرائیل کو حاصل ہے اور رہے گی۔ لہٰذا اس تباہی سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام مسلمانانِ عالم مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں اور آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی کو ختم کرکے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور اغیار کی عارضی بیساکھیوں کا سہارا لے کر چلنا چھوڑ دیں جو انھوں نے ہم کو قطعی طور پر معذور کرنے کے لئے فراہم کی ہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے۔ صرف ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے "اتحاد" آج اگر ہم میں اتحاد ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

المیۂ بیروت

اب ہم شکریہ ہفت روزہ "اخبار جہاں" جلد ۱۶ شمارہ ۳۶ مورخہ ۲۷ ستمبر تا ۳ اکتوبر ۱۹۸۲ء سے جناب اقبال احمد صدیقی صاحب کا ایک مضمون نقل کرتے ہیں جس میں موصوف نے فلسطین کے مسلمانوں پر یہودیوں اور نصرانی فلانجسٹوں کی بربریت اور وحشیانہ مظالم پر روشنی ڈالی ہے جسکو پڑھ کر ہلاکو اور

چنگیز خاں کے دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

المیہ فلسطین ۔ المیہ لبنان ۔ تاریخ اسلام کا ایک اور عظیم سانحہ ۔

جہاں صیہونیت اپنی بد تما شکل اور سگ دیوانہ کی طرح ہوش و حواس سے محروم، اور دعوت جنس و ہوس دینے والی دلشیا کی طرح کھلے عام ننگی ہو کر ناچی ۔ جہاں بے گناہ اور بے وطن فلسطینی مسلمانوں کا بے دردی سے اس طرح قتل عام ہوا کہ لبنان کی سرزمین ہی نہیں لرز گئی ہوگی، ہم سب اسلام کے نام لیوا اور مسلمان ہونے کے دعویدار، خواہ دنیا کے کسی حصے اور کسی خطے میں بستے ہوں، مغربی بیروت کے صابرہ اور شطیلہ مہاجر کیمپوں میں عورتوں مردوں، بوڑھوں، بچوں، جوانوں، حتیٰ کہ زخمی اور بیماروں اور ان کے پریشان حال تیمار داروں، معالجوں تک کے بے دریغ بہتے والے خون پر حیران و مغموم و پریشان و دم بخود ہیں۔ یہ خون اسرائیلی درندوں اور لبنان کے عیسائی فلانجسٹوں نے اپنے رسوائے زمانہ گٹھ جوڑ اور مشترکہ منصوبے کے ساتھ ۱۹ ستمبر ۱۹۸۲ء کی رات کو فلسطینی کیمپوں میں اچانک مسلح مداخلت کر کے بہایا ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکی سفارت کار جن میں لبنان میں مقیم امریکی سفیر اور مشیروں کے علاوہ خود امریکی صدر کے خصوصی نمائندے فلپ حبیب شامل تھے، تنظیم آزادی فلسطین سے معاہدہ کر کے پی ایل او کے مسلح رضا کاروں کا لبنان سے انخلاء ایک ہفتہ قبل مکمل کرا چکے تھے اور معاہدے کی سب سے اہم شرط سب فریقوں نے باضابطہ تسلیم کی تھی کہ مغربی بیروت میں رہ جانے والے عام فلسطینی باشندوں کو مکمل تحفظ دیا جائے گا۔ اپنے بھائیوں، بیٹوں، رشتہ داروں اور جگر گوشوں سے محروم روتی بیٹھی خواتین سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا جو حالات کی سنگینی کا ہدف بنکر کیمپوں میں رہ گئی ہیں۔ وہ بچے سہمے ہوئے اپنی ماؤں کے سینے سے لگ کر یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کے باپ بھائی اور دوسرے پیار کرنے والے عزیز اچانک کہاں چلے گئے ہیں۔ ان کا آئندہ ٹھکانہ وطن سے دور کون سی سرزمین

کون سا ملک ہو گا۔ ابھی تک پوری دنیا یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ اسرائیلی درندوں نے امریکی اسلحہ کے انباروں کے زور پر لبنان میں خون کی ہولی کھیلی۔ ہفتوں، مغربی بیروت کا محاصرہ کر کے عام لوگوں کو خوراک، پانی دوائیں اور ہر قسم کی ضروریات پر پابندی رکھی، بجلی کاٹ دی۔ پانی کی لائن منقطع کر دی، دنیا بھر سے رابطے توڑ دیئے اور دن رات فضائی اور بری افواج راکٹ اور میزائل برسانی رہیں۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ گزرا کہ تنظیم آزادئ فلسطین کے ہیڈ کوارٹرس کے آس پاس اور مغربی بیروت کے گنجان شہری علاقوں میں واقع عظیم الشان عمارتوں، دفاتر دکانوں اور عام مکانوں سے شعلے نہ بھڑکتے رہے ہوں خصوصیت سے فلسطینی مہاجر خاندانوں کی بستیوں اور ان کے عارضی ٹھکانوں، خیموں اور رہائشی فلیٹوں سے اٹھتا ہوا دھواں، بیروت کتنے دن سے ایک گہرے اور مہیب سیاہ دھوئیں کی لپیٹ میں ہے تباہی و بربادی کا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

یاسر عرفات اپنے قریبی رفقاء کے ساتھ بیروت سے جا چکے ہیں۔ وہ دنیا کے سربراہان مملکت سے اس ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کرنے اور مہاجرین فلسطین کے حق خود ارادیت کے ضمن میں رابطہ کرنے کے لئے ملاقاتیں کر رہے ہیں۔ عام طور پر وہ سفارت کاروں میں ہوں یا کسی ملک کے صدر اور وزراء کے ساتھ گفتگو کے دوران ان کی پیشانی خود اعتمادی سے روشن رہتی ہے لیکن صابرہ اور شطیلہ کیمپوں میں اسرائیلی اور فلانجسٹ عیسائیوں کے ہاتھوں جو سفاکانہ قتل عام اس ہفتے کے شروع میں ہوا ہے اس پر پہلی بار یاسر عرفات ایک پریس کانفرنس میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے۔ آخر وہ بھی گوشت پوست کے انسان ہیں۔ ان کا عزم فولادی ہے وہ سنگ و آہن کی طرح اپنے دل کو ہر قسم کے ناموافق حالات میں مضبوط کئے اپنے ساتھی رضا کاروں میں مسکراتے نظر آتے رہے ہیں۔ سولہ۔ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کی مسلسل اسرائیلی گولہ باری، آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل، دشمن کا پورا فوجی دباؤ، مجاہد آزادی فلسطین کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ

نہیں چھین سکا لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ حالیہ المیہ لبنان کے موقع پر سعودی عرب
ٹیلیویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے سُرخ نظر آئیں۔ یاسر
عرفات نے اس تحریکِ آزادی کے آغاز میں ہی اپنے ساتھی رضا کاروں کو یہ
پیغام دیا تھا کہ:
"ہم وطن کی آزادی کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ راستے میں کوئی بھی
رکاوٹ آئے ہم آگے ہی بڑھتے جائیں گے"۔
یاسر عرفات نے مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے امریکہ اور روس جیسی بڑی
طاقتوں کی ناراضی اور ناپسندیدگی کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کی جبکہ اب یہ
راز پوری دنیا پر طشت از بام ہو چکا ہے کہ روس کے مردِ آہن جناب بیونید
برزنیف ہوں یا ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر ریگن، اسرائیل کی پشت
پناہی میں دونوں پیش پیش ہیں اور انہوں نے ہی پورے شرق اوسط میں
اسرائیل کو فوجی طاقت اور درندگی کا ایک ایسا اژدہا بنا دیا ہے جو "جیو زیرو ٹولوگ"
کی پوری تقلید کرتے ہوئے پاس پڑوس کے تمام مسلم ممالک پر عرصۂ حیات تنگ
کر رہا ہے۔ اور تازہ ترین المیہ لبنان کی ذمہ داری بھی صرف اسرائیلیوں اور
فلانجسٹوں پر نہیں روس امریکہ اور دنیا کی تمام دوسری یہود نواز طاقتوں
پر ہے اور خود یہودیوں نے بھی انہی کے بل بوتے پر بین الاقوامی ضابطوں انسانی
اخلاق اور تہذیب و شائستگی کی اقدار کی دھجیاں بکھیر ڈالیں۔
باقاعدہ جنگ میں ایک فریق کا کم نقصان ہوتا ہے دوسرے فریق کا زیادہ یہ
جنگ کا منطقی نتیجہ ہوتا ہے لیکن یہ تو جنگ ہے نہ صلح جوئی کا کوئی انداز۔ کہ
جس کا جی چاہے جس کے گھر میں چاہے مسلح ہو کر گھس جائے۔ برسٹ کھلتے ہی
گھر کے افراد کی لاشیں ایک دوسرے پر گر جائیں اور بے گناہ مقتولوں کے کپڑے اتار
کر ان کے برہنہ مردہ جسموں پر اپنی کامیابی کے قہقہے لگائے۔ عمارتیں سپردِ آتش
کر دی جائیں اور ملبہ پر بلڈوزر چلا کر لاشیں اور منہدم عمارت کے سامان کو مٹی

میں ملا دیا جائے جیسا کہ صابرہ اور شطیلہ میں ۱۹ ستمبر سے ۲۲ ستمبر ۱۹۸۲ء تک ہوا یا دنیا بھر کے اخبارات نے خبریں دیں، اسرائیل کے آقا امریکہ کے اخبارات و جرائد نیوز ویک اور ٹائم نے وہ تصویریں اور رپورٹیں شائع کیں ٹیلیویژن اسکرین پر دردناک مناظر دکھائے گئے کہ گلیوں اور سڑکوں پر یہودی اور عیسائی فلانجسٹ دندناتے پھر رہے ہیں۔ اور گھر گھر میں گھس کر فلسطینی مردوں عورتوں بوڑھوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ بچوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے۔ خواتین کی آبرو لوٹ لی گئی اور ہاتھ باندھ کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ نیوز ویک نے خود لکھا کہ نوے سالہ اور ستر سالہ بوڑھے بھی اس قتل و غارتگری سے نہیں بچ سکے۔ مغربی پریس نے خود تصدیق کی کہ یہودی غنڈے ہسپتالوں میں آن دھمکے۔ اور حالیہ جنگ میں زخمی ہونے والوں پر فائر کھول دیئے۔ ان بدبختوں نے نرسوں کو بھی ہوس کا نشانہ بنانے سے گریز نہیں کیا اور بعد میں ڈاکٹروں سمیت اسپتالوں کے تمام عملہ کو ہلاک کر ڈالا۔ سعودی عرب ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے جناب یاسر عرفات نے کہا کم از کم تین ہزار دو سو فلسطینی اس دوران قتل کر ڈالے گئے اور ان کا سب کچھ برباد کر دیا گیا۔ یاسر عرفات نے کہا اس قتل عام کے ذمہ دار ریگن ہیں۔ غزہ کے اسپتال میں نرسوں کی آبروریزی اور مریضوں کے قتل عام کی رپورٹ کے ساتھ جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ لبنان کے اس قتل عام میں ہونے والے جانی نقصان کا صحیح اندازہ لگانا ہرگز ممکن نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کون ان معصوم بچوں ماؤں بہنوں بوڑھوں کا شمار کرے گا۔ جن پر بلڈوزر چلائے جا چکے ہیں۔ ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ جن مردوں کو مغربی بیروت کے اسٹیڈیم لے جایا گیا تھا ان میں سے کوئی زندہ بچا یا۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ فلسطین کے دوران ان کے اہل خاندان اردن اور لبنان میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور یاسر عرفات قاہرہ یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ڈگری لے کر آئے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں انھیں مصر کی بری فوج کے انجینئرنگ کے شعبہ میں بطور افسر بھرتی کر لیا گیا فوجی ملازمت کے کچھ عرصے

بعد سبکدوش ہو کر وہ کویت چلے گئے اور لبطانی کمپنی میں ملازمت کر لی سعودی عرب اور خلیج فارس میں ملازمت کے دوران انھیں اپنے وطن فلسطین کی آزادی کی تحریک سے گہری دلچسپی رہی۔ بالآخر سنہ ۱۹۶۷ء میں یاسر عرفات فلسطین کی تنظیم آزادی الفتح میں ترجمان مقرر ہو گئے۔ وہ اتنے محنتی اور دیانتدار کارکن ثابت ہوئے کہ تنظیم نے انہیں اپنا چیئرمین منتخب کر لیا وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ انھوں نے اسرائیلی منصوبوں کا پردہ چاک کرنے اور اسے لوہے کے چنے چبوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ فلسطین کے مسئلہ کو انھوں نے بین الاقوامی طور پر ہمیشہ زندہ رہنے والا مسئلہ بنا دیا۔ ایسا مسئلہ کہ اقوام متحدہ بھی کم از کم کاغذی قراردادیں منظور کرنے پر مجبور ہو گئی۔ جو اکثر اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندی کی مذمت اور مخالفت میں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ امریکی حکومت کی ناجائز سرپرستی اور دھاندلی نے ان قراردادوں کو غیر مؤثر کر دیا۔ اور اسرائیل بے دھڑک اور پوری ڈھٹائی سے ان قراردادوں کو مسترد کرتا رہا ہے۔

اور اب اسرائیل کی تازہ وعدہ شکنی معاہدہ کی خلاف ورزی جسے وہ یقیناً اپنا بڑا کارنامہ سمجھتا ہے ملاحظہ ہو امریکی نمائندہ فلپ حبیب اسرائیل کے وزیر اعظم مناہم بیگن اور تنظیم آزادی فلسطین کی مفاہمت اور رضامندی سے مغربی بیروت سے انخلاء کا جو معاہدہ ہوا تھا۔ ابھی اس دستاویز کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی کہ اسرائیل کے بھیڑیے صفت حداد اپنے خونخوار درندوں کو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کر کے لبنان میں واقع فلسطینی مہاجر کیمپوں پر چڑھ دوڑا دائیں بازو کے عیسائی فلانجسٹوں نے جس وحشیانہ انداز میں قتل عام اور خونریزی کا یہ آپریشن اپنے یہودی غنڈوں کے ساتھ مل کر کیا اس سے ایک طرح دنیا کی بڑی صلیبی جنگوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

بیت المقدس پر عیسائی لشکر نے مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ فوجیوں کے گھوڑے بے گناہوں کے اس خون کے سمندر میں ڈوب گئے تھے لیکن

یہ صرف صلاح الدین ایوبی تھا جس نے بیت المقدس کو اپنے عزم آہنی سے آزاد کرایا تھا۔ اس واقعہ نے سقوط غرناطہ کے تاریخی ورق کو بھی دہرایا۔ جب اندلس کی سرزمین پر مسلمانوں کی نسل کشی ہوئی اور غرناطہ کے بچے کھچے مسلمانوں کو حفاظت کے بہانے سے جہازوں میں سوار کر کے فردی نند اور ازابیلہ کے مسیحی لشکر نے سمندر میں ڈبو دیا۔

یہودیوں اور نصرانیوں کو مسلمانوں سے جو ازلی دشمنی ہے لبنان کے تازہ ترین واقعات نے یہ ثابت کیا کہ جدید علوم، تہذیب و اخلاق اور قانون اور جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرنے والی آج کی دنیا بھی ظلم و ناانصافی کے معاملے میں کس غلط مقام پر کھڑی ہے۔

اے ابو عمار۔ ہم پاکستانی یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ المیۂ بیروت پر آپ سے اظہارِ ہمدردی کریں یا خود اپنے آپ سے۔ کیونکہ یہ نقصان یہ سانحہ یہ المیہ صرف آپکا تو نہیں۔ خوں ریزی کی یہ تفصیلات پڑھ پڑھ کر ہر مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ فلسطینی ماؤں اور بیٹیوں کی دردناک داستانیں سن کر پاکستانی ماؤں کے دل لرز گئے ہیں۔ بے آبروئی کے عبرتناک واقعات نے ہم سب کی غیرت کو للکارا ہے۔

اے ابو عمار۔ یہ عرب قومیت کے نام پر عربوں کو دفاعی صلاحیت دینے والے یہ عربوں کے جھوٹے اور نام نہاد سرپرست کہاں چلے گئے۔ جن دوستوں کے پاس اسلحہ کے انبار لگے ہوئے ہیں اور وہ جو انسانی برادری اور معاشرتی انصاف اور اشتراکیت کی بات کرتے نہیں تھکتے اور وہ جو امریکہ کی غلامی کا مستقل پٹہ گلے میں ڈالے خود فریبی میں مبتلا پھرتے ہیں۔ کیوں کچھ نہیں کر سکے یہ مسلمانوں کی متحدہ قوت کی ضرورت سے انکار کرنے والے اور دشمنوں پر بار بار اعتبار کرنے والے اب آپ کو اور کتنا مٹائیں گے۔ اے ابو عمار (یاسر عرفات) حدّاد نے دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ بولا ہے۔

ہر دیانتدار شہری اور با حمیت مسلمان نے یہ جھوٹ مسترد کر دیا ہے۔ وقت کا پہیہ برق رفتاری سے گھوم رہا ہے۔ خدائے لم یزل ان ظالموں کو ضرور عبرتناک سزا دے گا۔ یہ مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں۔ اور خود اپنے عبرتناک انجام سے بے خبر ہیں۔ لیکن آج کا لمحہ تو لمحۂ غم اور لمحۂ فکریہ ہے۔ ہمارے دل غم سے بوجھل ہیں اور ایک ہی صدائے باز گشت ہیں گم ہیں کہ۔ ع

روئے اب دل کھول کرلے دیدۂ خوں بار بار

اے مسلمانو! تمہاری غیرت اور جذبۂ حمیت کو کیا ہو گیا ہے۔ دشمنانِ اسلام تمہارے بھائیوں، ماؤں، بیٹیوں اور بچوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ ان کی عصمتوں کو لوٹ رہے ہیں اور تم دور کھڑے ان کا تماشہ دیکھ رہے ہو۔ آخر یہ بے حسی تم پر کب تک طاری رہے گی۔ کیا تم کو اس وقت ہوش آئے گا جب یہودی درندے تمہارے سروں پہ آن پہنچیں گے۔ اور اس وقت تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

تم شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی، اور عجمی و عربی کے جھگڑوں اور خانہ جنگی میں الجھے ہوئے ہو اور اس طرح اپنی طاقت کو ضائع کر رہے ہو اور اُن درندوں سے بے خبر ہو جو نہ صرف فلسطین اور لبنان کی سرزمین پر مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں بلکہ اُن کا ہدف تمام مسلمانانِ عالم ہیں۔ جن کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ان کے ناپاک عزائم کا ایک جزو ہے۔

اے مسلمانو! اگر تم کو فلسطین اور افغانستان کے مسلمانوں اور ان کے بیوی بچوں سے ہمدردی نہیں ہے اُن کے لئے تمہارے دلوں میں کوئی تڑپ پیدا نہیں ہوتی ہے اور اُن کے قتلِ عام اور عصمت دری پہ تمہارا جذبۂ حمیت بیدار نہیں ہوتا ہے تو تم اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا ہی خیال کرو۔ یاد رکھو اگر اب بھی اس خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور آپس کے اختلافات میں الجھے رہے تو وہ دن دور نہیں جب یہ درندے تمہارے گھروں تک پہنچ کر تمہارا اور تمہارے بیوی بچوں کا بھی وہی

حشر کریں گے جو لبنان میں فلسطینی مسلمانوں کا کر چکے ہیں۔ تم اُنکو اپنے سے دور نہ سمجھو کیونکہ اُن کے شریک کار اور حمائتی تمہارے بہت قریب ہیں اور ان کے ہاتھ دن بدن لمبے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اے مسلمانو! اب بھی وقت ہے۔ ہوش میں آؤ اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ آپس کے تفرقوں کو ختم کرو اور تمام مسلمانان عالم کا ایک متحدہ محاذ بنا کر ان درندوں سے اپنا دفاع کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ اتحاد ہی قوت کا سرچشمہ ہے اور یہ درندے صرف قوت کی زبان کو سمجھتے ہیں۔ احتجاج اور عالمی رائے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ باتوں کا وقت گزر چکا ہے اب عمل کی ضرورت ہے اور اگر اب بھی تم نے متحد ہو کر عملی اقدام نہ کئے تو تو پھر اُن ہی مظالم کا شکار ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ جو لبنان کے مسلمانوں پر ان درندوں نے ڈھائے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے سورۂ النساء کی آیت ۷۵ میں ارشاد فرماتا ہے

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں اُن مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے جنہیں کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کارفرما ظالم ہیں۔"

کیا المیۂ بیروت پر کوئی عملی قدم نہ اٹھا کر تم اللہ تعالٰی کے اس حکم کی صریحاً خلاف ورزی نہیں کر رہے ہو؟۔

"یہ عرب قومیت کے نام پر عربوں کو دفاعی صلاحیت دینے والے یہ عربوں کے جھوٹے اور نام نہاد سرپرست کہاں چلے گئے ہیں؟ جن دوستوں کے پاس اسلحہ کے انبار لگے ہوئے ہیں اور وہ جو انسانی برادری اور معاشرتی انصاف اور اشتراکیت کی بات کرتے نہیں تھکتے اور وہ جو امریکہ کی غلامی کا مستقل پٹہ گلے میں ڈالے خود فریبی میں مبتلا پھرتے ہیں کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟"

اب ہم اس کتاب کے آخر میں بشکریہ "روزنامہ جسارت" ایک اداریہ پیش کرتے ہیں جو مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو شائع ہوا ہے۔ یہ اداریہ المیۂ بیروت کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس روزنامہ کا ہر اداریہ سورہ النساء کی آیت ۱۳۵ سے شروع ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

حقیقت میں مدیر روزنامہ ہٰذا نے اس اداریہ میں بھی قرآنِ حکیم کی اس آیت کے پیش نظر حق و صداقت کا برملا اظہار کیا ہے جو نہ صرف یہ قابلِ ستائش ہے بلکہ ہمارے لئے ایک لمحۂ فکریہ فراہم کرتا ہے۔

صدر ریگن۔ سانحۂ لبنان کے اصل ذمہ دار

بیروت میں دو دھماکوں کے نتیجے میں زبردست جانی اتلاف ہوا اس حادثہ میں امریکہ اور فرانس کے تقریباً دو سو فوجی ہلاک ہو گئے۔ سینکڑوں افراد زخمی بھی ہوئے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں بہت سے لبنانی شہری بھی شامل ہیں۔ یہ حادثہ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت رونما ہوا۔ دھماکہ کرنے والوں نے اس کے لئے دھماکہ خیز مادوں سے لدے ہوئے ٹرک استعمال کئے۔ ان ٹرکوں کو تقریباً ایک ہی وقت میں بین الاقوامی افواج کے امریکی اور فرانسیسی صدر دفاتر کی عمارتوں سے ٹکرا دیا گیا۔ جاں بحق ہونے والے ٹرک ڈرائیور اس کام کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنی جانیں قربان کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے لبنان خصوصاً اس کا دارالخلافہ بیروت اس طرح کے حادثات کا برسوں سے شکار رہے۔ لبنان کے باشندے ایسے واقعات کو دیکھنے اور سننے کے عادی ہو چکے ہیں اور دنیا بھر کے عوام کے لئے بھی لبنان سے موصول ہونے والی ایسی خبریں ایک معمول کی صورت اختیار کر چکی ہیں اس لئے ایسا ہر واقعہ حیرت

کا تو نہیں البتہ کم و بیش افسوس کا سبب ضرور بنتا ہے۔ اس خبر کو بھی دنیا نے افسوس کے ساتھ سنا لیکن جس ملک میں صابرہ اور شتیلہ کے ہزاروں پناہ گزینوں کا قتل عام ہو چکا ہو اور جہاں اسرائیلیوں اور ان کی دوست عیسائی ملیشیا نے وحشت اور درندگی کا بدترین ڈرامہ اسٹیج کیا ہو ان کے مقابل اس طرح کے واقعات کو پیر کے نیچے کسی چیونٹی کے کچلے جانے کی حیثیت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہمیں اس واقعہ کے پیش آنے پر اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنی صدر ریگن پر وارد ہونے والی کیفیت پر ہوئی ہے۔ صدر ریگن جارجیا میں گولف کھیلنے کا پروگرام منسوخ کر کے فوراً واشنگٹن واپس پہنچ گئے۔ وہ بہت غمزدہ تھے اور انھیں اظہار رنج و غم کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ نہ مرنے والوں کو تشفی دینے کے لئے الفاظ مل رہے تھے اور نہ غیظ و غضب کے اظہار کے لئے۔ ہمیں حیرت ہے کہ صدر ریگن آج کیوں خاموش اور گنگ ہو گئے۔ صابرہ اور شتیلہ میں جب ہزاروں بچوں عورتوں بوڑھوں بیماروں اور جوانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اس وقت تو ان پر ایسی کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی، کیا وہ انسانوں کا خون نہیں تھا کیا اس خون کا رنگ ایسا ہی سرخ نہیں تھا جیسا کہ ان امریکی اور فرانسیسی فوجیوں کا ہے۔ صدر ریگن کا اس وقت کا پتھر سا دل آج کیسے پانی بن گیا کیا امریکی اور فرانسیسی انسان ہیں فلسطینی انسان نہیں ہیں؟ یہ سوالات اس حادثے پر صدر ریگن کی کیفیت کو دیکھ کر قدرتی طور پر ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں کیا صدر ریگن کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب موجود ہے؟

اس حادثے کا ذمہ دار کون ہے؟ ممکن ہے کہ صدر ریگن یہ کہیں کہ تحقیقات کے ذریعہ اس سوال کا جواب حاصل کیا جائے گا اور اس حادثے کے ذمہ دار کو سزا دی جائے گی۔ لیکن ہم صدر ریگن سے یہ کہیں گے کہ اس واقعہ کا ذمہ دار

کوئی نہیں ہے۔ اس واقعہ کا ذمہ دار صرف ایک شخص ہے۔ اور وہ امریکہ کا صدر ہے، لبنان میں حالات تو خراب ہی چلے آ رہے تھے لیکن انہیں انتہائی تباہ کن بنانے کی ذمہ داری صدر ریگن پر عائد ہوتی ہے لبنان میں گزشتہ کچھ عرصے سے آگ و خون کا جو طوفان برپا ہے۔ یہ لبنان میں اسرائیل کی فوج کشی کا نتیجہ ہے۔ اس فوج کشی کی ذمہ داری میں صدر ریگن پوری طرح شریک ہیں۔ ان کی مرضی اور ایما کے بغیر اسرائیل لبنان میں اتنا بڑا قدم کبھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پھر صابرہ اور شتیلہ کے قتلِ عام سے بھی صدر ریگن خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے، اس پر مستزاد یہ کہ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی نام نہاد امن فوج نے لبنان میں قیامِ امن کے لیے تو کچھ نہیں کیا، البتہ وہ فساد اور بدامنی میں اضافے کا سبب ضرور بنی۔ اس امن فوج کو لبنان کی داخلی لڑائیوں میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن اس نے فلسطینیوں، شیعہ مسلمانوں اور دروزیوں کے خلاف اسرائیلی فوجوں اور فلانجسٹ ملیشیا کی کھل کر مدد کی۔ اسرائیل نے شوف کی پہاڑیوں اور دوسرے مقامات سے جب اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹایا تو وہاں فلانجسٹ ملیشیا اور لبنان کی عیسائی فوجوں کو گھسانے کی کوشش کی گئی اور اس کام میں امن فوج نے بھی کھل کر ہاتھ بٹایا۔ امریکہ کے طیاروں نے دروزیوں کے خلاف جاسوسی کی، امریکی بحریہ نے ان کے علاقوں پر بمباری اور گولہ باری کی۔ اسرائیل نے بھی بمباری کی دھمکیاں دیں۔ لبنان میں اسرائیلی افواج کی فوج کشی اس کے مظالم اور عیسائیوں اور ان کی مسلح تنظیموں کی زبردست اعانت میں ملوث ہونے کے بعد صدر ریگن آخر کس طرح یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ان کے ملک کی اور ان کے حلیف ملکوں کی ان فوجوں کو لبنان میں امن و سکون کے ساتھ رہنے دیا جائے گا جو درحقیقت اسرائیل کی مددگار و پشت پناہ ہیں۔

صدر ریگن اور اُن کی حکومت ہی اس سانحے کی اصل ذمہ دار ہے
اس سانحے کے بعد امریکی عوام کو نہ صرف امریکی، فرانسیسی اور دیگر مغربی ممالک کی امن افواج کو لبنان سے واپس بلانے کا مطالبہ کرنا چاہیئے بلکہ انھیں صدر ریگن سے فوری طور پر مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنا چاہیئے کیونکہ صدر ریگن مشرق وسطیٰ کا پرامن تصفیہ کرانے کی بجائے اس مسئلے کو مزید الجھا رہے ہیں اور خصوصاً لبنان میں ان کی اسرائیل نواز پالیسی کی وجہ سے علاقے میں ایک بڑی جنگ کے چھڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے جو امن عالم کے لئے بھی ایک بڑا خطرہ ثابت ہو گی۔

اگر صدر ریگن اور ان کی حکومت لبنان کے مسئلے کو سلجھانے اور مشرق وسطیٰ کے پُرامن منصفانہ تصفیئے کے بارے میں مخلص ہوتی تو وہ اب تک اسرائیلی افواج کو لبنان سے نکل جانے پر مجبور کر سکتی تھی۔ لیکن صدر ریگن اسرائیل کی جارح افواج کو لبنان سے نکالنے میں سخت ناکام رہے ہیں لبنان میں اسرائیل کی فوج کشی کا مقصد صرف مسلح فلسطینیوں کو نکالنا نہیں تھا اس کا مقصد مسلمانوں کی نسل کشی اور لبنان میں ایک پٹھو عیسائی حکومت قائم کر کے اُسے اپنے زیر دست رکھنا یا لبنان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا۔ اسی لئے اسرائیل لبنان سے اپنی فوجیں واپس لے جانے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ صدر ریگن اسرائیلی افواج کو لبنان سے نکالنے کے لئے کوئی دباؤ ڈالنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں" ان کی حکومت اسرائیل کو برابر تباہ کن جدید اسلحہ فراہم کر رہی ہے تاکہ وہ اس اسلحہ کی مدد سے لبنان میں بھی موجود رہے اور دیگر عرب علاقوں پر بھی اپنے جارحانہ قبضوں کو مضبوط اور مستقل بنا رہے صدر ریگن اور ان کی حکومت کی یہ اسرائیل نواز پالیسی ہی مشرق وسطیٰ میں فساد کی اصل جڑ ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام عرب و مسلم ممالک اور عالمی برادری امریکہ پر دباؤ ڈال کر نام نہاد امن فوج

کی واپسی اور لبنان سے اسرائیلی افواج کے انخلاء کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کا مطالبہ کرے جب تک اسرائیلی فوجیں لبنان میں موجود ہیں اور امریکہ و مغربی ممالک کی نام نہاد امن فوج ان کی پشت پناہ بنی ہوئی ہے لبنان میں امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ اسرائیلی افواج کے انخلاء کے بعد شامی افواج بھی یقیناً اپنی سرحدوں میں واپس ہو جائیں گی۔ اور لبنان کے مختلف سیاسی و سماجی عناصر امن و استحکام کے لئے مل جل کر کام کر سکیں گے

لبنان میں مسلمان، عیسائی، فلسطینیوں، اور دوسرے لوگ امن و سکون اور سیاسی استحکام کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ لبنان امن و استحکام کے ایسے پر سکون دن پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔ لیکن جب سے لبنان میں اسرائیل کی سازشوں کا آغاز ہوا اور اس نے فلانجسٹوں کو مسلح کر کے خانہ جنگیاں شروع کرائیں۔ یہ ملک ایک جہنم میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس جرم میں امریکہ برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ امریکہ اسرائیل کو صرف اپنے تحفظ و سلامتی کے لئے اسلحہ فراہم نہیں کر رہا ہے بلکہ اس کے توسیع پسندانہ منصوبوں کی تکمیل اور جارحانہ قبضوں کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے اُسے اقتصادی اور فوجی امداد دیتا رہا ہے۔

ہم صدر ریگن کو یہ خیر خواہانہ مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے ملک کی بے پناہ قوت کو دنیا میں فساد پھیلانے اور فسادی طاقتوں کی پشت پناہی کے لئے استعمال نہ کریں۔ وہ اگر امن و انصاف کے بارے میں مخلص ہیں تو سب سے پہلے اسرائیلی افواج کو لبنان سے نکلوائیں، پھر اس کے تمام جارحانہ قبضوں کو ختم کرائیں اور فلسطینیوں کو اپنے آزاد اور خود مختار ملک میں پر امن زندگی گزارنے کا حق دلائیں۔ انسانی حقوق خواہ فلسطینیوں کا ہو، امریکیوں کا یا فرانسیسیوں کا یا کسی اور قوم کا قابلِ احترام ہے۔ مگر امریکہ صابرہ و شتیلہ میں اسرائیل کے بھیانک جرم کے بعد اس کا مواخذہ

کرتا اور اُسے فوراً لبنان سے نکالنے کے لئے سخت اقدامات کرتا تو آج یہ سانحہ رونما نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی دوسرے متعدد المناک حادثات پیش آتے کیا صدر ریگن، ان کی حکومت اور امریکی عوام اس سانحے کے بعد ہوش گوش سے کام لیں گے۔ اور انتقامی اقدامات کا راستہ ترک کرکے امن وانصاف کی راہ اپنائیں گے؟۔

حرفِ آخر اس ادارہ سے ہم کلی متفق ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تمام مسلمانانِ عالم بھی اس سے اتفاق کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب میں قبل ازیں جو کچھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد قاری کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ دشمنانِ اسلام کون ہیں؟ اُن کے عزائم کیا ہیں؟ کیا ان کو دوست بنانا چاہئیے؟ یا ملت اسلامیہ کو متحد ہوکر اپنے قدموں پہ خود کھڑے ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے مزید برآں کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اتحادِ ملتِ اسلامیہ کی راہ میں جو بھی رکاوٹیں ہیں خواہ وہ اپنوں نے پیدا کی ہوں یا غیروں نے، اُن کو دور کیا جائے؟ جو مسلمان غلط فہمی یا ناسمجھی کی وجہ سے یا دشمنانِ اسلام کے غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر یا اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اتحادِ ملت اسلامیہ کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں ان کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرکے راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے لیکن اگر اس کے باوجود وہ اپنی مذموم حرکات سے باز نہ آئیں تو اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو شریعت کی رو سے کرنا ہم پر واجب ہے یعنی اگر ہم میں طاقت ہو تو ان کو جبراً ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔

اسلام کو جہاں کفّار و مشرکین نے نقصان پہونچایا ہے وہاں منافقین[۱]

۱۔ منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں مسلمان نہیں ہیں بلکہ اپنے آپکو مسلمان ظاہر کرکے اسلام کو نقصان پہونچانے کی سازشوں اور جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔

نے بھی اسکو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ یہ طبقہ قرونِ اولیٰ میں بھی موجود تھا اور آج بھی مختلف ممالک اسلامیہ میں سرگرم عمل ہے۔ ایسے منافقین سے، جو دشمنانِ اسلام سے ساز باز کر کے اسلام کی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔ اسلامی معاشرے کو پاک و صاف کرنا مسلمانوں کی سلامتی اور بقا کے لئے ناگزیر ہے۔ لہٰذا ایسی تمام مساجدِ ضرار کا توڑا جا جو بعض اسلامی ممالک میں بن گئی ہیں عین شریعت کے مطابق اور وقت کا تقاضہ ہے جس کے بغیر نہ تو اتحاد ملت اسلامیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا اور نہ مکمل طور پر دُنیائے اسلام کا دفاع اور تحفظ ہو سکتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم اسلام میں اتحاد و اتفاق کے ذریعے اپنی حالت کو بدلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کو سورہ الرعد کی آیت ۱۱ ہمیشہ یاد رہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

اس آیت کا مفہوم مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے نہایت خوبی سے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اتحادِ ملت

اہلِ حدیث ہوں یا محبّانِ دیو بند
سنی بریلوی ہوں کہ چشتی ہوں دردمند

مشرب میں ہوں مرید سہروردو نقشبند
یا سلسلہ قادری ہو سب ہیں ارجمند

سب کا خدا ہے ایک رسولِ خدا بھی ایک
قرآن اور حدیث اصول فقہ بھی ایک

قبلہ بھی سب کا ایک ہے اور رہنما بھی ایک
دین کے اصول ایک ہیں اور مدعا بھی ایک

یہ انشعاب اصل حقیقت سے ایک ہے
بنیاد سب کی ایک ہے تعمیر نیک ہے

کچھ اختلاف فرعی ہے جو ناگزیر ہے
رحمت ہے مومنوں کے لئے دل پذیر ہے

پھر آج کیوں نہیں ہے مسلماں میں اتحاد
واجب ہے اس خرابی کا کرنا ہے انسداد

تفریق دین جو کرتے ہیں وہ بے شعور ہیں
اور اعتصامِ حبلِ الٰہی سے دور ہیں

انیس

ضمیمہ

حج
عبادت
سیاست

کیا عبادت سیاست سے جدا ہے؟



یکے از مطبوعات سفارت جمہوری اسلامی ایران۔ اسلام آباد

ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ



جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبالؔ

انتساب

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

کی پاکیزہ رُوح کے نام

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برگزیدہ صحابی اور انصار کے جلیل القدر دار تھے۔ جن کو مکہ میں زمانۂ حج میں مشرکوں نے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں۔ اُن کا جرم بھی یہی تھا کہ انہوں نے اس مقدس مقام اور وقت میں اہل مدینہ کے ساتھ پیغمبر اکرم (ص) سے معاہدہ جنگ کیا تھا اور یہ عہد باندھا تھا کہ خدا کی راہ میں مسلمانوں کے تمام کفر پیشہ اور ستم گر دشمنوں کے خلاف خونریز جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس جنگ میں وہ کسی چیز کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

ہاں انہی کی روح کے نام اور اُن تمام افراد کے نام جو سابقہ برسوں میں اور اس سال مراسم حج کے دوران حضرت سعد کے راستے پر چلتے رہے اور چل رہے ہیں۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ سال مراسم حج کے دوران میں اور مکہ و مدینہ کے مقدس اسلامی مقامات میں ایرانی حاجیوں نے عبادت اور دعا کو سیاسی نعروں اور مطالبوں سے ملادیا اور ساتھ ساتھ حج کے مناسک اور آداب بھی بجالائے۔ امریکہ کے مظالم اور علاقے میں اس کے خونخوار پٹھو اسرائیل کے بارے میں بھی آواز اٹھائی اور روس کے ظلم وستم، فلسطین، لبنان اور افغانستان کے قتل عام کا تذکرہ بھی کیا اور دنیا کی بے رحم طاقتوں کے خلاف مسلمانوں کے اتحاد اور کروڑوں کمزور اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے دفاع پر زور دیا۔ ان سب مسائل پر کافی باتیں سامنے آئیں۔

ایرانی حجاج کی اس قسم کی سرگرمیوں کو بعض لوگوں نے ناپسند کیا اور کہا کہ ایسے جھگڑوں کی جگہ خانۂ خدا نہیں ہے۔ حج اور خدا کی عبادت کے دوران میں ایسی باتیں زیب نہیں دیتی ہیں۔

اس کتابچے میں ہم زیر بحث مسئلہ کو مختلف زاویوں سے دیکھیں گے۔ اس خیال سے کہ قارئین تفصیل کے باعث اکتا نہ جائیں ہم مباحث کو چند حصوں پر تقسیم کر رہے ہیں۔ تاکہ جب بھی فرصت ہو ہر حصے کو الگ الگ پڑھا جاسکے۔ ہم نے ہر بند میں زیر بحث مسئلے کو ایک زاویے سے دیکھا ہے۔ اس معذرت کے ساتھ کہ موضوع کو سمیٹنے کے لئے جلدی میں حق مطلب ویسا ادا نہیں ہوا جیسے چاہیے تھا۔ ومن اللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف : عن عبد اللہ (ابن مسعود) قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی ظل الکعبۃ فقال ابو جہل وناس من قریش ونحرت جزور بناحیۃ مکۃ فارسلوا فجاؤا من سلاھا وطرحوہ علیہ فجاءت فاطمۃ فالقتہ عنہ وقال اللہم علیک بقریش اللہم علیک بقریش اللہم علیک بقریش لابی جہل بن ھشام وعتبۃ بن ربیعۃ وشیبۃ بن ربیعۃ والولید بن عتبۃ وابی بن خلف وعقبۃ بن ابی معیط۔

(صحیح بخاری: الجزء الحادی عشر، باب الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ والزلزلۃ۔ مشرکوں پر لعنت کہ انہیں شکست ہو۔۔۔ چوتھی حدیث جس کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں قریش اور ان کے سرداروں کا نام لے کر ان پر لعنت بھیجتے رہے)۔

ب : حدث (انس) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قنت شہرا بعد الرکوع یدعو علی احیاء من بنی سلیم۔

(بخاری شریف: الجزء الثانی عشر، باب دعاء الامام علی من نکث عہدا۔ عہد توڑنے والوں پر امام کی لعنت کے باب میں پہلی حدیث جس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا ایک مہینہ نماز میں اور رکوع کے بعد قنوت میں بنی سلیم قبائل پر لعنت بھیجتے رہے)

ج : عن ابی هریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رفع رأسہ من الرکعۃ الآخرہ یقول اللہم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اللہم انج سلمۃ بن ہشام اللہم انج الولید بن الولید اللہم انج المستضعفین من المؤمنین اللہم اشدد وطأتک علی مضر اللہم اجعلنا سنین کسنی یوسف وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال غفار غفر اللہ لہا واسلم سالمہا اللہ۔ قال ابن ابی الزناد ھذا کلہ فی الصبح۔

(بخاری شریف ، الجزء الاول ، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلہا سنین کسنی یوسف پہلی حدیث جو اس مضمون پر دلالت کرتی ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر نماز کے آخری رکوع سے اٹھاتے تو کمزوروں اور مومنوں کے لئے دعا فرماتے اور خدا سے ان کی نجات مانگتے۔ ان میں سے بعض کے بطور خاص نام لے کر ان کے لئے دعا فرماتے قبیلہ مضر پر لعنت بھیجتے اور ان کے لئے سخت عذاب ، وحشت ، نقصان ، مشکل اور پکڑ کی دعا کرتے۔ آپ مسلمان اور نیک بندوں کے لئے نعمت کی فراخی اور کشادگی اور دشمن اسلام کفار کے لئے قحط اور خشک سالی کی دعا کرتے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت یہ دعائیں اور لعنتیں صبح کی نماز میں کیا کرتے۔

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث " باب الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ " (مشرکوں پر لعنت کہ انہیں شکست ہو) کے باب میں بھی نقل ہوئی ہے۔ دیکھیے حدیث ۲ ، اسی طرح

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا فی القنوت اللہم انج سلمۃ بن ہشام

(پیغمبر قنوت میں یہ دعا مانگا کرتے تھے اے خدا سلمہ بن ہشام کو نجات دے) اس کے بعد پیغمبر اکرم کی قنوت میں کی گئی دعاؤں کا ذکر ہوا ہے۔ جن میں دو آدمیوں اور غریب اور کمزور مومنوں کے حق میں دعائے خیر اور (قبیلہ) مضر کے لئے لعنت اور (کافروں کے لئے) قحط اور (مسلمانوں

کے لئے) نعمت کی فراوانی کی دعا ہے۔

د: عن انس بن مالک: قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شہرا ارادہ کان بعث قوما یقال لہم القراء زہاء سبعین رجلا الی قوم مشرکین دون اولئک وکان بینہم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد فقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہرا یدعو علیہم۔

(بخاری شریف۔ الجزء الاول، باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ۔ دوسری حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینہ تک ہر نماز میں رکوع کے بعد قنوت میں ایسے لوگوں پر لعنت بھیجتے جنہوں نے آنحضرت کے ساتھ اپنا وعدہ توڑا اور قرآن مجید کے قاریوں کو شہید کیا تھا۔

ھ: عن انس قال قنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرا یدعو علی رعل وذکوان۔

(بخاری شریف۔ وہی باب۔ تیسری حدیث جو اس مضمون پر دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ماہ تک قنوت نماز میں رعل اور ذکوان پر نفرین کرتے رہے۔

و: عن عبد اللہ بن ابی اوفی یقول دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب علی المشرکین فقال اللہم منزل الکتاب سریع الحساب اللہم اھزم الاحزاب اللہم اھزمہم وزلزلہم۔

(بخاری شریف، باب الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ۔ مشرکوں پر لعنت کہ انہیں شکست ہو۔ تیسری حدیث اس مضمون کی وضاحت کرتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احزاب اور دشمن کے گروہوں پر لعنت بھیجتے اور کہتے کہ اے خدا جس نے کتاب (قرآن) نازل کی اور جلد ہی حساب لے گا۔ اے خدا دشمن کے گروہوں اور لشکروں اور احزاب کو توڑ دے۔ اے باری تعالی

انہیں ایسا توڑ کہ کہیں ٹھہر نہ سکیں اور ان کی عقل پر پردہ پڑ جائے اور اُن کے قدم اکھڑ جائیں)[1]

"دین سیاست سے جدا ہے" کا راگ ایسا بدمزہ ہوا کہ امپیریل ازم کے بعض گماشتوں کو بھی جرات نہ ہوئی کہ وہ اس کی کھلی حمایت کر سکیں۔ اسلامی اُمّت کی بیداری نے بعض بے ایمان سیاست والوں کے لئے ناگزیر بنا دیا کہ وہ اسلام کا نام لیں اور ظاہر کریں کہ انہوں نے اپنے سیاسی منصوبے اسلامی قوانین کی بنیاد پہ بنائے ہیں اور بنا رہے ہیں۔ ان سب باتوں کے بعد اب بظاہر یہ طے پایا ہے کہ سیاسی پالیسی کے تعین میں مختلف ذرائع اور وسائل سے ظاہر کیا جائے کہ دین مانع ہے تاکہ یہ لوگ وہی مقاصد حاصل کر سکیں جو وہ دین کو سیاست سے الگ رکھ کر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس راگ کو جس ساز پہ الاپا جاتا ہے وہ "سیاست سے عبادت کا الگ ہونا" ہے۔ اس مفروضے کی بنا پہ وہ اعمال جو عبادت کے طور پر انجام پاتے ہیں (نماز، دعا، حج، جمعہ اور عیدین وغیرہ کی تقریبات) ان میں سیاست کا کوئی شائبہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی ان سے اسلام کے دشمنوں کو چھوٹے سے چھوٹا سیاسی نقصان اور مسلمانوں کو چھوٹے سے چھوٹا سیاسی فائدہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق "عبادات" کا سیاسی مسائل کے ساتھ مخلوط ہو جانا، عبادات کی معنویت اور تقدس کو ختم کر دیتا ہے اور ان کے روحانی اور خدائی پہلو کو کمزور بنا دیتا ہے۔

لیکن یہ کہ ان کے نزدیک "سیاست" اور "عبادت" کا کیا مفہوم ہے اور یہ دونوں چیزیں کیوں ایک جگہ اکٹھا نہیں ہو سکتیں؟ اسے واضح نہیں کیا گیا اور یہ کہ قرآن مجید اور

---

[1] ترجمہ اور تفسیر "فتح الباری" سے کیا گیا ہے۔

صحیح احادیث نبوی میں سیاست، عبادت سے کیسے جدا نہیں ہوئی بلکہ اس کے متن میں شامل ہے۔ کیا یہ چیزیں ان مدعیوں کی نظر سے نہیں گذریں یا ان کے لئے مصلحت اسی میں تھی کہ وہ ان پر توجہ نہ دیں۔ شاید ضروری تھا کہ یہ لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی زیادہ مقدس اور محتاط ہو جائیں اور قرآن کی اس آیت:

اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اے ایمان والو! خدا اور رسول پر برتری تلاش نہ کرو۔ الحجرات: ۱) کے برعکس خدا اور اس کے رسول سے آگے نکلیں اور رسول کی پیروی کی بجائے ان کے پیشرو بن جائیں۔ ہم نے یہاں صحیح بخاری سے، جو اہل سنت کے عقیدے کے مطابق قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب ہے بعض احادیث نقل کی ہیں جن میں وضاحت ہوئی ہے کہ رسول خدا نے خانہ کعبہ اور دوسرے متبرک مقامات میں اور نماز، قنوت اور اپنی دوسری دعاؤں میں بار بار اس زمانے میں مسلمانوں کے دشمنوں (قریش اور ان کے سرداروں، بنی سلیم کے قبائل، قبیلہ مضر اور احزاب وغیرہ) پر لعنتیں بھیجتے تھے اور غریبوں اور مومنوں کی نجات کے لئے دعا فرماتے تھے اور ان مسائل اور کعبہ کے تقدس، عبادت اور دعا کے معنوی پہلو کے مابین کوئی تضاد نہ پاتے۔ اب کیا ہوا ہے کہ اسلام کے موجودہ دشمنوں (امپریلازم، صیہونیت اور اشتراکیت) پر لعنت بھیجنا حج کی روح، کعبہ کی حرمت اور دعا کی معنویت کے منافی ہو چکا ہے؟ اور امریکہ اور اسرائیل کے نقصان اور فلسطین کے حق میں بات کرنا حج کے احترام کے کیوں خلاف ہے؟ اور موجودہ ظالم استعمارگروں کو مردہ باد کہنا کیوں فتنہ و فساد سمجھا جاتا ہے اور یہ باتیں مناسک حج کے دوران میں ممنوع ہیں۔ کیا مذکورہ دشمنوں کا موجودہ دور میں اسلام کے لئے خطرہ اس خطرے سے کم تر ہے جو قریش کے سرداروں اور ان کی طرح دوسرے لوگوں کی طرف سے اسلام کو لاحق تھا؟ کیا مسلمانوں تئیں ان کے مظالم ان کے مظالم سے کم تر ہیں؟ یا یہ بات ہے کہ چونکہ مذکورہ احادیث میں

صیہونیت۔ امریکہ اور روس کا نام نہیں آیا اور رسول کی نفرین کا ہدف صرف قریش کے سرداراور ان جیسے لوگ تھے لہذا مسلمانوں کو بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں، عبادتوں میں صرف قریش کے ان سرداروں پر لعنت بھیجیں جو مرمٹ چکے ہیں اور ان سے اب اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی لاحق نہیں ہے۔ لیکن آج اسلام اور مسلمانوں کے سخت خونخوار اور طاقت ور دشمن کا نام تک زبان پر نہ لایا جائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اس تاویل اور توجیہ کو قبول کرسکتی ہے اور کیا اس طرح آیہ کریمہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: ۲۱) جو اسوۂ رسول اللہ کی پیروی کا حکم دیتی ہے، پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

شاید ابھی فلسطین میں اسلام کی حرمت کی ہتک، قبلۂ اول مسلمین پر غاصبانہ قبضہ، مسجد الاقصیٰ کو آگ لگانا، اس کے صحن مبارک میں مسلمانوں کا قتل عام، دیگر دینی حرمتوں کی پائمالی اور امت مرحومہ پر یہ سب جور وستم کافی نہیں ہے کہ ان کے مرتکب عناصر پر خانۂ خدا میں لعنت بھیجی جائے اور مزید صبر کریں تاکہ (دشمن) ہمارے دوسرے قبلہ پر بھی قبضہ کرلے اور بیت الحرام میں بھی انہی جرائم کا اعادہ کرے۔ پھر یہ موقع ملے کہ ہم خانۂ خدا اور حرم رسول میں نالہ وفریاد کرسکیں جی ہاں (ہمارے دشمن) اسی بات کا انتظار کررہے ہیں اور ہمیں بھی اسی دن کے انتظار میں بٹھانا چاہتے ہیں۔ لیکن جب صیہونیوں نے حرمین شریفین پر بھی اپنا جارحانہ قبضہ جمالیا (نعوذ باللہ) تو کیا وہ ہمیں وہاں داخل ہونے دیں گے تاکہ ہم دعا اور نفرین کرسکیں یا نہ کریں۔ کیا وہ ابوجہل سے بدتر نہیں ہیں جو پیغمبر اکرمؐ اور مسلمانوں پر اپنے تمام ظلم کے باوجود کم ازکم انہیں خانۂ خدا میں جانے سے تو نہیں روکتا تھا؟

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حرم خانہ کعبہ میں مشرکوں کے ساتھ جنگ میں پہل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی بعض روایتوں کے مطابق مکہ معظمہ میں اسلحہ لے جانا حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ لفظ قتال سے پتہ چلتا ہے یہ ممنوعیت مسلحانہ جنگ شروع کرنے سے متعلق ہے اور اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ حرم کعبہ

میں اسلام کے دشمنوں کے خلاف تبلیغی جنگ بھی نہ ہو اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو دعوت دے کہ حرم سے باہر نکلنے کے بعد دشمنان اسلام کے خلاف مسلح جنگ کریں۔ اسی لئے رسول خدا حرم کعبہ میں تو مسلح جنگ نہیں کرتے تھے لیکن مسجد الحرام میں ان کی کافروں کے خلاف تبلیغی جنگ بند نہیں ہوتی تھی۔ بخاری اور دوسروں کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ وہاں قریش کے سرداروں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اہل سنت سے مروی اکثر روایات (مثلاً طبری، واقعات ۹ ہجری) کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مامور کیا کہ وہ عرفہ یا عید قربان کے دن منیٰ میں سورۂ برائت کی تیس یا چالیس آیات، بعض روایتوں کے مطابق تمام سورہ، دشمنان اسلام کے سامنے پڑھیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام سورہ دشمنان اسلام سے بے زاری، ان کے عقائد اور کردار کی مذمت، انہیں ڈرانے، شکست دینے کے لئے طاقت کے اعلان، ان کے ساتھ جنگ، قتل اور مسلمانوں کو ان کا تسلط قبول نہ کرنے کا اعلان ہے۔ اس میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ جب کفار نے خود مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا تو وہ (مسلمانوں کے لئے) قابل توجہ نہیں ہیں۔ اس سورہ میں ان مظالم اور تکلیفوں کا بھی ذکر ہے جو کافروں نے مسلمانوں کے حق میں روا رکھیں اور اب بھی روا رکھ رہے ہیں۔ ماضی میں ان کی طرف سے جو معاہدہ ٹوٹا ہے اس کا بھی اس سورہ میں ذکر ہے اور یہ کہ وہ پلید اور ناپاک ہیں لہٰذا خانۂ خدا کے قریب نہ آئیں، ان سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے اور ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے۔ اگر وہ مسجد بھی بنائیں تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ ان کے اعمال کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر کسی مسلمان کا بھائی یا باپ کفار کے گروہ میں داخل ہو جائے تو ان دونوں سے بھی رابطہ منقطع کر لینا چاہیے اور ان سے دور رہنا چاہیے۔ اس سورہ میں بعض یہودی اور عیسائی سرداروں کے مظالم اور ان کی حرام خواریوں کے بارے میں بھی ذکر ہوا ہے اور پہلی امتوں کی سرگذشت بھی بیان کی گئی ہے جو ظالم تھیں اور ان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سورہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے کے احکام بھی آئے ہیں اور مجاہدوں کے لئے خوشخبری اور دوسرے جہان میں ان کے درجات

اور مقامات کی تفصیل بھی درج ہے اور یہ کہ وہ جہاد میں اپنے مال و جان کو قربان کر کے (در حقیقت) اسے خدا کے ہاتھ بیچتے ہیں اس سورہ میں اس بات کی تاکید بھی کی گئی ہے کہ اموال، اشخاص اور رشتہ داروں کی حفاظت کا مسئلہ جہاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اس سورہ میں پچھلے بُرے وقتوں میں (خدا کی طرف سے) غیبی امداد کو یاد دلایا گیا ہے اور دوسرے تمام مکاتب اور نظاموں پر اسلام کے غلبہ کی ضرورت اور دشمنوں پر مسلمانوں کے مکمل تسلط، دشمن کے خلاف جہاد کرنے کے لئے مسلمانوں میں اتحاد پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو خدا کی طرف سے فتح اور جہاد فی سبیل اللہ میں کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے اور جو لوگ جہاد میں سستی کرتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے اور ڈرایا گیا ہے اس سورہ میں جنگ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت سے منع کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسی اجازت چاہتے ہیں ان پر غصے کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ کہ وہ حقیقی مومن نہیں ہیں بلکہ منافق اور بے ایمان ہیں اگر وہ جنگ میں شرکت بھی کریں تو وہ غداری ہی کریں گے۔ اس سورہ میں ان کے منافقانہ کاموں کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ کہ ان کے مال و دولت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے اور وہ جو یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں، ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ـــــ جو کہ مومنوں کا طریقہ ہے ـــــ کی بجائے نہی عن المعروف اور امر بالمنکر کا حکم دیتے ہیں۔ ان کے خلاف بھی کافروں کی طرح جہاد کرنا چاہیئے۔ آخر کار اس سورہ میں ان کے منافقانہ کردار کا پول کھولتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ومّمن حولکم مّن الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق (تمہارے اردگرد بعض عرب منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی، یہ لوگ نفاق میں ماہر اور ثابت ہیں۔ آیہ ۱۰۱)

یہ ہیں اس سورہ کے مضامین کے نمونے جسے حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حساس ترین موقع یعنی حج کے زمانے میں اس عبادت کے اہم ترین

مقامات پر تلاوت کی۔ اس کے نام براءت [1] یعنی خدا اور رسول خدا کی اسلام دشمن عنصروں سے بے زاری' سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے دشمنوں کے بارے میں کیا سخت اور صلح ناپذیر موقف اختیار کیا ہے۔ قرآن مجید کی صرف یہی ایک ایسی سورہ ہے جس کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں ہے اور اس کے آغاز میں خدا کے رحمان و رحیم ہونے اور رحمت رکھنے کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورہ تمام قرآنی سورتوں سے زیادہ، دشمن کے ساتھ نرمی اور صلح کو نظر انداز کرنے اور ان کے خلاف سخت اور خونریز جنگ کی دعوت دیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سورہ برائت کو کافروں اور مشرکوں کے سامنے پڑھنے پر مامور تھے بلکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ مختلف صورتوں میں ان کو دھمکی بھی دیں یہاں تک کہ کفار نے جواب میں کہا:

"نحن نبرء من عہدک وعہد ابن عمک الا من الطعن والضرب"

(ہم تمہارے معاہدے اور تمہارے چچازاد سے بیزار ہیں اور تلوار اور نیزے کے علاوہ کوئی چیز ہمارے درمیان فیصلہ نہیں کر سکتی)

متعدد روایتوں کے مطابق پیغمبر خدا خانہ کعبہ میں بھی اسلام کے دشمنوں کے تئیں بڑے سخت اور تند الفاظ استعمال کرتے۔ حرم خانۂ خدا میں اور وہ بھی حج کے موقع پر، ذوالحجۃ الحرام کے مہینے میں انہوں نے اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک خونریز جنگ کا معاہدہ کیا، جس کے

---

[1] اس سورہ کا دوسرا نام "التوبۃ" ہے۔

پس منظر اور زمان و مکان کے ایسے ہی حالات میں جہاد و قتال کی آیت نازل ہوئی۔ دشمن ان انتظامات کی وجہ سے سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں اور پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ معاہدہ کرنے والوں پر تشدد کیا۔ بزرگ سُنّی عالم طبری اور دیگر اکابر سے مروی ایک واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

قریش کے سردار حجر میں جمع تھے اور پیغمبر خدا کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہنے لگے "ہم نے اس شخص کی طرح کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جو ہماری عقلوں کو ہیچ جانے اور ہمارے آباء و اجداد کو برا بھلا کہے اور ہمارے دین کو حقارت سے دیکھے اور ہماری صفوں میں تفرقہ پیدا کرے اور ہمارے خداؤں کو برا کہے۔ بے شک ہم نے اس کے ساتھ بڑے تحمل سے کام لیا ہے....." وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ پیغمبر خدا اس طرف آنکلے اور حجر اسود کو چھو کر طواف کعبہ میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں وہ قریش کے سامنے سے گزرے۔ ان میں سے ایک نے آپ کے بارے میں طنزیہ جملہ کسا جس کا اثر آپ کے چہرے پر ظاہر ہوا مگر آپ طواف کرتے رہے جب دوسری بار ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر آپ کے بارے میں طنزیہ جملہ کہا اس دفعہ آپ رک گئے اور کہا "اے قوم قریش! سن رہے ہو، اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، آخر کار تم مارے جاؤ گے۔"

آپ کی بات نے قریش پر اثر کیا اور وہ خاموش ہو گئے اس سے پہلے جو لوگ آپؐ کی نسبت میں سب سے زیادہ سخت تھے اب انہوں نے نرمی سے کہا کہ "اے ابوالقاسم خوشی سے چلے جاؤ۔ آپ تو جاہل نہیں ہیں!"

پیغمبر خدا چلے گئے۔ دوسرے دن قریش حجر میں جمع تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ تم اس کے متعلق باتیں کر رہے تھے جب اس نے ناخوش آئند بات کہی تو تم نے اس کو چھوڑ دیا" قریش یہی باتیں کر رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آئے۔ وہ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور کہنے لگے "یہ تم تھے جو ایسی باتیں کر رہے تھے اور جس نے ہمارے دین اور خداؤں کی توہین کی تھی۔"؟

رسول خدا نے کہا: "ہاں میں ہوں جس نے ایسا کہا ہے" ان لوگوں میں سے ایک نے آپ کی چادر کا کونہ پکڑ لیا اور سختی سے کھینچنے لگا۔

طبری اور دوسرے علمائے اہل سنت کی ایک روایت یہ ہے کہ جب مدینے کے لوگ مکہ معظمہ میں پیغمبر خدا کی بیعت کے لیئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ انصاری نے کہا: اے قبیلہ خزرج کے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تم اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا تم اس لیئے بیعت کر رہے ہو کہ تم سرخ یعنی سفید فام اور سیاہ فام سے جنگ کرو۔ اگر تم جانتے ہو کہ جب تمہارے اموال تباہ ہو جائیں گے اور تمہارے سردار قتل ہو جائیں گے تو تم اسے چھوڑ دو گے تو سمجھ لو کہ اس کام میں دنیا و آخرت کی خفت ہے اور اگر یہ سمجھ لو کہ مال و دولت کی تباہی اور سرداروں کے قتل کے بعد بھی تم اپنی بیعت کے پابند رہو گے تو تم اس شخص کو لے جاؤ کیونکہ خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔

اس قوم کے لوگوں نے کہا: ہم ان کو اموال کی تباہی اور سرداروں کے قتل کے باوجود لے جائیں گے۔"

پھر کہنے لگے: اے خدا کے رسول اگر ہم اپنی بیعت پر قائم رہیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ پیغمبر خدا نے فرمایا "بہشت" انہوں نے کہا: "ہاتھ آگے لایئے" رسول خدا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور انہوں نے بیعت کر لی۔

جب سب بیعت کر چکے تو شیطان نے عقبہ کے اوپر سے اونچی آواز میں کہا کہ "اے لوگو! مذمم (یعنی نعوذ باللہ محمدؐ) اور صابی (دین سے برگشتہ) لوگ تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیئے ہم زبان ہو گئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انصار نے ماہ ذی الحجہ میں رسول خدا سے بیعت کی ہوئی کہ مدینہ کے مسلمانوں کے سردار حج کے موقع پر رسول خدا کے پاس آئے اور ان سے بیعت کی اور معاہدہ کیا مگر قریش نے مسلمانوں پر زبردستی شروع کر دی اور رسول خدا نے حکم دیا کہ ان کے

اصحاب مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ یہ دوسرا فتنہ تھا کہ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو بھیجا اور خود بھی ہجرت کر گئے۔ اسی فتنے کے موقع پر خدا کی طرف سے یہ آیہ نازل ہوئی کہ

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہو جائے (الانفال: ۳۹)

جب لوگ میدان منیٰ سے چلے گئے اور یہ راز کھل گیا تو لوگ جان گئے کہ کوئی خاص بات تھی وہ انصار کی ٹوہ میں آئے۔ سعد بن عبادہ جو عظیم قبیلہ خزرج میں سے تھے اور ایمان لا کر بیعت کر چکے تھے۔ ان کو پکڑ کر ان کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے پھر انہیں مکہ میں تکلیفیں دیں۔ ان کے بال کھینچے کیونکہ ان کے بہت بال تھے۔

سعد کہتے ہیں: میں قریش میں گھرا ہوا تھا کہ چند آدمی میری طرف آئے۔ ان میں سے ایک گورے رنگ اور چہرے کا تھا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا تو مجھے زور سے تھپڑ مارا۔

° اوس اور خزرج قبائل کے لوگوں نے عقبہ ثانی میں رسول خدا سے بیعت کی۔ یہ جنگ کی بیعت (معاہدہ جنگ) تھی جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی جیسا کہ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ عقبہ ثانی کی بیعت کا مطلب سرخ و سیاہ کے ساتھ جنگ تھا۔

عبادہ بن صامت جو انصار کے سرکردہ سرداروں میں سے تھے کہتے ہیں: ہم نے رسول خدا کے ہاتھ پر جنگ کی بیعت کی کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو جنگ کی اجازت دی اور آیہ مبارکہ

"وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ" نازل ہوئی

انصار نے جنگ کی بیعت کی۔ پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کریں اور مدینہ کی طرف چلے جائیں۔ پیغمبرؐ مکہ میں رہے۔ آپ انتظار فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے کہ وہ بھی مکہ سے نکلیں اور ہجرت کر جائیں۔

ان سب باتوں کے باوجود عجیب بات ہے کہ بعض بے خبر یا خود غرض لوگوں کے فتویٰ کے

مطابق حج کے زمانے میں اسلام دشمن عناصر کے خلاف تبلیغی جنگ، جہاد اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کی دعوت، فسق وجنگ کے مترادف ہے اور خانہ خدا کی حرمت، دعا اور عبادت کے منافی ہے۔

ہم نے یہاں جن آیات و روایات کا ذکر کیا ہے شاید یہ ان کی نظر سے نہیں گذریں اور غالباً وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ ایک ایسی جنگ اور دعوت ہے جس کے داعی خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین تھے۔ وہ یہ دعوت مسجد میں، منبر پہ، مقدس دنوں میں اور اپنے خطبوں میں ۔۔ جن میں سے بعض خطبات عبادت میں شمار ہوتے ہیں مثلاً نماز جمعہ کا خطبہ، دیتے رہے اور جہاد کے اکثر احکام وہیں سے صادر کرتے رہے۔ انہیں سیاست کے عبادت کے ساتھ مخلوط ہونے اور عبادت گاہ اور عبادت کے دوران میں سیاسی مسائل پیش کرنے پر کوئی ممانعت نہیں تھی۔

شاید ان لوگوں نے صحیح بخاری شریف، یا دیگر صحاح، اسانید، اور حدیث وسنت کی کتب میں، باب التحریض علی القتال (جنگ کی ترغیب کا باب)" باب الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ والزلزلۃ (مشرکوں کے لئے طلب شکست اور زلزلہ کی دعا)، باب الدعاء الامام علیٰ من نکث عہداً (امام کی لعنت ان لوگوں پر جو پیمان شکنی کرتے ہیں کا باب) ۔ باب التحریض علی الرمی وقول اللہ واعدوا لھم مااستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم (تیراندازی کی ترغیب اور خدا کے اقوال کا باب) اور نص قرآنی "کہ جس قدر کر سکتے ہو طاقت اور سواری کے لئے گھوڑوں کو جنگ کے لئے جمع کرو تاکہ خدا کے دشمن اور اپنے دشمن کو اس کے ذریعہ ڈراسکو (انفال: ۶۰) ملاحظہ نہیں فرمائی۔ ہاں! اس قسم کے ابواب اور اسلامی کتابوں کے ایسے عنوانات ان کی نظر سے نہیں گذرے۔ اور اگر دیکھے بھی ہوں تو ان کا نظریہ ہے کہ ان سب عناوین کو حذف کرکے وہاں لکھنا چاہئے" باب الفسوق والجدال"!

کیا قرآن مجید کی سینکڑوں آیات، سیاسی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں موجود نہیں ہیں؟ کیا ان

آیات کی تلاوت اور ان پر غور وخوض بہت بڑی عبادت نہیں ہے؟ کیا ہم انہی آیات کو سب سے بڑی عبادت نماز میں نہیں پڑھتے؟ پھر سیاسی اور عبادتی مسائل کو کیسے ایک دوسرے سے جدا سمجھا جا سکتا ہے؟ حتی کہ فریضہ حج کے احترام کی وجہ سے "الحج" کے نام سے موسوم ہونے والی سورہ حج سے متعلقہ آیات کے ساتھ ساتھ جہاد اور قتل کا ذکر بھی ہے اور مظلوموں اور بے گھر لوگوں کو اپنے دفاع کی ترغیب دی گئی ہے۔ خدا کی امداد اور فتح کا وعدہ بھی ہے اور راہ خدا میں شہید ہونے والوں اور ہجرت کرنے والوں کی عزت افزائی اور دوسرے جہان میں ان کے مقامات و درجات کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ (دیکھیں سورۃ الحج آیات ۳۹، ۴۰، ۵۸ تا ۶۰ اور ۷۸)

اس صورت میں کیا یہ جائز ہے کہ مراسم حج کے دوران میں مذکورہ آیات اور ایسے ہی مندرجہ ذیل دوسری سینکڑوں آیات پڑھی جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ
مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ○ فَتَرَى الَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن
تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں (شمار) ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اسی لئے تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے ان کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے (وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی وقت نہ پڑ جائے۔ مائدہ۔ ۵۱-۵۲

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل

لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا۔

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے ہو۔ اللہ کی راہ میں اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں۔ مردوں میں سے اور عورتوں اور لڑکوں (میں سے) جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی دوست پیدا کر دے اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے۔

النساء ۷۵

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔

بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں جنت ملے گی۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں۔ اور (کبھی) وہ مار ڈالے جاتے ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۱)

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

اور اللہ کی راہ میں لڑو۔ ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے باہر مت نکلو۔

(بقرہ : ۱۹۰)

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔

اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو۔ فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے (بقرہ : ۱۹۱)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ

اور ان سے لڑو یہاں تک فساد باقی نہ رہ جائے اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے۔

(بقرہ : ۱۹۳)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

اے نبی۔ مومنین کو قتال پر آمادہ کیجیے۔ (الانفال : ٦٥)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ط

اے ایمان والو ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے اُس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے۔ (التوبہ: ۱۲۳)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا ہے۔ درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے۔ لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ (البقرۃ: ۲۱٦)

اگر اس قسم کی آیات کی تلاوت مراسم حج کے دوران میں جائز بلکہ بہت ہی مستحب اور مستحسن ہے تو کیا ان آیات کو بالکل سرسری اور معنیٰ پر توجہ دیئے بغیر ہی پڑھنا چاہیے؟ اور ان کے محض الفاظ اور حروف ہی ادا کرنے چاہییں؟ تاکہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (سورہ محمد آیت ۲۴)

کی سرزنش کو اپنے سر لے لیں؟ یہ آیات ہم پر جو ذمہ داری عائد کرتی ہیں کیا انہیں پورا نہ کریں۔ یا ان آیات کے مفاہیم پر غور کرنا چاہیئے؟ اور عہد حاضر میں امتِ مسلمہ کے فرائض کو واضح کرنا چاہیے؟ اور ان یہود و نصاریٰ کی نشاندہی کریں جو مسلمانوں پر مسلط ہونا چاہتے ہیں؟ وہ مسلمان نما جو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور سرپرست بنائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں پر ان کی جابرانہ اور ظالمانہ حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں اور ایک اہم حرمت کو نظر انداز کیا ہوا ہے انہیں رسوا کریں؟ مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع حج جس سے زیادہ پرشکوہ کوئی دوسرا اجتماع نہیں ہے کیا اس میں فتنہ پرداز اور اسلام اور مسلمانوں پر جارحیت کرنے والے کافروں کا تعارف کرایا جائے تاکہ اگلے مرحلے میں انہیں قتل کرنے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کے احکام پر عمل ہو سکے؟ ان غریب

اور کمزور لوگوں کو جن کی مدد کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے انہیں قرآن کے پیروکاروں کے سامنے متعارف نہ کرائیں اور ان سب کو اگر ظلم کی پکار اور ان بچوں، عورتوں، بوڑھوں، کمزوروں اور بیماروں کی فریاد جو مقبوضہ فلسطین، لبنان، افغانستان، فلپائن اور اریٹریا وغیرہ میں جلادوں کے ہاتھوں قتل عام ہو رہے ہیں، مسلمانوں کے کانوں تک پہنچائیں تو کیا ہم فسوق وجدال کے مرتکب ہوتے ہیں؟ یہ کیا چاہتے ہیں؟ کیا ہمیں قرآن پڑھنے سے روک رہے ہیں؟ یا وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان آیات کے کھلے مسلّمہ اور ضروری الحکام کے معانی بیان نہ کریں اور قرآن مجید کی مقدس اصطلاح مستضعف کے مصداق لوگوں کی نشاندہی نہ کریں اور کمزور بنانے والی ناپاک طاقتوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں؟ کیا مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے قرآنی احکام پر عمل کا یہی راستہ ہے؟

کیا دشمنانِ دین کے خلاف جہاد، مسلمانوں کے حقوق اور عزت و ناموس اور اسلام کی پاسداری بڑی عبادات اور اسلام کی ضروریات بلکہ اہم ترین امور میں سے نہیں؟ اس صورت میں سیاسی و عبادتی مسائل کو کیسے ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہم عبادتِ حج کے دوران میں جب کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور اس وقت ان میں خدا کے فرائض کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے ان کو فریضۂ جہاد اور مسلمانوں اور اسلام کے دفاع کی دعوت دیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کیا یہ دعوت نیک کام، امر بالمعروف اور منکرات کا عملاً قلع قمع کرنے کے لئے راستہ ہموار نہیں کرتی ہے؟ کیا عبادت کی دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مقدس اور خدائی امور نہیں اور سب سے بڑی عبادات میں شامل نہیں ہیں جن کو انجام دینے کے لئے قرآن مجید میں احکام صادر ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی نجات ان احکام پر عمل سے مشروط قرار دی گئی ہے؟

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴) اس میں کیا اعتراض ہے کہ مذکورہ بالا عبادات حج کی عبادت کے پہلو بہ پہلو انجام پائیں اور اصولی طور پر ایام حج سے بڑھ کر ان عبادات کے لئے اور کون سا مناسب موقع ہو سکتا ہے۔

ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فلسفہ حج کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِی اَیَّامٍ مَعْلُومَاتٍ (سورۃ الحج آیت ۲۸) اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرعی مفادات کا خیال حج کے دو مقاصد میں سے ہے جو حج کے دوسرے مقصد یعنی خدا کے ذکر کے ساتھ ساتھ پیش نظر ہونا چاہئے۔ اب تمام ممالک اسلامی پر کفار کے تسلط کی بیخ کنی سے بڑھ کر ضروری اور مفید مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ جسے وہ حج کے دوران میں پورا کریں اور یہ مقصد پورا کرنے کے لئے سب کو دعوت دیں؟

جو لوگ ایرانی حاجیوں پر فتنہ و فساد کا جھوٹا الزام لگا کر ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اس کے ناجائز بچے اسرائیل اور اسی طرح روس کے خلاف ایسے موقع پر تبلیغی مہم صحیح نہیں ہے اور حج کا موسم اس قسم کے کاموں کے لئے موزوں نہیں کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ خود انہوں نے زمانہ حج کے علاوہ دوسرے مناسب مواقع پر اسرائیلی اور امریکی کفار کے خلاف جہاد کے اپنے اسلامی فریضہ کو کس قدر انجام دیا ہے؟ اور ان ظالموں سے مقابلہ کرنے کے لئے کون سی سنجیدہ تحریک چلائی ہے؟ کیا وہ اس کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے ان حکومتوں پر اعتراض کرنے کے لئے اپنے شرعی فریضہ کو پورا کیا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں اور اسرائیل کے خلاف جہاد کے وسائل رکھتے ہوئے بھی قدم نہیں اٹھاتیں؟ کیا ان اعتراض کرنے والوں کے خیال

میں جو شخص اپنے فرائض کو بجا نہ لائے اس کی مذمت کی جانی چاہیئے؟ کیا یہ سب مذمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اسرائیل اور امریکہ کے خلاف نعرے لگاتے ہیں اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں؟ کیا یہ اعتراض کرنے والے ان حکومتوں کے خلاف بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنا تیل، دولت اور تشہیر کے تمام وسائل کو اسرائیل کے اصل حامی امریکہ کے اختیار میں دے رکھا ہے؟ یا یہ لوگ صرف اس وقت ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ارادہ کرتے ہیں جب امریکہ اور اسرائیل کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے؟ کیا ترک جہاد، ہزاروں معصوم مسلمان بچوں اور عورتوں کو اسرائیلی مشین گنوں کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دینے، مسلمانوں پر کفار کے ظالمانہ تسلط کو قبول کر لینے اور اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے مختلف طریقوں سے راستہ ہموار کرنے سے بھی زیادہ کوئی کام قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ یا صرف دعوتِ جہاد اور اسلام کی ناموس اور اسلامی معاشرے کی اقدار کا دفاع اور مسلمانوں پر کافروں کے غلبے کی نفی اور باہمی قومی اور گروہی اختلافات مٹا کر خدا کی رسی تھامنا اور نفاق نہ پھیلانے کی دعوت ہی قابل اعتراض ہے؟

بیس[2] سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو رہا ہے کہ یہ عظیم اتفاق (امام امت) مسلمانوں کو غاصب اسرائیل اور اس کے اصلی حامی امریکہ کے خلاف جہاد کے لئے بلا رہا ہے اور اس مقدس جہاد میں فتح کے لئے مسلمانوں پر اتحاد کے لئے زور دے رہا ہے۔ ایران کو امریکہ اور اسرائیل کے غلبہ سے نجات دلانے کے عمل کی قیادت کرنے اور اس جہاد میں ایرانیوں کے لبوں پہ فتح کا ترانہ لانے کے بعد امید یہ کی جا رہی تھی کہ ایران کی عظیم قوت دوسرے اسلامی ممالک کے تعاون سے امریکی امپریلزم اور اس کی کٹھ پتلی حکومت اسرائیل کے وجود کو روئے زمین سے ختم کر دے گی اور بڑے ظالم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ ہو جائیں گے لیکن امپریل ازم اپنے قلعوں کو گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی ایک دوسری کٹھ پتلی حکومت کو اکسایا تاکہ دوسری ہاتھ کٹھ پتلیوں کے ساتھ مل کر ایران کو بے رحمانہ تاخت و تاراج کا اڈہ بنائیں اور اس طرح ایرانی فوجوں کو جن کے دلوں میں تقدس

کی آزادی کیلئے جہاد میں شہادت کی آرزو موجزن تھی انہیں ایک ناخواستہ جنگ میں مشغول کر دیں۔ یہ تباہ کن جنگ جس نے (دونوں ملکوں ایران و عراق کے) ہزاروں انسانوں کو قتل، زخمی، گرفتار اور بے گھر کیا اور کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا اسی طرح جاری رہی اور قادسیہ کا ہیروؔ[1] اپنے آقاؤں کی حمایت کے بل بوتے پر حق کے مقابلہ میں انکساری اور انصاف کے سامنے تسلیم ہونے سے گریز کرتا رہا تاکہ ایرانی فوجیں فلسطین روانہ ہونے کی بجائے اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے میں لگی رہیں، اسرائیل اور امریکہ نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے فلسطین، لبنان اور شام پر ہر ممکن کاری ضربیں لگائیں اور امپریل ازم کے خلاف جنگ میں ایران کے مستقبل میں حامیوں کا قلع قمع کیا۔ قادسیہ کے ہیرو (صدام) اور اس کے دوسرے ساتھی جو پہلے اسرائیل اور اس کے اصل حامی امریکہ کے خلاف ہر قسم کے سیاسی، فوجی، اقتصادی اور تبلیغی امکانات رکھتے تھے اب وہی تمام امکانات ایران کے خلاف جنگ میں استعمال کر رہے تھے۔ انہوں نے ان وسائل کو اسرائیل اور اس کے اصل حامی امریکہ کے خلاف استعمال کرنے سے نہ صرف گریز کیا بلکہ مختلف طریقوں سے کوشش کی کہ مشرق وسطی کے اسلامی ممالک کے جسم میں اسرائیلی سرطان کی پرورش ہو اور اس کے خونی پنجے عرب اور مسلمان مستضعفین کے جسموں میں گڑھ جائیں۔ یہ وجہ تھی کہ استعمار اور استعمار گروں کے عمال کے ہاتھوں ستائے ہوئے اور ستم رسیدہ اس بوڑھے انسان (امام امت) نے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ دیکھا کہ وہ مسلمان عوام کو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جوش و جذبہ دلائے جب انہوں نے دیکھا کہ اسلامی ممالک کے سربراہوں کے پاس خاموشی، مفاہمت، بددیانتی کے سوا کوئی

---

[1]: جنگ قادسیہ، صدر اسلام میں اسلامی اور ساسانی فوجوں کے درمیان ہوئی۔ جس میں ساسانیوں کو شکست اٹھانا پڑی اور ایران اسلامی لشکر (جو عربوں پر مشتمل تھا) کے زیر نگین آگیا۔ صدام اسی مناسبت سے خود کو "قادسیہ کا ہیرو" کہتا ہے حالانکہ قادسیہ میں عرب اور عجم ایک دوسرے کے مد مقابل نہیں تھے بلکہ یہ معرکہ حق و باطل تھا۔

منصوبہ نہیں ہے تو انہوں نے زیادہ سے زیادہ عوام کو مخاطب کیا اور جہاں بھی عوام کے اجتماعات دیکھے وہاں اپنا پیغام پہنچایا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایرانی حجاج اپنے قائد کا پیغام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے مرکز عقیدت میں پہنچ گئے۔ وہی ایران جس کے بارے میں بڑی بے شرمی سے یہ پروپیگنڈا ہوتا تھا۔ کہ اس کی اسرائیل کے ساتھ ساز باز ہے اور فلسطین غصب کرنے والوں کے اسلحے کی مدد سے کامیاب ہوا ہے۔ اس کے قائد کا پیغام یہ تھا۔

"ایرانی حجاج کو مراسم حج کے دوران میں دنیا کے مسلمانوں کو یہ بات سمجھانی چاہیے کہ ایرانی قوم تمام مسلمانوں سے اپنے اور علاقے کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ اسلام کے لئے مدد چاہتی ہے:

"ہاں! اے قرآن اور اسلام کے بیکراں سمندر سے جدا قطرو! ہوش میں آؤ اور اس خدائی سمندر کے ساتھ مل جاؤ اور اس شرمناک زندگی سے نجات حاصل کرو کہ مٹھی بھر آوارہ اسرائیلی تم پر حکومت کریں اور مظلوم مسلمانوں کو تمہارے سامنے پامال کریں۔"

بیدار رہنے کی یہ آواز جو آل رسول اور مکتب وحی کے تعلیم یافتہ شخص کے دل سے نکلی تھی اسے ایرانی حاجیوں نے مرکز رسالت اور گہوارۂ وحی میں پہنچایا اور سورۂ مبارکہ جمعہ کی تلاوت کے بعد وحدت کا نغمہ گانا شروع کیا۔ اس کے بعد "اسرائیل مردہ باد" "امریکہ مردہ باد" اور "روس مردہ باد" کے نعرے لگائے کہ اچانک حملہ شروع ہو گیا ... کس طرف سے .....؟

اسی حکومت کی مسلح افواج کی طرف سے جسے عالم اسلام کی قیادت کا دعویٰ ہے اور جس نے آج تک فلسطین غصب کرنے والوں اور عرب مسلمانوں کے قاتلوں پہ ایک گولی بھی نہیں چلائی۔ جہاں اسرائیل کے اصل حامی امریکہ کے مفادات کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے اور اس کے اثر و رسوخ کا اہم ترین اڈہ بھی۔ اس حکومت کا اصل فن ایسے منصوبے پیش کرنا ہے جو اسرائیل اور اس کے آقا کی پوزیشن مضبوط سے مضبوط تر بنانے اور لاکھوں بدبخت عربوں کا خون بہانے میں کام آ سکیں۔

ہاں اس حکومت کے ظالم اور ستمکار کارندوں نے حملہ کیا۔ ایک طرف اسرائیل اور امریکہ فلسطین اور لبنان میں بے گناہ اور نہتے مظلوم لوگوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھے اور

دوسری طرف یہ لوگ مسجد الحرام کے پہلو میں ان عورتوں اور مردوں پر جھپٹ پڑے جو امریکہ، اسرائیل اور روس کے خلاف فلسطین اور لبنان میں قتل عام پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ اس حکومت کی فوج نے ایرانی حاجیوں اور ان کے قائد کی توہین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کو مشرک و کافر قرار دیا، انہیں زخمی اور زد و کوب کیا، اور ایک بہت بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا بعض کو فریضۂ حج انجام دینے سے محروم رکھا اور حرم خدا سے باہر نکال کر واپس ان کے ممالک بھیج دیا۔ اس حکومت کے وظیفہ خوار مفتیوں نے بھی حتی الامکان وحدت، جہاد اور دفاع کے ان منادیوں کے خلاف شرمناک فتاویٰ صادر فرمائے اور ان پر فتنہ و فساد اور تخریب کاری کے الزامات عائد کئے تاکہ اس کے بعد کسی شخص کو یہ جرات نہ ہو کہ وہ خانۂ خدا اور بارگاہ رسالت میں جلادوں کے ظلم کی شکایت اور ستم رسیدہ افراد کی مظلومیت کی فریاد پیش کر سکے۔ لیکن کیا یہ سوال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ حکومت جسے اسرائیل کے ساتھ جنگ اور فلسطینیوں کے دفاع کا دعویٰ ہے وہ اسرائیل مردہ باد کے نعروں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہے اور اس امر سے کیوں ڈرتی ہے۔

ھذا اتحاد بین المسلمین کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مابین اختلافات پیدا ہونے کے اسباب کو دور کیا جائے اور ایسی باتوں سے گریز کیا جائے جو مسلمانان عالم کے کسی طبقہ کی دل آزاری کا باعث ہوں ہم صرف ایران کے مذکورہ بالا موقف کی ہی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ اتحاد بین المسلمین کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر "کنزالایمان" ترجمہ قرآن حکیم از اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی پر سے عائد شدہ پابندی کو اٹھانے اور تبلیغی جماعت کی سرگرمی کو حرمین شریفین میں دوبارہ شروع کرنے کی اجازت ملنے کی بھی درخواست کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ سعودی حکومت نفاق کے ان تمام اسباب کو دور کرنے کی ہر امکانی کوشش کرے گی جو اتحاد بین المسلمین کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!۔ (خورشید دارثی)

تحریکِ اتحادِ اُمّت کے بارے میں علماء مشائخ اور دانشوروں کی رائے

دیوبندی مسلک کے عالم جناب مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:-

"خورشید صاحب کی تحریک دورِ حاضر کی ایک نہایت ضروری تحریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس تحریک کو کامیاب کرے اور خورشید صاحب کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔"

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ خلیفۂ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:- "ہر نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو"۔ لہٰذا تمام مسلمانانِ عالم سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کام میں خورشید صاحب کی مدد فرمائیں گے۔"

بریلوی مسلک کے ادیبِ شہیر حضرت شمس بریلوی مدظلہ فرماتے ہیں:-

"مکرمی خورشید صاحب کی یہ تحریک جو "اتحادِ اُمّت" کے عنوان سے معنون ہے، یہ حقیقت ہے کہ فی زمانہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لئے ایک مستحسن اقدام اور قابلِ تعریف کوشش ہے۔"

عارف باللہ حضرت الحاج پروفیسر شاہ محمد عبدالغنی (علیگ) قادری، چشتی، نظامی، نیازی صاحب مدظلہ ممبر ادارہ ہذا فرماتے ہیں:-

"خورشید صاحب کی کتاب "اتحادِ اُمّت" اُن کی تحریک کی پہلی کڑی اور نہایت مضبوط کڑی ہے۔ وہ قرآن و سنّت کے معارف کا خزانہ، بنیادی مرضِ اُمّت کی صحیح تشخیص اور اس کے علاج کا گنجینہ ہے۔"

اہلِ حدیث کے عالم اور مفتی حضرت مولانا عبدالقہار صاحب مدظلہ، ممبر مجلس عاملہ ادارہ ہذا فرماتے ہیں:

"مشترکہ دشمنِ اسلام کے خلاف دفاع کے لئے اتحاد صحیح اور درست ہے۔"

اہلِ تشیع کے عالم و فقیہہ حضرت علّامہ ابن حسن نجفی صاحب مدظلہ صدر مؤتمر علمائے امامیہ (پاکستان) تحریر فرماتے ہیں:-

"خداوند عالم خوش رکھے جناب الحاج سید خورشید علی وارثی کو جنہوں نے قرآن کے فلسفے کے اس اہم ترین پہلو اور امّت کی اس سب سے بڑی ضرورت کی جانب مخلصانہ توجہ دی نیز تحریک اتحادِ امّت کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت ان کی سعیِ جمیل "اتحادِ امّت" کتاب کی شکل میں میرے پیشِ نظر ہے۔ اس کاوش کی جتنی بھی توصیف کی جائے کم ہے۔"